مہارانی جھانسی

اوم

جے ہند

مہارانی جھانسی

فخرِ ہند مہارانی لکشمی بائی کے ویر جیون کی امر کہانی
غدر ۱۸۵۷ء یا ہندوستان کے پہلے جنگ آزادی
کی عبرت خیز داستان

از

شری شانتی نارائن

سابق ایڈیٹر بندے ماترم

راجپال اینڈ سنز ہسپتال روڈ لاہور

پہلا ایڈیشن

قیمت چار روپیہ

سمرپن

ویر جننی بھارت ماتا کی ان بے شمار ویر سپتریوں
کی سیوا میں
جو اپنی جننی جنم بھومی کی آزادی
اور اس کے لیش تنخفا کشورو کی ترقی کے لئے
میدان عمل میں قدم بڑھائیں
اور اپنا سب کچھ دیش اور جاتی کے لئے قربان
کر دینے کی ہمت ظاہر کر سکیں

منگل پرارتھی

شانتی نارائن

بھومکا

ویر جننی جنم بھومی بھارت ماتا کی امر کیرتی سپترلیوں میں نند یہہ سیتا بساوتری
پاروتی۔ درگا۔ کنتی دروپدی جیسی بیشمار پراچین قابل عزت دیویوں سے لیکر ہندوستان تک
کی سنجوگتا۔ پدمنی۔ درگاوتی۔ کرناوتی۔ مہامایا رمہاراجہ جسونت سنگھہ ماروا اڑ نریش کی مہارانی)
وغیرہ وغیرہ مشہور تاریخی ویرانگناؤں میں سے شاید میدان جنگ میں اپنی جانبازی
جرأت وشجاعت دکھا کر دیرگتی پانے کا جو شاندار نظارہ جھانسی کی امر کیرتی مہارانی
لکشمی بائی جی کے امر جیون میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ شاید دُنیا بھر کی تواریخ جنگ و
جدل میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔

جس حیرت خیز بہادری۔ مردانگی جرأت اور شجاعت سے مہارانی لکشمی بائی جی نے۔
فنون جنگ کے ماہر انگریزی سپہ سالار سر ہیوز بروز اور انکی بہترین سامان جنگ سے آراستہ
پیراستہ بے شمار فوجوں کا آخری دم تک مقابلہ کیا ہے۔ وہ صرف ہمارے۔ اس تاریخی ناول
کی ویرانگنا (بیروان) کا ہی حصہ کہی جا سکتی ہے تبھی تو ان سودیش باسی بہنوں اور بھائیوں
کے دلوں میں ان کا اتنا پریم اور اتنا سنمان ہے کہ آج تقریباً ایک صدی بعد بھی ہندوستان بھارت
کے قابل فخر فوجی نیتا امر ویر شری سوبھاش چندر بوس کو اپنی "آزاد ہند فوج" (انڈین نیشنل
آرمی) کے ویرانگنا دل کے لئے "مہارانی جھانسی رجمنٹ" کا شبھ نام ہی پسند آیا اور یہ بھی ایک
عجیب اتفاق ہے۔ کہ اس بہادر مہارانی جھانسی رجمنٹ کے جملہ انتظامات کی نگرانی بھی جس
دیوی کے سپرد ہوئی اس کا نام نامی بھی کپتان ڈاکٹر لکشمی بائی ہی ہے۔ آشا ہے کہ آئندہ
آزاد بھارت کے اتہاس میں یہ شبھ نام بھی وہی شہرت و عظمت حاصل کریگا جو سونام
مہارانی لکشمی بائی جی کے شبھ نام کو نصیب ہوئی ہے۔

اس ناول کا ایک سرسری نظر سے بھی مطالعہ کرنے والے پریمی ناظرین پر یہ بآسانی
ظاہر ہو جائیگا کہ مہارانی لکشمی بائی جی نے میدان جنگ میں جیسی غیر معمولی جانبازی و

جرأت کا اظہار کیا ہے۔ ویسی ہی دُور اندیشی۔ دانشمندی اور معاملہ فہمی وہ اپنی ریاست کے انتظامات اور پرجا پالن کے شعبہ کام میں بھی دکھاتی رہی ہیں۔

میدانِ جنگ میں جو حیرت خیز جرأت و شجاعت مہارانی جی نے ظاہر کی ہے اسکا لوہا تو انکے مدمقابل انگریز سیناپتی سرہیوز جیسے ماہرِ جنگ کو بھی مان کر یہ رائے ظاہر کرنی پڑی کہ "رانی سب سے زیادہ بہادر اور بہترین فوجی لیڈر تھیں۔" اور قریباً سبھی انگریز مورخوں اور مصنفوں کو بھی اس پہلو میں مہارانی جی کو خراجِ تحسین پیش کرنا پڑا ہے۔ جیسا کہ آئیندہ صفحات میں ان کی مختلف تصنیفات کے اقتباسات سے صاف ظاہر ہے۔

اس ناول کی تیاری میں مجھے شری بلونت راؤ پارسنس اور کرشن اماکانت گوکھلے کی مقبولِ عام تصنیفات سے پوری پوری مدد ملی ہے۔ جس کے لئے میں ان کا نہایت ممنون ہوں۔ ساتھ ہی میرے عزیز نوجوان دوست شری وشوا ناتھ ایم۔ اے اور ان کے بھائیوں مالکان میسرز راجپال اینڈ سنز۔ لاہور نے اس پُستک کی ہندی اور اُردو دونو رسم الخط میں اشاعت منظور فرما کر میری جو حوصلہ افزائی کی ہے اس کے لئے میں ان کا بھی تہِ دل سے شکر گذار ہوں۔ پربھو پرماتما کی کرپا سے اُمید ہے کہ آئیندہ میرے ان تاریخی ناولوں کا سلسلہ جو کچھ عرصہ سے بند ہو گیا تھا پھر خاطر خواہ طور پر جاری رہیگا۔ اور پہلے کی طرح میری تصنیفات صرف اُردو میں ہی شائع نہ ہو کر ہندی اکشروں میں بھی اسی طرح چھپکر پریمی جنتا کو لابھ پہونچاتی رہیں گی

اس سلسلے کا اگلا ناول "ویرامر سنگھ" کے نام سے تیار ہو رہا ہے۔ ناظرین انتظار فرمائیں۔

شملہ

۲۰ جولائی ۱۹۴۶ء

ونیت

شانتی نارائن

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	پیشین گوئی	۹
۲	کچھ بیتی باتیں	۱۳
۳	سگائی اور شادی	۱۸
۴	جھانسی راج کا مختصر اتہاس	۲۲
۵	مہاراجہ گنگا دھر راؤ	۳۹
۶	تیرتھ یاترا	۴۴
۷	بیماریٔ غم	۴۷
۸	متبنیٰ بنانے کی رسم	۵۴
۹	سورگباش کے بعد	۶۲
۱۰	مہارانی کا اضطراب	۷۲
۱۱	نئی جھنجھٹ	۸۰
۱۲	گورنر جنرل کا فیصلہ	۸۴
۱۳	دکھی دل کی پکار	۹۴
۱۴	ستی کا تپ ویتج	۱۱۴
۱۵	غدر ۱۸۵۷ء	۱۲۱
۱۶	جھانسی کا محاصرہ اور انگریزوں کا قتل عام	۱۳۵

نمبر	مضمون	صفحہ
۱۷	مہارانی کے راج محل کا محاصرہ	۱۴۸
۱۸	باغیوں سے دو دو ہاتھ	۱۵۸
۱۹	نھّے خاں کا جادو انگریزوں پر	۱۶۸
۲۰	ویر تانتیا ٹوپی	۱۷۹
۲۱	نامہ و پیام	۱۸۴
۲۲	قلعے پر خوفناک حملہ	۱۹۷
۲۳	سربکف قافلہ	۲۲۱
۲۴	سات روزہ لوٹ اور قتل و عام	۲۲۸
۲۵	مہارانی جی اور راؤ صاحب	۲۳۹
۲۶	کالپی پر حملہ	۲۴۷
۲۷	کالپی کی ہار اور اس کے بعد	۲۶۰
۲۸	شیرنی کی گرج	۲۶۷
۲۹	حیرت انگیز معرکہ	۲۸۰
۳۰	رنگ رلیاں اور ان کا حسرتناک انجام	۲۸۴
۳۱	دیوی! تم دھنیہ ہو	۲۹۳
۳۲	گوالیار کی معرکہ خیز جنگ	۳۰۲
۳۳	مہارانی کی آخری جد و جہد اور ویر گتی	۳۱۱
۳۴	تانتیا ویر کی شطرنجی چالیں	۳۱۶

مہارانی جھانسی

(۱)

پیشین گوئی

پلوتردھام برہماورت کے ایک پُر رونق محلے میں ایک عالیشان حویلی کے
صدر دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے دو معزز اصحاب آپس میں کچھ بات
چیت کر رہے تھے اور ایک ہونہار۔ نہایت ہی خوبصورت کم عمر بچی ان کے
پاس کھڑی ہوئی۔ آتے جاتے راہگیروں کا تماشہ دیکھ رہی تھی۔

ان میں سے ایک کی عمر کوئی ۴۰ - ۴۵ سال کی ہوگی۔ مگر اس کے سادہ
لباس کے باوجود بھی اس کے چہرے سے رئیسی و حاکمانہ شان ٹپک رہی تھی۔

دوسرے شخص کی عمر پہلے سے کچھ زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بالوں میں
سفیدی جھلک آئی تھی اور لباس پوشاک سے غریبی عیاں تھی۔ مگر پھر بھی جس
مؤدبانہ اور بے تکلفی سے وہ پہلے شخص سے بات چیت کر رہا تھا اور اس کے

ہر سوال کا جواب دے رہا تھا۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا۔ کہ اگرچہ دونوں کے درجے اور رتبے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مگر پھر بھی یہ دونوں بے تکلف دوست اور مصاحب ہونے کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ دلی محبت اور پریم کی زنجیروں میں وابستہ ہیں۔

لڑکی کی عمر کوئی ۵ – ۷ سال کی ہوگی۔ مگر اس کمسنی میں ہی اس کے دلفریب مکھڑے پر حسن و جمال نثار ہوتا نظر آ رہا تھا۔ کھلے ہوئے پھول کی مانند جاذب نظر۔ زاہد فریب چہرہ۔ گورا گورا نکھرا ہوا رنگ۔ ہرن کی سی بڑی بڑی خوشنما مگر شوخ اور چنچل آنکھیں۔ ستواں لمبی اور ابھری ہوئی موزوں ناک۔ لمبی گردن۔ بوٹا سا قد۔ گٹھا ہوا پھرتیلا جسم۔ غرضیکہ اس کے چہرے مہرے کے ہر نقش و نگار اور جسم کے انگ انگ میں ایک ایسی موزونیت اور خوبصورتی پائی جاتی تھی۔ کہ ہر دیکھنے والے کی نگاہیں اس مجسمۂ حسن اور خوبصورتی کی پوتر دیوی کو بار بار دیکھنے۔ بلکہ دیر تک برابر دیکھتے ہی رہنے کے لئے مجبور ہو جاتی تھیں۔

عین اسی وقت دور سے ٹن ٹن ٹنا ٹن نہیت سے گھنٹے بجنے کی آواز کانوں میں آنے لگیں۔ اور سب کی نظریں بےساختہ اٹھ گئیں۔ اتنے ہی میں ایک خوبصورت کھٹا رتھی۔ نظر آیا جو اپنی مست چال سے جھومتا جھامتا اسی طرف چلا آ رہا تھا۔ اسی کی پیٹھ پر زردوزی کام کے نہایت ہی اعلےٰ اور خوشنما پھولوں سے آراستہ و پیراستہ مخملی جھول پڑی ہوئی تھی اور اس پہ سنہری روپہری بیل بوٹوں سے سجا ہوا ہودا کسا تھا۔ جس میں دو نہایت ہی خوبصورت بچے زرق برق بیش بہا لباس میں ملبوس۔ خوش خوش بیٹھے نظر آ رہے تھے۔

انہوں نے دور سے ہی اس زاہد فریب لڑکی کو سڑک پر کھڑے دیکھ کر۔

چلاّ چلاّ کر اور تالیاں بجا بجا کر کہنا شروع کر دیا۔ "چھبیلی! او چھبیلی!! دیکھ ہم ہاتھی پر چڑھے ہوئے ہیں!"

انہیں ہاتھی پر چڑھا دیکھ کر اس کم عمر شوخ اور چنچل لڑکی نے بھی پُر اصرار لہجے میں یہ کہنا شروع کر دیا۔ "پتاجی! پتاجی!! ہم بھی ہاتھی پر چڑھ کر نانا صاحب کے ساتھ جائیں گے۔"

اس پر نیک دل رئیس نے چلاّ کر کہا۔ "نانا! او نانا! چھبیلی کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

تیز و طرار شوخ طبع رئیس زادوں نے ہم آواز ہو کر جواب دیا۔ "نہیں! نہیں!! ہم چھبیلی و بیلی کو اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے!" اور مہاوت کو حکم دیا۔ "چلو! چلو!! اور تیز چلو!!!"

مہاوت نے ہاتھی کے "انکس" لگایا اور وہ اپنی رفتار تیز کر کے آناً فاناً نظروں سے غائب ہو گیا۔ صرف گھنٹوں کی "ٹن ٹن ٹناٹن" کی آوازیں دیر تک کانوں میں آتی رہیں۔

ہاتھی کے اس طرح نکل جانے پر یہ ننھی حسینہ مچل مچل کر اور اپنے والد بزرگوار کا دامن کھینچ کھینچ کر ضد بھرے لہجے میں "میں بھی ہاتھی پر چڑھوں گی! میں بھی ہاتھی پر چڑھوں گی" کہنے لگی۔ دوران دونو اصحاب، کی بات چیت میں مخل ہونے لگی۔ رئیس صاحب نے ہر چند کہا کہ "بیٹی! ہاتھی کو واپس آنے دے۔ تو تجھے بٹھا دیں گے۔" لیکن اس شوخ طبع لڑکی نے ایک نہ سُنی۔

اسے اس طرح آسانی سے نہ مانتے ہوئے اور اپنی بات چیت میں مخل ہوتے دیکھ کر۔ مجبوراً رئیس صاحب نے اپنے مصاحب سے کہا۔ "اچھا! تانتیے جی! آپ اس دیوی کو پہنچائیں۔ ہم اب جاتے ہیں۔ یہ بات چیت پھر ہو

جائے گی۔"

پنڈت صاحب تو یہ کہہ کر چلے گئے۔ مگر لڑکی کا اصرار پھر بھی جاری رہا اور وہ یہی کہتی رہی کہ "میں ہاتھی پر چڑھوں گی! ہاتھی پر چڑھوں گی۔"

یہاں تک کہ اس کی بے جا ضد اور ہٹ سے تنگ آ کر اس کے پریم مورت پتا جی کو بھی۔ مجبوراً۔ ایک جھڑکی بھرے لہجے میں کسی قدر سختی کے ساتھ مگر نہایت دُکھ بھرے دل سے یہ کہنا پڑا:۔ ابھاگی لڑکی! تیرے ایسے بھاگیہ کہاں جو تُو ہاتھی پر چڑھ سکے! ہاتھی پر ہی چڑھنا تھا۔ تو کسی راجہ مہاراجہ کے گھر جنم لیا ہوتا! مجھ بھکاری برہمن کے گھر کیوں جنم لیا؟ یہ بھی تیری بڑی ہی خوش قسمتی ہے۔ جو پیشوا جی کی کرپا سے تجھے چڑھنے کے لئے ایک گھوڑا تو مل گیا ہے۔ ورنہ میرے بل بوتے کی تو یہ بات بھی نہ تھی۔"

اپنے پوجیہ پتا جی کے یہ دکھ بھرے الفاظ سُن کر وہ شوخ مگر ہونہار حسینہ اپنا رونا مچلنا سب بھول گئی۔ لیکن پھر بھی شوخی آمیز لہجہ میں بولی "واہ! پتا جی واہ! یہ آپ نے کیا کہا! میرے بھاگیہ میں تو ایک چھوڑ۔ دس دس ہاتھی لکھے ہیں۔ ایک دن دیکھ لینا!"

اُس دیوی کی اس حاضر جوابی اور پیشین گوئی پر مسکرا کر اس کے بُوڑھے باپ نے خوشی بھرے لہجے میں کہا:" اچھا! اچھا! تیرے مُنہ میں گھی کھانڈ! بھگوان کریں ایسا ہی ہو اور تجھے اس سے بھی بڑھ چڑھ کر بھاگ لگیں! یہ ہو تو مجھ سے بڑھ کر سنسار میں خوش نصیب پتا اور کون ہو سکتا ہے؟ چلو! اب ہم بھی گھر چلیں۔"

ہونہار لڑکی چُپ چاپ اپنے پتا کے ساتھ ہولی اور رستے بھر کچھ نہ بولی گویا وہ یہی سوچتی رہی کہ یہ بات جو اس طرح بے سوچے سمجھے میرے منہ سے

نکل گئی ہے۔ کیا کبھی کسی طرح پوری بھی ہوسکتی ہے؟ ے
کاتبِ تقدیر نے قسمت میں ہے کیا لکھ دیا؟
کون کہہ سکتا ہے؟ اس کو خود وہی ہے جانتا!

(۲)

کچھ بیتی باتیں!

پڑھنے والے یقیناً حیران ہوں گے۔ کہ یہ شوخ اور ہونہار حسینہ کون ہے۔ جو ہاتھی پر چڑھنے کے لئے اس طرح مچلنے لگی تھی؟ اور پھر جس نے کمال شوخ چشمی اور دیدہ دلیری سے۔ شاید بالکل بے سوچے سمجھے ہی۔ اپنے بارہ میں یہ پیشین گوئی بھی کردی کہ "میں تو ایک چھوڑ۔ دس دس ہاتھیوں کی" مالکہ بنوں گی۔

یہ جس کی نورِ نظر اور لختِ جگر ہے؟ اس نے اپنے آپ کو ایک بھکاری برہمن کیوں کہا ہے؟ اور وہ نیک دل رئیس کون ہے۔ جس کی مصاحبی کا فخر اسے حاصل ہے؟

اپنے ناول کے ان تینوں افراد کا تعارف کرانے کے لئے یہاں کچھ بیتی باتوں کا ذکر نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو بالکل فرضی یا قیاسی نہیں بلکہ جن کی بنیاد مہاراشٹر ویر چھترپتی شیواجی مہاراج کے مہاراشٹر ویش کے اتہاس پر نہایت پختگی اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہے۔ اور آیندہ بھی جن واقعات یا جن افراد کا اس ناول میں ایک افسانے کے طور پر ذکر آئے گا۔ ان میں سے

اکثر ایسے ہی تاریخی ہوں گے۔ جن کی شہادت ہمارے بھارت اتہاس میں جگہ جگہ بکھری ہوئی مل سکیگی۔ اس لئے پریمی پاٹھکوں کو انہیں خاص غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کرکے۔ ان سے مناسب سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک ہستی زبان حال سے یہ کہتی ہوئی سنائی دیگی۔ کہ

زندگی اپنی ضمانہ ہے زمانے کے لئے
گم ہوئے ہیں ہم جہاں سے۔ یاد آنے کے لئے
مر گئے۔ لیکن جہاں میں نام پیدا کر گئے
موت آنے کے لئے ہے جان جانے کے لئے

انیسویں صدی کے شروع میں مہاراشٹر کے مشہور نگر ستارہ کے قریب کرشنا ندی کے کنارے وائی نامی گاؤں میں ایک بلند خیال ودوان مرہٹہ برہمن رہا کرتے تھے۔ ان کا شبھ نام کرشن راؤ تانبے تھا۔ ان کی علمیت اور قابلیت کا شہرہ سن کر پیشوا جی نے انہیں اپنی عدالت عالیہ کا ایک جج مقرر کر دیا۔ صرف یہی نہیں ان کے سپتر بلونت راؤ تانبے کو بھی۔ جو ایک بڑے بہادر اور اولالعزم یودھا تھے۔ پیشوا جی نے اپنی فوج میں ایک اعلےٰ عہدے پر ممتاز فرما کر ان کی خوب عزت افزائی کی۔

ان بلونت راؤ کے دو سپتر ہوئے۔ مورو پنت اور سداشو۔

پیشوا باجی راؤ دوئم کے سگے بھائی۔ چیماجی مورو پنت پر بہت مہربان تھے۔ جب ۱۸۱۸ء میں انگریزوں نے ان آخری پیشوا کو بد نظمی کے الزام لگا کر حکومت سے الگ ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ اور وہ آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ پنشن لے کر برہماورت میں رہنے لگے۔ تو انگریزوں نے ان کے سگے چیماجی کو پیشوا بنانا چاہا۔ اور پونا کے اردگرد ۲۰ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کا علاقہ بھی انہیں

پیش کیا۔ مگر آزادی پسند چیماجی نے یہ پیشکش منظور نہ کی اور پونا سے کاشی جی چلے گئے ۔ اس خاندان کے ساتھ ہی مورو پنت کا ستارۂ اقبال بھی گردش میں آگیا ۔ چونکہ مورو پنت کا چیماجی سے بڑا پریم تھا۔ اور وہ ہر طرح چیماجی کے ممنون احسان بھی تھے۔ اس لئے ان سے بھی اب پونا میں نہ رہا گیا۔ اور وہ بھی کچھ عرصہ بعد ان کے پیچھے پیچھے ہی اپنے پریوار سمیت کاشی جی پہنچ گئے۔ سچ ہے

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

دوہا۔ پریم ڈور اتی کٹھن ہے ناسوں کچھ نہ بس آئے
پریمی کے پلے بندھے۔ جہاں چاہے لے جائے

مورو پنت جی کی دھرم پتنی بھاگیرتھی بائی جی بڑی سُندر۔ ہنس مکھ اور گُن وتی دیوی تھیں۔ دونو پتی پتنی میں اتنا گہرا پریم تھا کہ دونوں کو ایک جان دو قالب کہنا کسی طرح بھی مبالغہ نہ ہوگا۔

کاتک بدی اشٹمی سمت ۱۸۹۱ بکرمی یعنی ۱۳ نومبر ۱۸۳۵ء کو بڑے شبھ مہورت اور شبھ اوسر پر انہیں بھاگیرتھی بائی جی نے ایک بڑی ہی سُندر روپ وتی کنیا رتن کو جنم دیا۔ ماتا پتا نے بڑے پریم سے اُس کا شبھ نام منی کرنیکا بائی رکھا۔ جو پیار میں منو بائی ہوگیا۔

دونوں نے دلی محبت اور شفقت سے اس کی پرورش شروع کی۔ جب چند سال بعد ہی چیماجی کا۔ کاشی جی میں دیہانت ہوگیا۔ تو مورو پنت کا بھی وہاں کوئی آسرا نہ رہا۔ اور وہ مجبوراً اپنی دھرم پتنی بھاگیرتھی بائی اور سپتری منو بائی سمیت باجی راؤ پیشوا کے پاس برہماورت چلے آئے۔ کیونکہ پیشوا جی بھی ان پر بڑے مہربان تھے۔ اور ان کی وفادارانہ خدمات کی بڑی قدر

کیا کرتے تھے۔ اس لئے اب پیشواجی کے مقرب خاص کے طور پر ان کا گذارہ بڑی عزت اور فارغ البالی سے ہونے لگا۔

لیکن قدرت کو معصوم منو بائی کا یہ عیش و آرام کچھ زیادہ عرصے تک پسند نہ آیا۔ اس لئے کم عمری میں ہی اس کے سر سے۔ پریم بھری ماں کا سایہ ہمیشہ کے لئے دور ہو گیا۔ اب اس کی پرورش کا سارا بوجھ اس کے پوجیہ پتا موروپنت جی ہی پر پڑ گیا۔ اور وہ اپنے اس پاک فرض کو اپنے مردانہ طریق سے سرانجام دینے لگے۔ جس کی بدولت اس حسین و مہ جبین لڑکی میں بچپن سے ہی غیر معمولی مردانہ ہمت و جرأت۔ اوالعزمی و استقلال۔ اور دوسری بہت سی ایسی صفات پیدا ہو گئیں۔ جو شاید ایک محبت بھری ماں کے زیر سایہ اور اس کے آغوش مادری میں کسی طرح بھی پیدا نہ ہو سکتیں۔ اور اس طرح سرو شکتی مان بھگوان نے اپنی اپار شکتی سے اس دیوی کو ان تمام بہادرانہ اور جانبازانہ اوصاف کی تعلیم حاصل کرنے کا ایک نادر موقع پیدا کر دیا۔ جو ایک نامعلوم کرم چکر کے باعث اس کی آئندہ زندگی کے پروگرام میں۔ قدرت کی طرف سے داخل کر دیا گیا تھا۔ اور جس کا بہرحال پورا ہونا لازمی تھا۔

چنانچہ ماں کی پریم بھری گود سے اس طرح اچانک ہی محروم ہو جانے کے باعث جب اس ہونہار تیز فہم اور بھولی بھالی خوبصورت لڑکی نے مجبوراً اپنے پوجیہ پتا جی کے ساتھ پیشوا جی کے دلکش دربار اور محلوں میں بہت آنا جانا شروع کیا۔ اور اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ طفلانہ کھیل کود میں وہیں گذارنے لگی تو آہستہ آہستہ پیشوا جی۔ ان کی رانیوں اور بچوں میں ہی وہ ہر دلعزیز نہیں ہوتی گئی۔ بلکہ پیشوا جی کے سب درباری اور دوسرے اہلکار بھی اس سے دلی محبت کرنے لگے۔ اور سب اسے پیار سے "چھبیلی چھبیلی" کہہ

کرپکارنے لگے۔ اس طرح اس کا اصلی نام منوبائی تو بظاہر سبھی بھول گئے۔
معزول پیشوا باجی راؤ کے دونو متبنٰے لڑکے نانا صاحب اور راؤ صاحب بھی منوبائی کے ہم عمر ہی تھے۔ اس کے ساتھ کھیلتے کھیلتے وہ دونوں ہی اس سے ایسے مانوس ہوگئے کہ یہ تینوں اکثر اکٹھے ہی دیکھے جاتے تھے چنانچہ جب تک یہ تینوں بچے کم عمر رہے تب تک تو سب اکٹھے کھیلتے ہی رہے۔ اس کے بعد کچھ ہوش آجانے پر بھی جب ان دونوں کی تعلیم شروع ہوئی تو پیشوا جی کی مہربانی سے۔ اس ہونہار کنیا کی تعلیم بھی ان لڑکوں کے ساتھ ہی شروع ہوگئی۔ اس لئے ان دیر بالکوں کے ساتھ اس طرح کھیلنے کودنے اور تعلیم پانے سے۔ یہ بالکا بھی آہستہ آہستہ دیر بالا بنتی چلی گئی۔ اور اس میں اس کی قدرتی زنانہ خوبیوں کے ساتھ ہی ساتھ۔ مردانہ ہمت و جرأت اور بہادری و شجاعت بھی آہستہ آہستہ پیدا ہوگئی۔ اب وہ نہ صرف ان دیر بالکوں کیساتھ اپنا گھوڑا ہی دوڑائے پھرا کرتی تھی بلکہ اس کم عمری میں ہی ان کے ساتھ سیر شکار کو بھی چلی جایا کرتی تھی۔ اور کہیں بھی کسی طرح خوف زدہ نہ ہوتی تھی۔

لیکن کبھی کبھی وہ دونوں شریر لڑکے اپنی طفلانہ شرارت پسندی کے زیر اثر منوبائی کو چڑانے اور تنگ کرنے میں بھی ایک خاص لطف محسوس کیا کرتے تھے۔ جیساکہ پچھلے باب میں ہی ناظرین دیکھ چکے ہیں۔ کہ کس طرح انہوں نے منوبائی عرف چھبیلی کو۔ پیشوا جی کے کہنے پر اپنے ساتھ ہاتھی پر سوار نہ کرکے۔ اسے رونے اور مچلنے کا موقع دے دیا تھا۔ جب کہ منوبائی نے کمال شوخ چشمی سے اپنے متعلق یہ پیشین گوئی کرکے۔ اپنے بوڑھے باپ کو دنگ کردیا۔ کہ "میرے بھاگ میں تو ایک چھوڑ۔ دس دس ہاتھی لکھے ہیں" اور آخر اس کے پریمی پتا کو اس کی اس شوخ چشمی اور دیدہ دلیری

پر کچھ ناراض ہونے کی بجائے اسے یہ اشیرواد ہی دینی پڑی کہ "بھگوان کریں ایسا ہی ہو بلکہ تجھے اس سے بھی بڑھ چڑھ کر بھاگ لگیں!"

غرضیکہ اس طرح منو بائی اپنے قدرتی زنانہ اوصاف کی نشو و نما کے پہلو بہ پہلو اس مردانہ فضا میں پرورش پاتی ہوئی مردانہ اوصاف سے متصف ہوکر روز بروز سن بلوغت کی طرف قدم بڑھانے لگی۔

(۳)

سگائی اور شادی

جوں جوں منو بائی بالغ ہوتی ہوئی منزل شباب کے قریب پہنچتی جارہی تھی۔ اس کے پدر جیہ پنا جی تیتران کے سرپرست پیشوا جی کو اس کے لئے کسی یوگیہ ور کی تلاش کا فکر زیادہ سے زیادہ تر پریشان کرتا جارہا تھا۔ کیونکہ برہما ورت اور اس کے گرد و نواح میں تو انہیں کوئی باہمہ صفت موصوف۔ عالی خاندان برہمن نوجوان نظر نہیں آتا تھا۔ جو اس جری ہمت۔ شیردل دیریانہ کے لئے ایک یوگیہ ور سمجھا جانے کا مستحق خیال کیا جاسکے۔ اور جیسی بلند مرتبت فضا میں اس کی پرورش ہوئی تھی۔ ویسی ہی اعلیٰ فضا میں اس کی زندگی بھی بسر کرا سکے۔

مگر تقدیر کا زبردست اور دور رس ہاتھ۔ مستقبل کے تمام پوشیدہ رازوں سے بے خبر انسانوں کی پریشانیوں کی۔ چاہے وہ کتنی ہی بڑھی چڑھی کیوں نہ ہوں۔ کب پرواکرتا ہے؟ وہ تو بالکل ایک صحیح رفتار گھڑی کی

سوئیوں کی مانند اپنے کام میں شب و روز مصروف رہتا ہے۔ اور تمام ہونے والے کاموں کو ایسے غیر متوقع طور پر بالکل اچانک ہی پورا کر دکھاتا ہے کہ سب کے سب دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔ اور یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ہم نے اپنی کوتاہ عقلی اور بد اعتقادی کے باعث اس قادر مطلق کارساز کی کارسازیوں پر اعتماد و بھروسہ نہ رکھتے خواہ مخواہ ہی اس فکر و تشویش کی فضول زحمت برداشت کی۔ ورنہ

کارساز ما بفکر کار ما فکر ما در کار ما آزار ما

چنانچہ اچانک ہی ایک روز جھانسی کے راج جیوتشی جیتوا باجی راؤ جی کی ملاقات کے لئے برہمادرت آ پہونچے۔ ان کا شبھ نام پنڈت تانتیا دیکشت تھا۔ قدرتاً موروپنت جی نے ان کی آمد کو ایک غیبی امداد سمجھ کر اپنی نورچشمی منوبائی کے بیاہ شادی کا ان سے تذکرہ کیا۔ اور اس کی جنم پتری بھی انہیں دکھلاتے ہوئے کہا "مہاراج! اس سایۂ مادری سے محروم کنیا کے لئے۔ اگر آپ کرپا کر کے کوئی یوگیہ ور تجویز کر دیں۔ تو میں اس کے بارے سبکدوش ہو کر گنگا نہاؤں۔ کیونکہ جوں جوں یہ جوانی کی منزل کے قریب پہنچتی جا رہی ہے میرے لئے اس کی نگرانی مشکل ہوتی جاتی ہے۔"

جیوتشی جی نے منوبائی کی جنم پتری کو مناسب غور و خوض سے دیکھ کر اور بہت کچھ حساب کتاب لگانے کے بعد کہا "بھائی! اس کے تو راج یوگ پڑا ہے۔ یہ کسی ایسے ویسے گھر تو جا ہی نہیں سکتی۔ تم کچھ چنتا نہ کرو۔ سمے آئے گا تو خود ہی کوئی راجہ مہاراجہ اس کے شبھ گنوں پر موہت ہو کر اس کے پریم کا بھکاری بن کر تمہارے دروازے پر آ کھڑا ہو گا۔ یہ کام تمہارے یا میرے کئے ہرگز پورا نہ ہو سکیگا۔ ویسے میں بھی کوشش ضرور

کروں گا۔ آگے رہے اس دیوی کے سنجوگ!"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور راج جیوتشی تانتیا جی کی کوششوں اور جوڑ توڑ سے اس سات سالہ کنیا منو بائی عرف چھبیلی کا وواہ ۱۸۴۲ء میں جھانسی کے راجہ شریمان گنگا دھر راؤ سے ہو گیا۔ جو اپنے راج پاٹ کے لئے ایک قابل یوراج حاصل کرنے کی غرض سے۔ اپنی اچھی بڑی عمر میں بھی کسی شبھ گن وتی اور ہونہار سُندری سے بواہ رچانا چاہتے تھے۔ جیوتشی تانتیا جی نے اس دیوی کے رُوپ۔ گنّوں اور نکشتروں کی مہاراج سے کچھ ایسی تعریف کی۔ کہ وہ اس کی کم عمری کا بھی کچھ خیال نہ کر کے۔ اس کے ساتھ بواہ رچانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور خوب دھوم دھام سے دونو کی شادی قرار پائی۔

اس وقت اس بھولی بھالی الہڑ اور کمسن لڑکی کو بیاہ شادی کے اصل منشا و مطلب سے بھی کچھ واقفیت نہ تھی۔ اور وہ اس عمر بھر کے بندھن اور رشتے کو بھی ایک معمولی سا کھیل ہی سمجھتی تھی۔ چنانچہ یہ مشہور ہے کہ جب ان دونوں کے بواہ کی ضروری رسمیں ادا ہوتے ہوئے دونو کے دوپٹوں میں گانٹھ باندھے جانے کا وقت آیا۔ تو بھولی بھالی دولہن منوبائی نے اپنی چنچل طبیعت اور شوخ مزاجی کے زیر اثر پروہت جی سے یہ کہا کہ "پنڈت جی مہاراج! ذرا مضبوط سی گانٹھ باندھنا!"

اس وقت سب حاضرین۔ اس ننھی سی دولہن کی زبان سے یہ شوخی بھرے لیکن غیر معمولی الفاظ سن کر ہنس پڑے۔ لیکن شاید کسی کے دل میں بھی یہ خیال نہ گذرا ہو۔ کہ قدرت اور قسمت ہی اس وقت اس ننھی دولہن کے من میں۔ اس کے مستقبل کے متعلق یہ شک پیدا کر کے اس کی

زبان سے یہ الفاظ کہلوا رہی ہے۔ کہیں آیندہ واقعات کے بارے میں یہی ایک پیشین گوئی ہی ثابت نہ ہو جائے؟

اگر ایسا ہوتا تو شاید اس وقت اس بھولی بھالی مگر ہونہار بیٹی کے دلی اور حقیقی خیر اندیش پتا اور ان کے دوسرے رشتہ داروں کو۔ اس شادی سے اتنی خوشی ہرگز نہ ہوتی۔ جتنی کہ اس وقت اس کے فوری اور روشن مستقبل کے خیال سے انہیں ہو رہی تھی۔ کیونکہ یہ بات انہیں فوراً کھٹک جاتی کہ ان معصومانہ الفاظ میں بھی ایک ایسی پیشین گوئی چھپی ہے۔ جس کا نتیجہ آخر میں اس کے لئے کسی طرح بھی مبارک اور اطمینان بخش نہیں ہو سکتا۔

مگر ہمیں اسے بھی مہربانِ قدرت کی۔ ہم کمزور و مجبور انسانوں پر ایک بہت بڑی مہربانی ہی سمجھنا چاہیئے کہ ہمارے قریبی مستقبل کی روشنی اور خوشی میں ہماری آنکھیں اتنی چوندھیا جاتی ہیں۔ کہ ہمیں اپنے مستقبل بعید کی کوئی گہری سے گہری اور خوفناک سے خوفناک تاریکی بھی صاف صاف نظر نہیں آسکتی۔ ورنہ ہمارے لئے اس زندگی میں کوئی ایک گھڑی بھی خوشی و مسرت کی نہ آئے اور دُور مستقبل میں پھیلنے والی تاریکی کا منحوس خیال ہمارے موجودہ اور قریبی مستقبل کی تمام خوشیوں کو۔ برسوں پہلے ہی ملیا میٹ کر دینے کا باعث بن جائے۔ اور اس کا خوف ہمیں ایک دن بھی آرام اور چین سے نہ گزارنے دے۔

غرضیکہ منو بائی کی اس شادی کا آخری انجام (گیارہ سال بعد) چاہے کتنا ہی پُردرد، افسوسناک اور نامبارک کیوں نہ ہُوا ہو۔ اس وقت تو یہ شادی خود دولہن منو بائی کے علاوہ۔ اس کے پوجیہ پتا جی اور دوسرے قریبی رشتہ داروں کے لئے بھی۔ بہت مبارک ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس شادی کی بدولت

ہی موروپنت۔ تین سو روپیہ ماہوار تنخواہ پر جھانسی دربار کے ایک معزز سردار اور اہلکار بن گئے۔ اور ان کے دوسرے عزیزوں کو بھی ریاست میں اچھی اچھی نوکریاں مل گئیں۔ نیز جس موروپنت نے منوبائی کی ماں کے دیہانت کے بعد کچھ تو سوتیلی ماں کے ہاتھوں اس کی مناسب پریم کے ساتھ پرورش نہ ہو سکنے کے خوف سے۔ اور کچھ اپنے افلاس کے خیال سے۔ اب تک دوسری شادی کا کوئی خیال تک بھی۔ اپنے دل میں کبھی پھٹکنے نہیں دیا تھا۔ اسی نے اب منوبائی کے بواہ سے فراغت پانے اور اس کے رانی لکشمی بائی بن جانے کے بعد۔ جلد ہی گلسرائے کے ایک معزز برہمن واسدیو شو راؤ کھانو لکر کی نوجوان کنیا جمنا بائی سے بواہ رچا لیا۔ اور جس گرہست سکھ سے وہ ایک عرصے سے محروم تھا۔ اس سے پھر لطف اندوز ہونے لگا۔

---

(۴)

جھانسی راج کا مختصر اتہاس

جھانسی راج دراصل وسط ہند کے مشہور اور زرخیز علاقے بندیل کھنڈ کا ایک حصہ ہے۔ جہاں اس زمانے میں بہت سی چھوٹی بڑی ریاستیں پھیلی ہوئی تھیں۔ انہیں میں سے ایک چھوٹی سی ریاست کا نام۔ اس کی راجدھانی کے نام پر جھانسی مشہور تھا۔ زمانے کی زبردست دستبرد کی بدولت آج اس پرانی ریاست کی سب بڑی بڑی یادگاریں مٹ چکی ہیں۔ مگر پھر بھی اورچھا کے مشہور ویر راجپوت راجہ۔ ویر دیو سنگھ کا قلعہ۔ آج اپنی اس برباد

شدہ حالت میں بھی۔ اپنی پرانی شان وشوکت اور خوبصورتی کا ایک پُر اثر و عبرت خیز نقشہ چشم بصیرت رکھنے والی آنکھوں کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

بندھیل کھنڈ اپنے لفظی معنوں کے لحاظ سے بندھیلے راجپوتوں کا دیش مانا جاتا ہے۔ ان کے اس "بندھیلے" نام کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ جب کاشی جی میں راجپوتوں کا راج تھا۔ تو وہاں کے ایک راجہ کو جس کا نام پنچم تھا۔ اس کے بھائیوں نے سازش کرکے تخت و تاج سے محروم کر دیا۔ جب وہ اس جلاوطنی کی حالت میں مایوس گھومتا پھرتا۔ وندھیاچل پربت پر پہنچا۔ تو وہاں کے خوبصورت نظاروں نے اس کے قدرت پرست دل پہ کچھ ایسا قابو پایا کہ وہ وہیں وندھیاچل واسنی دیوی کے مندر میں ہی رہنے لگا۔ اور دیوی کی پوجا سیوا کرتا ہؤا سادھو روپ میں اپنی دُکھ بھری زندگی کے دن کاٹنے لگا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک روز اس نے اپنا چھنا ہؤا راج پاٹ پھر حاصل کرنے کی طرف سے بالکل مایوس ہو کر۔ اور صرف دیوی بھگوتی کی کرپا سے ہی اُسے پھر پانے کے عقیدتمندانہ جذبے کے زیر اثر۔ خود ہی اپنا سر کاٹ کر دیوی کی بھینٹ کر دیا اور اس کی اس جانبازانہ قربانی سے خوش ہو کر۔ دیوی بھگوتی نے اسے پھر زندہ کرکے ور مانگنے کا حکم دیا۔ اس پر اس نے یہ عرض کی کہ "میرا چھنا ہؤا راج پاٹ مجھے پھر مل جائے" چنانچہ دیوی نے "تتھاستو" (ایسا ہی ہوگا) کہہ کر اسے ور دیا۔ اور اس کے بعد غیب سے کچھ ایسے سامان پیدا ہو گئے۔ جن کی مدد سے وہ پھر اپنا سب راج پاٹ اپنے بھائیوں سے واپس چھین لینے میں کامیاب ہو گیا۔

اسی سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب اس راجہ نے اپنا سر کاٹ کر دیوی

کے چرنوں میں ڈال دیا۔ تو اس کے خون کی کچھ بوندیں (جو سنسکرت میں "وِندو" کہلاتی ہیں) دیوی کی مورتی پر پڑ گئیں۔ اس لئے دیوی نے اسے "بندو" یا "وِندو" کہہ کر پکارا۔ اور اسی لفظ سے بگڑ کر اس راجہ کے خاندان کا نام بوندیلا پڑ گیا۔ جو بعد میں بگڑتے بگڑتے "بندھیلا" ہو گیا۔

تاریخی طور پر جھانسی کی ہستی کا کچھ پتہ اس وقت سے ملتا ہے جب کہ یہ سب علاقہ اور چھپلے کے مشہور بہادر راجہ دیر سنگھ یا ویردیو سنگھ کے ماتحت تھا۔ جنہوں نے یہ شاندار قلعہ تعمیر کرایا۔ جو آج تک جھانسی کا فخر بنا ہوا ہے۔

مشہور ہے کہ اس راجہ نے ۱۶۰۲ء کی ایک لڑائی میں اکبر کے معتمد دوست اور مشیر خاص مشہور مؤرخ اور مصنف ابو الفضل کو شہزادہ سلیم کے اشارے سے سر میدان ہلاک کر دیا تھا۔ جو اکبر بادشاہ کے نو رتنوں میں سے ایک مشہور رتن تھا۔ اس پر بگڑ کر چالباز اکبر نے اسی شہزادہ سلیم کے ماتحت ایک لشکر جرار بھیج کر۔ بندھیل کھنڈ پر چڑھائی کرا دی۔

راجہ۔ شاہی فوج کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر۔ پہاڑوں میں گھس گیا۔ اور ۲۔۳ برس تک چھپا پھرتا رہا۔ لیکن اکبر کی موت کے بعد جب سلیم جہانگیر کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ تو اس نے ۱۶۰۵ء میں ویردیو سنگھ کو پھر اس کا راج واپس دے دیا۔ مگر ۱۶۲۷ء میں شاہ جہاں نے کسی بات پر ناراض ہو کر۔ یہ راج اس سے پھر چھین لیا اور اسے اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ اس وقت سے پھر ۱۷۰۷ء تک جھانسی کا تمام علاقہ شاہ دہلی کے ماتحت رہا۔ جبکہ بہادر شاہ بادشاہ نے پھر یہ علاقہ پنا کے راجہ چھتر سال کو دے دیا۔

راجہ چھتر سال کے پتا کا نام راجہ چمپت رائے تھا۔ وہ راجپوتوں کی پنوار جاتی سے تھے۔

یہ راجہ چھترسال ایک مشہور نیک دل، بہادر اور رعایا پرور راجہ ہوئے ہیں۔ انہوں نے آہستہ آہستہ تمام بندھیل کھنڈ پر اپنا قبضہ جما کر ایسی خوش اسلوبی سے راج کیا۔ کہ سب پرجا خوش ہو کر ان کے گُن گانے اور بھجے منانے لگی۔

راجہ چھترسال کی یہ ہردلعزیزی۔ شہرت اور نیکنامی مالوے کے صوبیدار اور الہ آباد کے نواب محمد خاں بنگش کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ اور وہ دونو انہیں طرح طرح سے تنگ کرنے لگے۔ مگر چھترسال نے ان کی کچھ پرواہ نہ کی اور وہ انہیں برابر ترکی بہ ترکی جواب دیتا رہا۔

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ صوبیدار مالوہ نے چھترسال کو خراج ادا کرنے کا خاص حکم بھیج کر ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ " اگر تم نے حکم کی تعمیل نہ کی تو تمہیں سخت سزا دی جائے گی "

لیکن چھترسال اس کی اس دھمکی کو بھی کچھ خاطر میں نہ لایا۔ بلکہ اُس نے اُلٹا اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ اس لئے صوبیدار نے اپنے میں چھترسال کو قرار واقعی سزا دینے کی طاقت نہ پاکر ادھر تو الہ آباد کے نواب کو اپنی مدد کے لئے بلایا اور ادھر شاہ دہلی سے فریاد کر کے شاہی امداد طلب کی۔

دوسری طرف ان زبردست دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے چھترسال نے بھی مہاراشٹر کے راجہ چھترپتی شواجی کے جانشین چھترپتی ساہو مہاراج کے پیشوا باجی راؤ کو اپنی مدد کے لئے ایک خط لکھا جس میں کہا جاتا ہے کہ سندی کے پورے ایک سو دوہے تھے۔ اور ان کا لب لباب یہ تھا :۔

شریمان جی! آپ کے سناتن دھرم یعنی گئو اور برہمن کی رکھشا کے لئے ہی میں نے یہ جنگ سر لینے کا ارادہ کیا ہے۔ اُدھر شاہ دلّی کی پوری پوری مدد ہے اور ادھر میں اکیلا صرف دھرم کے

سہارے کھڑا ہوں۔ اگر اس وقت آپ میری مدد نہ کریں گے۔ تو
ایک دن آپ کے لئے بھی اپنے سناتن دھرم کی رکشا کرنا مشکل
ہو جائے گا۔" ؎

جو گتی گرہ گجیندر کی۔ سو گتی بھئی ہے آج
باجی جات بنا بیل کی باجی راکھو لاج

ترجمہ "مشہور روایت ہے کہ کسی زمانے میں ایک ہاتھی ایک تالاب پہ پانی پینے گیا
وہاں ایک زبردست مگر مچھ رہا کرتا تھا۔ اس نے اس کا پاؤں پکڑ لیا اور اسے
کھینچ کر گہرے پانی میں ہلاک کرنے کے لئے لے جانے لگا۔ جب ہاتھی اپنے بچانے
کی کوشش کرتے کرتے تھک گیا۔ تو اس نے بھگوان کو یاد کیا۔ اور بھگوان
وشنو جی گرڑ پر (جو کہ ان کی سواری ہے) سوار ہو کر وہاں پہونچے اور انہوں
نے اس مگر مچھ کو مار کر ہاتھی کا اس مصیبت سے اُدھار کیا۔ اسی پورانک
روایت کی طرف اشارہ کر کے چھترسال نے باجی راؤ کو لکھا کہ مگر مچھ کے منہ
میں ہاتھی کی جو حالت ہو رہی تھی۔ ویسی ہی حالت آج میری بھی ہو رہی ہے۔
اس لئے اے باجی! تم میری یہ بازی جو ہاری جا رہی ہے۔ اسے بچا کر میری
لاج رکھو۔"

اس پُر درد اور انکسار بھرے خط کے جواب میں پیشوا باجی راؤ نے
لکھا:۔

"شریمان جی! آپ بے خوف رہیں۔ ہم اس دھرم یُدھ میں ہر طرح
آپ کی مدد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ویسے تو آپ خود ہی ایسے
بہادر ہیں کہ اکیلے ہی سلطنت دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتے
ہیں۔ لیکن چونکہ آپ نے مجھے یاد کیا ہے۔ اس لئے میں بھی

اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا۔"

دے ہونگے چھت مقاپتا۔ تم ہو گے چھت سال

دے دلی کی ڈھال تو۔ تم دلی ڈھانے دال

ترجمہ۔" وہ یعنی شاہ دلی اور ان کے صوبیدار اگر چھپت ڈالنے والے ہیں۔ تو تم اس میں سوراخ کرکے اسے کمزور کرنے والے رچھپت سال کے لفظی معنی) ہو۔ وہ اگر دلی کی ڈھال یعنی حفاظت کرنے والے ہیں تو تم دلی کے ڈھانے رگرانے اور برباد کرنے) والے ہو۔ تمہیں ان سے کیا خوف ہو سکتا ہے؟

چنانچہ اپنے اس وعدے کی تعمیل اور تکمیل میں پیشوا باجی راؤ اپنی ساری مرہٹہ فوج لے کر راجہ چھترسال کی مدد کے لئے بندھیل کھنڈ جا پہونچے۔ اور دونو نے ساٹھ ہزار مشترکہ اسلامی فوج کا ایسا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور اسے وہ پوری مار دی کر سب کے چھکے چھوٹ گئے۔ آخر فتح کے کوئی آثار نہ پا کر شاہی صوبیدار اور شاہی فوج کے سپہ سالار کو راجہ چھترسال اور پیشوا باجی راؤ سے صلح کرتے ہی بن پڑی۔

اس جنگ میں فتح یاب ہونے کے بعد راجہ چھترسال نے پیشوا جی کو اپنی راجدھانی پنّا میں مدعو کرکے ان کی خوب خاطر تواضع کی اور احساس شکر گذاری کے طور پر اپنی سلطنت کا ایک حصّہ نذرانے کے طور پر ان کی بھینٹ کیا۔ جس کی آمدنی قریباً ایک کروڑ روپیہ سالانہ تھی۔ اس طرح بندیل کھنڈ کے راجپوتی راج کے ایک حصّے میں دیر مرہٹوں کا عمل دخل شروع ہو گیا۔ اور اسی علاقے میں جھانسی راج کی بنیاد پڑی۔

کہا جاتا ہے کہ راجہ چھترسال جی کے دو راجکمار تھے۔ جگت راج دیو اور ہر راج دیو۔ اس لئے انہوں نے اپنے راج کے تین برابر کے حصّے کرکے

ان میں سے ایک حصہ باجی راؤ کے نام کر دیا تھا۔ گویا اس طرح اُنہوں نے اشارتاً باجی راؤ پر یہ ظاہر کیا۔ کہ " میں تمہیں بھی اپنا ایک سپتر ہی سمجھتا ہوں۔ اس لئے تمہارا بھی آیندہ یہ فرض ہوگا۔ کہ تم اپنے بھائیوں اور ان کی ریاست کی ہمیشہ اور ہر طرح مدد کرتے رہو "

زمانہ حال کے بعض مرہٹہ مؤرخوں کا یہ وچار ہے کہ پیشوا باجی راؤ جی نے مہاراج چھتر سال کو مسلمانوں کے مقابلہ میں جو مدد دی۔ وہ بھی ان کے سیاسی پروگرام کا ایک حصہ تھی۔ جس کا مقصد بھارت میں ایک وسیع ہندو راجیہ سنتھاپت کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اور اسی سلسلے میں وہ یہ چاہتے تھے کہ مہاراشٹر سے دہلی تک کے تمام درمیانی علاقے پر دھیرے دھیرے قبضہ کر کے اور اپنا اقتدار جما کر آخر میں سلطنت دہلی کی باگ ڈور بھی اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اسی لئے جب راجہ چھتر سال جی نے خود ہی یہ بھینٹ ان کی نذر کی۔ تو باجی راؤ جی کو اسے منظور کرنے میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔ وہ تو تہ دل سے ہی یہ چاہتے تھے۔ کہ انہیں وہاں اپنے قدم جمانے کے لئے کوئی موقع مل جائے۔ اور اس طرح انہیں اپنی ایک مدت کی خواہش پوری کرنے کی مسرت حاصل ہو۔ اُنہوں نے راجہ چھتر سال کی مدد کرنے کا فیصلہ بھی شاید اسی لئے کیا تھا۔ کیونکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جے پور کے راجہ جے سنگھ کے جانشین اور دوسرے سبھی دیہہ راجپوت راجہ اس پہلو میں ہر طرح ان کے مددگار ہونگے۔

چنانچہ باجی راؤ نے اس علاقے میں اپنی طاقت مضبوط کر کے۔ راجہ چھتر سال کی ہمیشہ بروقت مدد کرنے کے لئے۔ وہاں اپنے تین صوبیدار مقرر کر دیئے۔ ان میں سے ایک صوبیدار تو گو بند پنت تھے۔ جو بندیل کھنڈ میں رہنے کے باعث۔ مرہٹہ ہوتے ہوئے بھی بندیلے مشہور ہوئے۔ وہ جنگ پانی پت

میں نجیب خاں روہیلے کے ساتھ لڑتے لڑتے دیر گتی کو پراپت ہوئے۔

ان گوبند پنت بندیلے کا اصلی خاندانی نام "کھیر" تھا۔ وہ شروع میں پیشوا باجی راؤ جی کے پاس ایک معمولی خدمتگار کے طور پر ملازم ہوئے تھے۔ لیکن کچھ عرصے میں ہی اپنی نیک چلنی۔ راست بازی۔ خداداد قابلیت۔ بہادری۔ محنت اور جانفشانی سے وہ پیشوا جی کی نظروں پر چڑھ گئے۔ اور آہستہ آہستہ یہاں تک ترقی کر گئے کہ بندیل کھنڈ کے صوبیدار بنا دئے گئے۔ بندیل کھنڈ میں ایک عرصۂ دراز تک رہنے کے باعث ان کا خاندانی نام بھی "کھیر" کی بجائے "بندیلہ" پڑ گیا۔ پانی پت کی تیسری لڑائی میں انہوں نے اپنی جانبازی کے خوب جوہر دکھائے اور آخر وہیں کام آئے۔

اس میدان جنگ میں مرہٹہ فوج کو رسد پہنچانے کا اہم کام بھی انہیں کے سپرد تھا۔ اور بروقت ضرورت یہ احمد شاہ ابدالی کے گوداموں پر ڈاکہ ڈال کر ان کی رسد لوٹ لانے میں بھی کسر نہ چھوڑتے تھے۔

گوبند پنت کے دو سپتر تھے۔ وہ کالپی میں اپنی سلطنت قائم کر کے ایک عرصے تک وہاں حکمران رہے۔ اور اب تک ان کا خاندان گلسرائے ضلع جھانسی میں ریسی شان کے ساتھ آباد ہے۔ کیونکہ بعد میں انگریزی سرکار نے ان کی آزاد ریاست چھین کر اس کے عوض میں انہیں تین لاکھ روپیہ کی ایک جاگیر دے دی تھی۔ جس سے وہ اب تک سب طرح سکھ بھوگ رہے ہیں۔

باجی راؤ نے اپنی اس جاگیر کا دوسرا حصہ اپنی مسلمان بیوی رانی مستانی[1]

---

[1] مہاراشٹر اتہاس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پیشوا باجی راؤ جی کے محلوں میں ایک مسلمان رانی بھی تھی۔ جس کا نام "مستانی" تھا۔ اس کا (باقی صفحہ ۳۰ کے نیچے)

کے فرزند شمشیر بہادر کے حوالے کر دیا۔ یہ حصہ ضلع باندہ اور کالپی کے علاقے میں تھا۔ اور ۱۸۱۶ء تک شمشیر بہادر کے خاندان کے زیر حکومت رہا۔ ۱۸۱۶ء میں انگریزوں نے اس علاقے کو بھی چھین کر اس کے بدلے شمشیر بہادر کے وارثوں کے لئے چار لاکھ روپیہ سالانہ پنشن مقرر کر دی۔ شمشیر بہادر کے نام لیوا اب تک ریاست اندور میں موجود ہیں اور تیرہ ہزار روپیہ سالانہ پنشن پاتے ہیں۔

اب رہ گیا تیسرا حصہ صوبہ جھانسی کا۔ جس کی آمدنی ۲۰ لاکھ روپیہ سالانہ کی تھی۔ اس کے بارے میں مہاراشٹر اتہاس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ سب سے پہلے یہاں صوبیدار کون ہوا۔ بعض مورخوں کا بیان ہے کہ پہلے پہل گنگا دھر پنڈت نامی ایک مہاراشٹر برہمن جھانسی کے صوبیدار بنائے گئے۔ ان کی طرف سے اس علاقے کی مالگذاری وصول کرنے ہر سال ایک قائمقام آیا کرتا تھا۔ ایک سال انہوں نے ملہار کرشن نامی ایک افسر کو محصول وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ مگر اورچھا کے بندیلوں نے اسے اور اس کے دو لڑکوں

صفحہ ۲۹ سے آگے؛ مفصل حال پیشوا باجی راؤ جی کے جیون چرتر میں جلدی ہی پیش کرنے کا ارادہ ہے۔ رانی مستانی کے پیشتر شمشیر بہادر کو باجی راؤ جی نے باندے اور کالپی کا صوبیدار مقرر کر دیا تھا۔ رانی مستانی اور شمشیر بہادر کے پریم جال میں پھنس جانے کے باعث پیشوا جی کو اس زمانے کے دھرم ابھیمانی مرہٹہ سرداروں کے ہاتھوں طرح طرح کے کشٹ جھیلنے پڑے۔ مگر وہ اپنے دوسرے فرائض کی ادائیگی میں جیسے مستقل مزاج اور ثابت قدم تھے۔ ویسے ہی اس راہ محبت میں بھی اٹل اور اچل ظاہر ہوئے۔ اور انہوں نے کسی بھی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی +

کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ اس لئے پیشوا نے غضبناک ہو کر اورچھا پر چڑھائی کر دی اور وہاں کے راجہ کو شکست دے کر فید کر لیا۔ نیز ان کے راج محل مسمار کرا کے ہلوں میں گدھے جوت کر تمام راجدھانی میں ہل پھروا دیا۔

اس کے بعد گنگادھر پنت پونا واپس بلا لئے گئے۔ اور ۱۷۴۲ء میں نارو شنکر دانی موتی والے جھانسی کے صوبے دار مقرر ہوئے۔ جن کے سمبندھ میں سرکار انگریزی کے منتخب کاغذات میں مسٹر فارسٹ نے یہ لکھا ہے کہ ستارا کے شاہو راج جی کی طرف سے نانا صاحب پیشوا نے ہندوستان میں جھانسی علاقہ کی مالگذاری وصول کرنے کے لئے راجہ بہادر پوار کے مورث اعلےٰ رگ دیوی برہمن نارو جی دانی کو صوبہ جھانسی کا صوبیدار مقرر کیا۔ جنہوں نے ۱۴ سال تک اس صوبے کی مالگذاری وصول کر کے ایک روپیہ بھی پونا کے خزانے میں داخل نہیں کرایا۔ بلکہ اپنے آپ کو اس علاقے کا "صرف بت" یعنی فوجی کمانڈر ظاہر کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں پونا بلا لیا گیا۔ لیکن وہاں پہنچ کر بھی انہوں نے نہ صرف سارے شہر میں اپنے نام کی نوبت ہی بجوا دی۔ بلکہ اپنے قیام کے لئے پیشوائی محلوں میں ہی کمرے دیئے جانے کا مطالبہ بھی کیا۔ اور دوران تحقیقات میں اپنے دعوے کو ایسی خوبی سے ثابت کیا کہ پیشوا جی نے ان کی قابلیت سے متاثر ہو کر اپنی سلطنت کے فوجی محکمہ میں ایک نہایت اعلیٰ عہدہ دینے کے علاوہ انہیں "موتی والے" کے اعزاز سے بھی ممتاز فرمایا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ عدیم المثال موتیوں کا ایک نہایت بیش قیمت ہار پہنے رہا کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں جھانسی راج کا رقبہ ۵ ہزار مربع میل اور آبادی دس لاکھ ہو گئی تھی۔

ان کے بعد مہاراجی کو دند کو صوبیدار بنا کر بھیجا گیا۔ جنہوں نے

رد ہیل کھنڈ کو بھی اپنے علاقے میں شامل کر لیا۔ اس سے دو سال بعد رگھوناتھ ہری صوبیدار ہو کر آئے۔ اور سنہ ۱۸۵۷ء تک انہیں کے خاندان میں جھانسی کا راج رہا۔ ان کے جانشین شروع میں تو پیشواؤں کے ماتحت رہے۔ لیکن بعد میں آزاد ہو کر خود مختیار راجہ بن گئے۔

مگر جھانسی کی یہ ابتدائی حکومت۔ جس کی کچھ مختصر سی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے۔ شروع سے ہی خود سری ہی ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۷۵۶ء میں جھانسی کے قدیم حکمران گوسائیوں نے مرہٹوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے مرہٹہ صوبیدار مہاراجی گووند کو بھی اپنے ماتحت کر لیا۔ جب پیشوا کو یہ سب حالات معلوم ہوئے۔ تو رگھوناتھ ہری نیوالکر بھیجے گئے۔ وہ ایک نہایت بہادر اور دُور اندیش حکمران ثابت ہوئے۔ اُنہوں نے گوسائیوں کی بغاوت کو دبا کر پیشوائی حکومت کو خوب مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا۔ اسی کے صلے میں جھانسی کی حکومت رگھوناتھ ہری کے خاندان میں نسل در نسل تفویض کر دی گئی۔ ادھر رگھوناتھ ہری نے بھی گوسائیوں کے جانشینوں کو دس ہزار روپیہ کی ایک جاگیر دے کر اپنا ممنون احسان بنا لیا۔ جو اب تک گوسائیوں کے خاندان میں قائم ہے۔

یہ رگھوناتھ ہری ہی منو بائی کے (جو اب رانی لکشمی کے معزز نام سے ممتاز تھیں) پتی دیو شریمان راجہ گنگا دھر راؤ کے ایک طرح مورث اعلےٰ تھے۔ اگرچہ اصل میں وہ اس راج ونش کی اصلی بنیاد ڈالنے والے نہ تھے۔ کیونکہ اُنہوں نے اپنی پیرانہ سالی کے زمانے میں بڑھاپے کی کمزوری کو محسوس کر کے سب راج کاج اپنے چھوٹے بھائی شو راؤ بھاؤ کے حوالے کر دیا۔ اور خود کاشی جی جا کر پربھو بھگتی میں مصروف ہو گئے تھے۔

وہیں سنہ ۱۷۹۰ء میں ان کا سورگباش ہو گیا۔

ادھر پونا میں یہ پیشوا باجی راؤ ثانی کی بدنظمیوں کا زمانہ تھا جس میں ان کے سب ماتحت مرہٹہ سرداروں میں آپا دھاپی پھیل گئی تھی۔ اور اسی لئے انگریزوں کو ان کی حکومت میں دست اندازی کر کے انہیں ایک سالانہ پنشن دے کر حکومت سے الگ کرنے کا موقعہ مل گیا تھا جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔

پونا میں انگریزوں کی چالبازی دیکھ کر دُور اندیش شو راؤ بھاؤ کو اپنی فکر پڑی۔ اور اُنہوں نے کمال ہوشیاری سے بندیل کھنڈ کے تمام سرداروں اور راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی طاقت اتنی بڑھالی کہ انگریزوں کو ان کی طرف نظر بھر کر دیکھنے کی بھی ہمّت نہ پڑی۔ اس لئے آخر انگریزوں نے ۶ فروری سنہ ۱۸۰۴ء کو جھانسی کے صوبیدار شو راؤ بھاؤ سے علیحدہ صلح کر کے یہ عہد نامہ لکھ دیا کہ "چونکہ راجہ شو راؤ بھاؤ اور انگریزی سرکار میں دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے ہیں۔ اس لئے دونوں ایک دوسرے کی مصیبت میں مددگار رہیں گے"۔

راجہ شو راؤ بھاؤ کی دیکھا دیکھی ہی ان کے سب ساتھیوں یعنی بندیل کھنڈ کے دوسرے راجاؤں اور سرداروں کے دلوں میں بھی۔ انگریزوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ جس کے لئے انگریزوں کو راجہ شو راؤ بھاؤ کا ممنون احسان ہونا چاہیئے تھا۔ اور اُنہوں نے اُس وقت ایسا ظاہر بھی کیا۔ کیونکہ راجہ شو راؤ کی بدولت ہی بندیل کھنڈ میں انگریزی حکومت کی جڑیں مضبوط ہوئی تھیں۔ لیکن بعد میں انگریزوں نے راجہ شو راؤ بھاؤ کے جانشینوں سے جو سلوک روا رکھا۔ وہ ایسا نہیں

جس پر کوئی بھی ایماندار اور انصاف پسند شخص کبھی فخر کر سکے۔

ان راج شو راؤ بھاؤ کے تین سپتر تھے۔ کرشن راؤ۔ رگھو ناتھ راؤ۔ اور گنگا دھر راؤ۔ چنانچہ جب ۲۰ سال تک حکومت کرنے کے بعد راج شو راؤ جی اپنے سب سے بڑے اور سب سے زیادہ پیارے پُتر کرشن راؤ کے بے وقت دیہانت پر راج پاٹ چھوڑ کر ہما ون چلے گئے۔ تو کرشن راؤ کے نابالغ سپتر رام چندر راؤ برائے نام صوبیدار بنا دیئے گئے۔ اور صوبیداری کا سب کام ان کی ماتا رانی سکھو بائی راج کے پرانے وفادار وزیر گوپال راؤ کی مدد سے چلانے لگی۔

مگر وہ عورت نہایت خودغرض اور سنگدل ثابت ہوئی — جب نابالغ رام چندر راؤ نے بالغ ہو کر آزادانہ طور پر صوبیداری کے فرائض سنبھالنے چاہے تو سکھو بائی کو سخت ناگوار ہوا۔ اور وہ ہر حیلے بہانے سے اس کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتی تھی۔ کہ وہ زیادہ دیر تک اپنی کوششوں میں کامیاب نہ رہ سکے گی۔ اور ایک نہ ایک دن حقدار کو اس کا حق ضرور ملے گا۔

اس لئے وہ ایک ماں ہونے ہوئے بھی۔ اپنے نورِ چشم کی دشمن جان بن گئی۔ اور ایک ڈائن کی مانند اپنے لختِ جگر کی جان کی خواہاں ہو گئی اور اس نے یہ سوچا کہ نہ رہے بانس۔ نہ بجے بانسری۔

بس پھر کیا تھا؟ نوجوان رام چندر راؤ کو قتل کرانے کے لئے۔ طرح طرح کی ترکیبیں سوچی جانے لگیں اور سازشیں ہونے لگیں۔ مگر آخر وہ عورت تھی عرصے تک کچھ کر گزرنے کی ہمت نہ پڑی لیکن تابکے!

رام چندر راؤ کو تیرنے کا بہت شوق تھا۔ اور جب کبھی اسے موقع ملتا

وہ اکثر اپنی راجدھانی کے لکشمی تال میں دیر دیر تک تیر کر اپنا جی بہلایا کرتا تھا۔ اسے ہی اپنے لئے غنیمت سمجھ کر راج لوبھ میں پھنسی ہوئی سکھو بائی۔ راج سے جبراً محروم کر دئے جانے کے خیال سے ایک دن بھوکی شیرنی کی مانند۔ غصے سے اندھی ہوگئی۔ اور اس نے نہایت چالاکی سے خفیہ طور پر راتوں رات تالاب کے پانی میں۔ جگہ جگہ بھالے گڑوا دئیے۔ تاکہ جب راج کے خواب دیکھنے والا بھولا رام چند تیرنے کے لئے تالاب میں گھس کر ہاتھ پیر مارنے لگے تو وہاں کا وہیں چھد کر ختم ہو جائے۔

لیکن جاکو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے"

کے مصداق سکھو بائی کا یہ پاپ بھرا وچار بھی کسی طرح چھپائے نہ چھپ سکا۔ اور راجہ رام چندر راؤ کے وفادار خادم لالو کودر لکر کو کسی طرح راج ماتا کے اس پاپ کا پتہ لگ گیا۔ اس نے فوراً اپنے مالک کو۔ ان کی ماتا کی اس شیطانی شرارت سے آگاہ کر دیا۔ جس کے پاداش میں اس جان نثار خادم کو خود اس بھوکی شیرنی کے انتقام کا شکار ہو کر اپنے مالک پر اپنی جان قربان کرنی پڑی۔ راجہ رام چندر راؤ کو اس جان نثار نوکر کی شہادت کا رنج تو بہت ہوا۔ مگر ان کو اپنی ماں کی اس سفاکی اور بے رحمی کو جانتے ہوئے بھی۔ اس کے خلاف اپنی زبان سے اُف تک نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن جب اس پاپ کا بھانڈا پھوٹا۔ اور راج کے امیروں وزیروں غیر عام پر جا کو کسی طرح اس پاپ کا پتہ لگ گیا۔ تو ان سب کے غم و غصہ کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ خیر یہ گذری کہ یہ شیطنت انجام ہونے سے پہلے ہی۔ ریاست کے چند دوراندیش مصلحت بین خیر خواہوں نے پاپن راج ماتا سکھو بائی کو گرفتار کر کے ایک محفوظ جگہ قید کر دیا۔ ورنہ نہ جانے کیا سے کیا ہو جاتا۔ اور غصے میں بھری ہوئی پر جا اس ڈائن

کا کیا حشر کر ڈالی؟

غرضیکہ اس طرح۔ قید تنہائی کے عذاب سخت میں ہی۔ اس گنہگار عورت کو کمال گمنامی کی حالت میں۔ اس سرائے فانی سے کوچ کر جانا پڑا۔ مگر پھر بھی اس کے اعمال بد کی یہ داستان ہمیشہ کے لئے پاداش اعمال کی ایک نظیر کے طور پر دنیا میں باقی رہ گئی۔

سخت تعجب ہے کہ اس سفاک طبیعت دشمن اولاد اور سنگدل مجرمہ کے خاندان میں ہی نیک دل فرض شناس۔ محب وطن فدائے قوم رانی لکشمی بائی کا ظہور ہوا جس کے پاک نام کی یاد میں آج بھی اس کے آزادی پرست ہموطنوں کے سر جھک جاتے ہیں۔ جو آج ہندوستان بھر کے طالبان آزادی کی نظروں میں ایک ایسا بلند درجہ حاصل کر چکی ہے کہ اس کی جے جے کار کے پاک نعرے آج بھی اس غلام ہندوستان کی فضا میں گونجتے ہوئے زمین و آسمان میں ایک لرزہ پیدا کر رہے ہیں۔

ادھر جھانسی میں جب اس متذکرہ بالا خوفناک ڈرامے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ادھر پونا میں قدرت کی غیبی طاقتیں۔ نااہل۔ خود سر اور کوتہ اندیش پیشوا باجی راؤ ثانی کی حکومت کا تختہ الٹنے کا نقشہ جما رہی تھیں۔ چنانچہ دور اندیش انگریزوں نے آہستہ آہستہ سب اختیارات حکومت اس کے ہاتھوں سے چھین کر ۱۳ر جون ۱۸۱۷ء کو ایک عہدنامے کے ذریعے اسے طاقت حکمرانی سے بالکل محروم کر دیا۔ اور بندیل کھنڈ کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر ۱۷ نومبر ۱۸۱۷ء میں سیپاری کی چھاؤنی میں۔ جھانسی کے نابالغ راجہ رام چندر راؤ کی طرف سے ان کے کارمختار وزیر گوپال راؤ سے ایک عہدنامہ کر کے راجہ شو راؤ بھاؤ کی گذشتہ خدمات کے پیش نظر جھانسی کا راج ان کے پُتر

رام چندر راؤ اور ان کے نسل در نسل جانشینوں کے سپرد کر دیا۔

۱۸۳۲ء میں جب وسط ہند کے پنڈاروں نے جو شورش پھیلائی تھی اسے راجہ رام چندر راؤ نے فوراً ہی دبا دیا تھا۔ اس کے کچھ مدت بعد نانا پنڈت نامی ایک من چلے سردار نے انگریزوں کی مخالفت پر کمر باندھی اور انگریزوں کے کئی علاقوں پر قبضہ کرکے کالپی شہر کو بھی اپنے قابو میں کر لیا۔ جھانسی کے پولیٹیکل ایجنٹ مسٹر اینسلے بھی اس کی روز افزوں طاقت کو دیکھ کر گھبرا اُٹھے اُنہوں نے اسکا خود اکیلے مقابلہ کر سکنے کی جرأت اپنے میں نہ پاکر راجہ رامچندر راؤ سے مدد مانگی۔ راجہ رام چندر راؤ نے فوراً اپنے رسالے کے چار سو سوار ایک ہزار پیدل فوج اور دو توپیں ان کی مدد کے لئے بھیج دیں۔ اس کمک نے بروقت پہونچ کر پھر انگریزی قبضہ بحال کرا دیا جس سے اینسلے صاحب بہت ہی خوش ہوئے۔ ورنہ اس موقع پر انگریزوں کی فتح اگر ناممکن نہیں۔ تو محال تو ضرور ہی تھی۔

چنانچہ اس زمانہ کے گورنر جنرل لارڈ ولیم بنٹینک نے بھی اپنے سرکاری کاغذات میں۔ صاف الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ "اگر جھانسی کی فوج وقت پر مدد کے لئے نہ آ پہونچتی تو کالپی پر ہماری فتح ہوتی ناممکن تھی۔"

اسی لئے گورنر جنرل مذکور نے ۱۸۳۲ء میں جھانسی میں ایک عظیم الشان دربار منعقد کرکے راجہ رام چندر راؤ کو "مہاراجہ ادھیراج" اور "فدوی بادشاہ جانِ جان انگلستان" کے اعزازات سے ممتاز فرمایا۔ مگر وہ کچھ زیادہ عرصے تک ان شاہی اعزازات سے لطف اندوز نہ ہو سکے اور ۱۸۳۵ء میں کال بھگوان نے ان کی زندگی کا یہ کھیل ختم کر دیا۔

راجہ رام چندر راؤ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے مرنے سے پہلے کرشن راؤ نامی ایک نوجوان کو اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا۔ مگر بعد میں یہ تبنیت جائز ثابت نہ ہو سکی اس لئے مہاراجہ رام چندر راؤ کے دیہانت کے بعد جھانسی کے اس زمانہ کے پولیٹیکل ایجنٹ مسٹر سیک جی نے راجہ شو راؤ بھاؤ کے دوسرے پسر۔ اور مہاراجہ رام چندر راؤ کے چھوٹے بھائی رگھوناتھ راؤ کو ہی جھانسی کا مہاراجہ بنا کر گدی پر بٹھا دیا۔

مگر رگھوناتھ راؤ بد چلن اور عیاش ثابت ہوا۔ جس کے باعث ریاست کی آمدنی بہت کچھ گھٹ جانے کے علاوہ۔ رعایا بھی بیحد پریشان اور حیران رہنے لگی۔ اس لئے ۱۸۳۷ء میں ہی اسے بھی گدی سے اتار کر۔ انگریز سرکار نے عارضی طور پر ریاست کا انتظام اپنی نگرانی میں لے لیا۔

اتفاقاً ۱۸۳۹ء میں رگھوناتھ راؤ بھی پرلوک سدھار گئے۔ اور پھر گدی کے حق داروں کی تلاش ہوئی ۔ چار آدمی اس کے دعویدار ہوئے:۔ (۱) رگھوناتھ راؤ کے چھوٹے بھائی گنگادھر راؤ (۲) رام چندر راؤ کا متبنیٰ لڑکا کرشن راؤ۔ (۳) رگھوناتھ راؤ کی داشتہ باندی گجرا کا لڑکا علی بہادر اور (۴) رگھوناتھ راؤ کی رانی۔

ان سب دعوے داروں کے حقوق پر غور کرنے کے لئے گوالیار کے ریذیڈنٹ لفٹیننٹ سپیئرز کی صدارت میں ایک کمیشن بیٹھا۔ اور اس کمیشن نے کنور گنگادھر راؤ کا حق سب سے زیادہ ممتاز سمجھ کر نیز انہیں سب سے زیادہ قابل ترین و بہترین امیدوار خیال کر کے۔ جھانسی کی راج گدی۔ انہیں کی نذر کئے جانے کی سفارش کر دی۔ جو نہایت آسانی سے منظور ہو گئی ۔ یہی

مہاراجہ گنگادھر راؤ - لکشمی بائی جی کے پتی دیو بنے - جن کی شادی کی مختصر داستان پچھلے صفحات میں ہدیۂ ناظرین ہو چکی ہے

(۵)

مہاراجہ گنگادھر راؤ

ایک غریب اور مفلس برہمن پرلوار میں پیدا ہوئی - بے ماں کی کم عمر لڑکی - اپنی فہم و فراست قابلیت و لیاقت - غیر معمولی حسن و جمال اور سب سے بڑھ کر اپنی نیک بختی اور خوش قسمتی سے - مہاراجہ گنگادھر کی مہارانی لکشمی بائی بن کر روز بروز اپنے پتی دیو کی مقبول نظر بننے لگی اور راج محل میں ہر طرح ہر دلعزیزی حاصل کرنے لگی۔

ادھر اس کے فیض قدم سے آہستہ آہستہ جھانسی راج سے سب فتنہ و فساد مٹ کر مہاراجہ گنگادھر جی کی خوش انتظامی اور معاملہ فہمی نے تمام رعایا کے دل پر اپنا سکہ جما لیا - اور وہ ارد گرد کے تمام والیان ریاست میں سب سے بڑھ چڑھ کر - برطانوی سرکار کے پولٹیکل ایجنٹ کرنل سلیمین کے منظور نظر بن گئے -

چنانچہ اس شادی سے کچھ ہی عرصہ بعد کرنل صاحب نے برٹش گورنمنٹ سے مہاراجہ صاحب کو اختیار حکومت دلواتے ہوئے یہ شرط بھی منظور کرالی کہ وہ علاقہ بندیل کھنڈ کی حفاظت کے لئے اپنے خرچ پر کچھ انگریزی فوج بھی اپنی ریاست میں رکھ سکیں گے - اس لئے انہوں نے اس فوج کے خرچ

کے لئے اپنی ریاست کی کل سالانہ آمدنی میں سے ۴۵۸۰۴۲۲ روپے الگ کر کے
دو پیدل پلٹنیں اور توپخانے کے دو دستے۔ اپنی ریاست میں رکھ لیئے۔
اس کے بعد جب مہاراجہ گنگا دھر جی کی تخت نشینی کا دن مقرر ہوا۔
اور جشن تاجپوشی کے موقع پر جھانسی شہر کو دولہن کی طرح سجایا گیا۔ تو
اسی روز پولٹیکل ایجنٹ صاحب نے ریاست کے خزانے میں جمع شدہ تیس
لاکھ روپیہ مہاراجہ صاحب کے سپرد کر کے۔ انہیں انگریزی حکومت کی طرف
سے ایک گراں بہا خلعت نذر کیا۔ سب زمینداروں اور جاگیرداروں نے
اپنی اپنی طرف سے معقول و مناسب نذریں اور دوسرے بیش قیمت تحفے
تحائف پیش کئے۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مہاراجہ گنگا دھر نے اس
مختصر سے درمیانی زمانے میں ہی جبکہ وہ ریاست کے آیندہ حکمران کی حیثیت
سے اپنی قابلیت ظاہر کر رہے تھے۔ اپنے اوصاف حمیدہ سے۔ ذمہ دار انگریز
افسروں میں ہی نہیں۔ بلکہ اپنی ریاست کے سب امیروں وزیروں اور
نواحی سرداروں اور رئیسوں میں بھی کتنی ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی۔
اختیارات حکومت حاصل ہونے پر۔ آپ نے اپنی رعایا پروری اور
دوراندیشی کی بدولت اپنی پرجا کو طرح طرح سے سُکھ دے کر۔ عوام میں
اور بھی ہر دلعزیزی حاصل کر لی۔ اور حکومت کے سب صیغوں میں۔ اپنی
جوہر شناسی سے پورے پورے تجربہ کار۔ دیانت دار۔ محبت پسند۔ دوراندیش
معاملہ فہم۔ منصف مزاج عہدیداروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اعلےٰ عہدوں پر
متمکن کر دیا۔ اور شری راگھو رام چند سنت جی کو۔ جو اس علاقے میں اپنی
دانشمندی۔ وسیع الخیالی۔ بلند نظری کے لئے خاص شہرت رکھتے تھے۔ اپنا وزیر
اعظم بنایا اور انہیں کے مشورے سے شری نرسنگھ راؤ جی کو راج وکیل کا

عہدہ تفویض کیا گیا۔ صیغہ عدالت کے افسرِ اعلیٰ کے طور پر مشہور منصف مزاج شری نانا بھو پتکر کا انتخاب لاجواب ثابت ہوا۔

جہاں جہاں بندیلے ٹھاکر اور دوسرے خود سر سردار۔ سرکشی اور خودسری کا اظہار کرتے رہے۔ وہاں ریاست کی اپنی فوجی چوکیاں قائم کرکے ان کی نگرانی کا پورا پورا انتظام کر دیا گیا۔ جس کی بدولت جھانسی راج میں۔ جلد ہی چاروں طرف امن و امان پھیل کر خوشحالی و فارغ البالی کا دَور شروع ہو گیا۔ اور پرجا ہر طرح مطمئن و شادماں نظر آنے لگی۔

مہاراجہ گنگادھر راؤ جی کو اپنی شاہانہ شان و وقار کا بیحد خیال تھا اس لئے اسے دن دونا اور رات چوگنا بڑھانے کی طرف اُنہوں نے اپنی خاص توجہ مبذول کی۔ اور راجہ رگھوناتھ راؤ سوئم کی کوتہ اندیشیوں۔ بدعنوانیوں بے انصافیوں۔ دراز دستیوں اور فضول خرچیوں کی بدولت ریاست کے دبدبے اور وقار کو جو صدمہ پہنچا تھا۔ اس کے بداثرات کو جلد سے جلد دُور کرانے کے لئے اُنہوں نے خاص سعی و کوشش کی۔ اور جلد ہی اپنی فوج میں ۵ سو راجپوت سپاہیوں اور ۵ سو سواروں ۱۰۰ سو باڈی گارڈ جوانوں اور توپخانے کے ۴ دستوں کے علاوہ دو ہزار پولیس کے جوان بھی بھرتی کر لئے۔

دوسری طرف مہارانی لکشمی بائی نے اپنی کم عمری کے باوجود اپنی قدرتی ذہانت اور تیز فہمی سے سچے معنوں میں راج لکشمی ثابت ہو کر اپنے پتی دیو کے مان مریادا میں اور بھی چار چاند لگا دیئے۔

مہاراجہ گنگادھر راؤ کو ہاتھی گھوڑوں کا بہت شوق تھا۔ اور ان کے اوصاف و نقائص کی بھی خاص تمیز اور پہچان تھی۔ ادھر رانی لکشمی بائی کو بھی۔ ایک غریب برہمن گھر میں پیدا ہونے کے باوجود۔ پیشوا جی کی سرپرستی

میں پرورش پانے کی بدولت۔ قدرت نے اس پہلو میں ایک خاص ملکہ حاصل کرنے کا موقع دے دیا تھا۔ جس سے انہوں نے پیشواجی کے ہونہار لڑکوں کی معیت میں۔ نادانستہ طور پر بھی بہت کچھ سیکھ لیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی سواری کے لئے اپنے پتی دیو کے فیل خانے کے ۲۲ ہاتھیوں میں سے ان کے بہترین اور خوبصورت ترین ہاتھی کو پسند کر کے۔ اپنی اس پیشینگوئی کو ایک طرح۔ عملی صورت میں ثابت کر دکھایا جو کہ ۵ برس کی ایک شوخ چشم لڑکی کی حیثیت میں۔ اپنے پوجیہ پتاجی کے سامنے اچانک ہی ان کی زبان سے نکل گئی تھی۔

مہاراج نے ان کے اس انتخاب سے خوش ہو کر اس ہاتھی کی مخملی جھول کو بہترین سنہری روپہری زر دوزی کا م سے آراستہ و پیراستہ کرا کے اس کے ہودے کو سونے چاندی کے گنگا جمنی دلفریب بیل بوٹوں سے سجوا دیا۔ نیز اس ہاتھی کے خوبصورت چمکتے ہوئے سفید براق دانتوں کو سونے کے حلقوں سے منڈھوا کر اور اس کے گلے کو سنہری جھالر وغیرہ سے نیز اس کی ٹانگوں کو چاندی کی بجنی جھانوروں وغیرہ سے مزین کر کے اس کے گلے میں چاندی کے درجنوں چھوٹے بڑے گھنٹے لٹکا دیئے۔ اور اس میں ایک عجیب اور قابل دید شاہی شان پیدا کر دکھائی۔ جس سے رانی لکشمی بائی جی کی شاہی سواری کی آمد آمد کی پہلے سے ہی ہر طرف دھوم مچ جایا کرتی تھی۔ اور اسے دیکھنے کے لئے ٹوٹے پڑتے۔ مرد عورت تماشائی کے طور پر دور دور سے پروانہ وار کھچے چلے آیا کرتے تھے۔

یہی حال مہارانی جی کی سواری کے عجوبہ روزگار گھوڑوں کی سجاوٹ کا تھا۔ ساتھ ہی اس کے انہوں نے مہارانی کی سواری کے لئے ایک غیر معمولی نفاست اور پُر کمال نقاشی کا۔ نہایت بیش قیمت نام جھام (پالکی یا میانہ)

خاص اہتمام کے ساتھ کاشی جی کے بہترین ماہر فن کاریگروں سے تیار کر منگوایا تھا۔ اس کے اُٹھانے والے ایک درجن کہاروں کی زرق برق وردیاں اور دوسرا سامان آرائش بھی دیکھنے والوں کی نظروں میں ایک چکا چوند سی پیدا کر دیتا تھا۔

صرف یہی نہیں۔ بلکہ اپنی مہاراجائی شان کو اور بھی قابل رشک بنانے کے لیے۔ انہوں نے اپنی ریاست میں سے بہترین خوبصورت۔ طرحدار اور نچلے جیری راجپوت جوان چھانٹ کر ۵ سو جوانوں کی پیدل فوج۔ ۵ سو سواروں کا ایک نادر رسالہ۔ دو ہزار پولیس کے سپاہی اور سو جوانوں کا اپنا باڈی گارڈ (شاہی محافظ دستہ) بھی تیار کر لیا۔ اور اپنے اس جانباز لشکر کی شان کو دوبالا کرنے کے لیے چار دستوں سے اور بھی چار چاند لگا دیئے۔

خود مہاراجہ گنگا دھر جی کے مزاج میں جتنا عجز و انکسار تھا۔ اتنے ہی وہ اپنی شاہی احکام کی تعمیل کرانے میں سخت اور تند مزاج بھی تھے۔ معمولی سے معمولی یا اہم سے اہم کام جو بھی وہ کسی شخص کے سپرد کر دیتے تھے۔ اس کا ہی ٹھیک وقت پر اور بہترین طریق سے پایۂ تکمیل کو پہنچ جانا نہایت ضروری۔ بلکہ لازمی سمجھا جاتا تھا۔ ورنہ اس شخص کو مہاراجہ صاحب کے عتاب سے کوئی بھی نہ بچا سکتا تھا۔

اوریچھا۔ دتیا۔ سمتھر۔ چرکھاری۔ پنّا۔ چھتر پور وغیرہ سبھی چھوٹی بڑی ریاستوں کے سبھی راجہ اور رئیس انہیں "کاکا صاحب" (چاچا جی) کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھ بڑے ادب سے پیش آیا کرتے تھے۔ ان کی دانائی۔ دُور اندیشی۔ معاملہ فہمی۔ جوہر شناسی۔ منصف مزاجی۔ دریا دلی وغیرہ وغیرہ اوصاف کا دور و نزدیک چرچا رہا کرتا تھا۔ انگریز افسران

کی نظروں میں بھی ان کا وقار کسی بھی دوسرے والئے ریاست سے کم نہ تھا۔ اور سب اعلےٰ افسروں کے ساتھ ان کے تعلقات نہایت گہرے اور دوستانہ تھے۔

---

(۶)

تیرتھ یاترا

چند سال میں ہی راج دربار کا سب انتظام ٹھیک ٹھیک اور حسب منشا ہو جانے کے بعد مہاراجہ گنگادھر راؤ کے دل میں تیرتھ یاترا کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے گورنر جنرل صاحب سے اس کا مناسب انتظام فرما دینے کی درخواست کی۔ اور اس درخواست کا قابل اطمینان جواب آجانے کے بعد۔ وہ ماگھ سدی سمپتی سمت ۱۹۰۲ بکرمی (مطابق ۱۸۵۰ء) کو اپنے شاہی پریوار سمیت کاشی جی کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے مناسب استقبال اور خاطر تواضع کے سب انتظامات پہلے سے ہی جگہ جگہ کر دئے جانے کے متعلق ضروری احکام انگریزی حکومت کی طرف سے جگہ جگہ جاری ہو گئے تھے۔ کیونکہ انکا مزاج اتنا تیز تھا۔ کہ اگر ان کے اعزاز و وقار میں کسی بات سے ذرا سا بھی فرق آتا ہوا نظر پڑتا تھا۔ تو وہ اسے بالکل برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

چنانچہ کاشی جی میں کسی سرکاری افسر نے انہیں نہ پہچانتے ہوئے ان کی قیامگاہ کا مناسب خیال نہ رکھا۔ لیکن جب اسے اپنی اس غلطی کا

پتہ لگا۔ تو اس نے فوراً ہی معافی مانگ کر اپنی خلاصی کرائی۔

اسی طرح ایک شخص راجیندر بابو نامی ایک بنگالی نے کھڑے ہو کر مہاراجہ صاحب کی تعظیم نہ کی۔ تو مہاراجہ صاحب نے اسے سزا دلائے بغیر نہ چھوڑا۔ جب راجیندر بابو نے جن کا انگریزوں میں بڑا رسوخ تھا۔ اس کی شکایت انگریز افسروں سے کی۔ تو انہیں بھی جواب ملا کہ "مہاراجہ گنگادھر راؤ ایک بہت بڑے راجہ ہیں۔ جن کی مناسب طور پر تعظیم بجالانا تمہارا فرض تھا۔ اگر تم اس کے لئے تیار نہ تھے۔ تو تمہیں اپنے گھر بیٹھے رہنا چاہیئے تھا۔ اور ان کے رستے میں پڑنا مناسب نہ تھا۔"

مہاراجہ گنگادھر راؤ کی دلیری اور رعب داب بھی ایک خاص شہرت رکھتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے انگریزی فوج رکھنے کے بارے میں جو شرائط نامہ کیا تھا۔ اس میں ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ اس فوج کو دسہرے کے مبارک دن اپنے تمام ہتھیاروں وغیرہ سے مسلح ہو کر ہر سال مہاراج کو سلامی دینی پڑے گی۔ اتفاق سے ایک سال دسہرے کا مبارک تہوار اتوار کے دن آ پڑا۔ اس لئے کپتان نے مہاراجہ کو اطلاع دی کہ "اتوار کے دن چھٹی ہونے کے باعث فوج سلامی کے لئے نہ آ سکیگی۔"

یہ خبر پاتے ہی مہاراج غصے میں بھر گئے۔ آپ فوراً اپنی باقی فوج سجا کر انگریزی فوج کی چھاؤنی میں جا پہونچے۔ اور آپ نے اس گستاخ کپتان کو اپنی حضوری میں بلا کر اس سے اس گستاخی کی جواب طلبی کی۔ مجبوراً اس نے معافی مانگ کر اپنی خلاصی کرائی اور اپنی فوج سے مہاراج کو بدستور سلامی دلوائی۔

اس سفر میں آپ نے پریاگ راج۔ گیا جی وغیرہ سب بڑے بڑے

تیرتھوں کی یاترا کی۔ اور اپنی شان و حیثیت کے مطابق غریبوں اور برہمنوں کو دان دکشنا وغیرہ دی۔ مہارانی لکشمی بائی بھی ساتھ تھیں انہوں نے اپنی پوتر جنم بھومی کاشی جی کے درشن سے بڑا آنند حاصل کیا۔ اس تیرتھ یاترا سے مہاراج کی واپسی پر جھانسی نگر میں خوب دھوم دھام مچی۔ اور یگیہ کیا گیا۔ لوگوں میں خوب تحفے تحائف اور انعام اکرام تقسیم ہوئے۔ دان دکشنا بھی خوب بانٹی گئی۔ دولہن کی مانند نگر سجایا گیا۔ اور تمام فوج نیز وزیروں امیروں سمیت ہاتھیوں پر مہاراجہ صاحب اور رانی جی کا بڑی دھوم دھام سے کا جلوس نکالا گیا۔

مگر افسوس کہ ریاست میں یہ سب خوشی و مسرت زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔

اسی سال یعنی اسوج (اگہن) شدی ایکادشی سمت ۱۹۰۸ (ب ار ۱۸۵۱ء) کو رانی لکشمی بائی جی کے گربھ سے ایک پتر رتن پیدا ہوکر مہاراج کی منو کامنا سِدّ ہوئی۔ اس مبارک موقع پر پھر سارے شہر میں خوب خوشیاں منائی گئیں۔ مہاراج کی طرف سے جی کھول کر انعام اکرام تقسیم کئے گئے۔ اور خیرات کی گئی۔ مگر افسوس کہ تین مہینے کے اندر ہی اندر مہاراج کی سب اُمیدوں پر پانی پھر گیا کیونکہ وہ نونہال اچھی طرح سرسبز ہونے سے پہلے ہی مُرجھا کر مہاراج اور مہارانی کو ہمیشہ کے لئے داغ جُدائی دے گیا۔ اور رنج و الم کے ایک ناپیدا کنار بحر ذخار میں پھنسا گیا۔

؎

وہ بھی ہوگا کوئی اُمید بر آئی جس کی
کام اپنا تو نہ اس چرخ کہن سے نکلا

اس کے بعد مہاراجہ اور مہارانی دونوں کی بالکل یہی حالت ہوئی - کہ ؎

دل سے نہ مٹ سکا کبھی لختِ جگر کا داغ
سرسبز ہو سکی نہ کبھی کشتِ آرزو

(۷)

بیماریٔ غم

جس وقت غم نصیب مہارانی لکشمی بائی جی راج ماتا بن کر اس دلدوز اور جگر سوز رنج و الم کا شکار ہوئیں - اس وقت ان کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی - انہیں تو اپنی اس بدقسمتی پر جو مادرانہ غم ہوا - اس کا تو ذکر ہی کیا ہے - مگر مہاراج گنگادھر کو اس غیر متوقع اور صبر آزما واقعہ سے جو صدمہ پہونچا - زبان قلم میں یارا نہیں کہ اسے احاطۂ تحریر میں لا سکے ان کا سب رنج و غم قدرتی بھی تھا - کیونکہ انہوں نے اپنے واجب التعظیم خاندانی بزرگوں کا نام و نشان برقرار رکھ کر ان کی نسل چلانے کے لئے نیز اپنی غیر معمولی خوش قسمتی سے غیر متوقع طور پر پائے ہوئے اس وسیع راج پاٹ کی تمام شان و شوکت کو قائم رکھنے کی غرض سے ایک موزوں ترین اور بہترین وارث حاصل کرنے کی مبارک خواہش کو اپنے دل میں جگہ دے کر ہی تو - آخری عمر میں یہ شادی رچائی تھی - اور اپنے اس اعلےٰ ترین مذہبی و انسانی فرض کی تکمیل کے لئے ایک ایسی ناری رتن تلاش کی تھی - جو اپنے

اوصاف حمیدہ کے لحاظ سے ہر طرح اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے موزوں و مناسب سمجھی جاسکتی تھی۔ اور پھر اپنے دھرم شاستر کے اصولوں کی پیروی میں اُنہوں نے جس صبر و استقلال۔ احتیاط اور کوشش سے سات آٹھ سال اس سندری کے راج ماتا بننے کے قابل ہونے کا انتظار کیا تھا۔ وہ بھی انہیں جیسے فرض شناس اور دھرم پرایَن تپسوی پتی کا حصہ کہا جاسکتا ہے۔ ورنہ کوئی بھی اپنے نفس امارہ کی حیوانی و نفسانی شہوات کا غلام انسان۔ نہ تو اس مقصد سے کسی سات آٹھ سالہ لڑکی کے ساتھ شادی ہی کر سکتا تھا۔ اور نہ اس کے ایک مضبوط اور تندرست اولاد پیدا کرنے کے قابل ہونے کے دن کا اس طرح صبر و اطمینان سے انتظار ہی کر سکتا تھا۔

اس لئے جب ان کی یہ عزیز ترین مذہبی و دنیاوی آرزو ایک مرتبہ پوری ہو جانے کے بعد بھی اس کا انجام بخیر نہ ہوا۔ اور بیرحم موت کے زبردست ہاتھوں نے۔ ان کی تمام عزیز سے عزیز۔ پاک سے پاک اور اعلےٰ سے اعلےٰ اُمیدوں اور آرزوؤں پر اس طرح پانی پھیر دیا۔ تو اس غم نصیب شخص کے تمام صبر و تحمل کو ہاتھ سے کھو دینے پر تعجب ہی کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ اس حادثۂ جانکاہ سے مہاراجہ گنگا دھر راؤ کے قلبِ نازک پر ایسا عظیم صدمہ پہنچا۔ کہ وہ اسے برداشت نہ کر سکے۔ اور بسترِ علالت پر گر پڑے۔

اپنے پران آدھار۔ جیون سروسو۔ پتی دیو کی اس غیر متوقع بیماری سے پریشان ہو کر مہارانی لکشمی بائی اپنے سارے دُکھ اور رنج و الم بھول گئی۔ اور اپنے سینہ مادری پر صبر و برداشت کا پتھر رکھ کر اپنے پران پیارے

اور زندگی کے سہارے پتی دیو کی خدمت میں جان و دل سے مصروف ہو گئی۔ اور اپنی گیان دھیان نیز مذہبی شردھا اور عقیدت بھری باتوں سے ان کے اس بار الم کو ہر طرح ہلکا کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

چنانچہ ایک روز انہیں اس طویل بیماری کی کوفت اور جاں گسل صدمے کی چوٹ سے بیحد نڈھال دیکھ کر وہ بڑے صبر و استقلال اور پریم بھرے لہجے میں اپنے پتی دیو سے یوں بولی "پران ناتھ! آپ تو مرد ہو کر بھی اس بدقسمتی کے صدمے کو برداشت کرنے میں ایسی کمزوری ظاہر کر رہے ہیں کہ بیان سے باہر ہے۔ ذرا مجھ ابھاگن کی طرف تو دیکھئے! میں ایک بدبخت ماں ہو کر کیسے صبر و استقلال سے یہ جگر سوز اور دل شکن چوٹ برداشت کر رہی ہوں۔ اس دُکھ بھری دُنیا میں۔ زندگی کے ساتھ یہ کمبخت موت تو ہمیشہ سے ہی لگی ہوئی ہے۔ جیسے کہ دن کے ساتھ رات۔ اور بہار کے ساتھ خزاں! کوئی بچہ ہو یا بوڑھا۔ مرد ہو یا عورت۔ جو بھی دُنیا میں پیدا ہوا ہے۔ اُسے ایک نہ ایک دن مرنا ضرور ہے۔ آپ تو مجھ سے بہت زیادہ اپنے گیتا۔ اپنشد وغیرہ دھرم گرنتھوں کے پوتر گیان سے واقف ہیں۔ پھر یہ کیوں بھول بیٹھے ہیں۔ کہ اس دنیائے فانی میں ہم سب اپنے اپنے پچھلے جنم کے اچھے اور بُرے کرموں کا پھل بھوگنے کے لئے ہی تو آئے ہیں؟ اس لئے جو جیو اپنا کرم بھوگ۔ بھوگ کر اس دنیا سے جلدی ہی چلے جاتے ہیں۔ وہ ان بدبختوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ جو سالہا سال تک یہاں زندہ رہ کر طرح طرح کے دُکھ سُکھ بھوگتے ہوئے اور بے شمار پاپ پُنیہ کے بندھنوں میں گرفتار ہو کر اس لوک کے ساتھ ہی ساتھ اپنا پرلوک بھی بگاڑتے یا بناتے رہتے ہیں۔ کیونکہ انہیں بُرے یا بھلے کرموں کی بدولت تو انہیں

اپنے تین بڑے بھائیوں کی موت کا دکھ دیکھ چکے ہیں۔ اس دنیا میں تنہا ہوں
میں بااختیار ہم لیلا مہا جینا کے اکیلے ہیں جن نے مجھے بڑے پیار سے پالا
سنسار میں آ کر چند ہی دنوں پہلے ہی جنتا کا ہو رہا ہوں تیرے ہوری کی
حالت میں یہ لڑکی سے اپنا بھائی آنا چکے ہیں سے زیادہ خوش کی زندگی تو شاید
اور کوئی بھی نہیں سکتا کیونکہ وہ بالکل اس قبر ہی کی نشانی ہے۔ وہ
صرف ایک بہت ہی قلیل عرصے کے لئے جوان ہونے پائی تھی اور ابھی جنوبا
قید تھی۔ دکھ بھرے دنیا کو چھوڑ کر جلدی ہی آنجہانی حاصل کر لیا تھا۔
غم و رنج کا شاید کچھ دیر تک تو ہم بھی بیٹھے پتھر کی ایک بے جان
مورت کی مانند رانی لکشمی بائی کی بے جان اور آپ لین بھری باتیں چپ
چاپ سنتے رہے۔ لیکن آخر ایک دل سرد آہ بھر کر بولے۔ پیاری بچی!
جو دھرم کی باتیں بھری باتیں تم کہتی ہو وہ میرے لئے کچھ نئی نہیں۔
اور نہ میں ہی بھولا ہی ہوں۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے اور میں دل
کی اہمیت اور عظمت کو بھی پورا پورا سمجھتا ہوں۔ لیکن کیا کروں میرا یہ
سنساری موہ مایا کی زبردست دلدل میں پھنسا ہوا پاپی من نہیں مانتا۔
اور کسی بھی طرح سمجھائے کچھ نہیں سمجھتا۔ رہ رہ کر مجھے یہی پچھتاوا آتا ہے۔
کہ دیکھو میں۔ سالہا سال سے۔ ایک بدبخت پیاسے ہرن کی طرح کیسے
اس سراب میں پھنسا ہوا یہ سمجھتا رہا ہوں کہ میں ہی اپنے واجب التعظیم
بزرگوں کی نسل کو چلا سکتا ہوں۔ میں ہی ایسی اس کسی غیر معمولی خوش
قسمتی سے۔ بالکل غیر متوقع طور پر حاصل ہوئے راج پاٹ کے لئے ایک
ایسا قابل وارث پیدا کر سکتا ہوں۔ جو میرے اور میرے بزرگوں کے نام
کو سالہا سال نہیں بلکہ صدیوں تک قائم رکھ سکے۔ آہ!

میں اپنے اس جھوٹے ابھیمان اور اہنکار میں پھنس کر اپنی بے عقلی اور بد
عقلی سے یہ بالکل بھول گیا تھا کہ سنتان سوبھاگیہ تو بھگوان ہی کی دین ہے اور
یہ سب کچھ انہیں کے سر ہے۔ بھگوان نے لکھا ہے [illegible] میرے ہاتھ میں تو کچھ بھی
نہیں۔ اگر انہیں ہماری نسل جاری رکھنی ہوتی۔ تو میری پہلی شوبھاگیہ شالی
رانی کی اتنی سنتانوں میں سے کیا کوئی بھی [illegible] زندہ نہ رہتا۔ اور صرف
ایک کنیا ہی زندہ رہ کر دوسرے گھر کی ہو جاتی۔ اُف! اتنی [illegible] لالسا
میں۔ میں نے اپنے ساتھ تمہاری زندگی بھی برباد کر دی۔ اور راج جیوتشی
جی کی زبانی۔ تمہارے اونچے گرہوں کا اعلیٰ [illegible] تقدیر ہے اور تمہارے گنوں کی
تعریف سن کر۔ تم جیسی گن بھری ماں سے ایسی ہی گن بھری اولاد حاصل
کرنے کی خواہش کو اپنے دل میں جگہ دے کر۔ دھرم شاستر کی سب مان
مریاداؤں کے خلاف۔ میں نے تمہارے ساتھ شادی کر لی! اور تم ۷ - ۱۸ سال
کی نابالغ نادان اور بھولی بھالی لڑکی۔ مجھ جیسے ادھیڑ عمر رسیدہ دولہا
کی دلہن بننے کے قابل تھیں! ہائے ہائے!! میں نے اپنی اس اندھی خود
غرضی بھری لالسا میں پھنس کر کیسا گھور اپرادھ اور کتنا بڑا پاپ کر ڈالا!
بس یہی پچھتاوا رہ رہ کر مجھے مار رہا ہے۔ اور ضرور یہ اسی پاپ کا کڑوا پھل ہے۔
جو مجھے آج اس طرح بھوگنا پڑ رہا ہے۔

رانی:- ناتھ! ناتھ!! یہ آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے تو مجھ غریب مفلس
براہمن کنیا کو۔ کنگالی و غریبی کے نرک سے نکال کر راج سکھ کے سورگ
میں پہنچانے کا مہاپُنیہ کمایا ہے۔ اگر آپ مجھ پر یہ کرپا نہ کرتے۔ تو میں اس
وسیع راج پاٹ کے ان تمام سکھ سوبھاگیہ کو کیسے پا سکتی تھی؟ بھلا
کسی طرح کوئی پاپ سمجھا جا سکتا ہے؟

راجہ۔ (جوش میں آکر۔ کف افسوس ملتے ہوئے) کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟ اس سے بڑا دنیا میں کوئی اور پاپ کیا ہو سکتا ہے۔ کہ مجھ جیسا کوئی عمر رسیدہ شخص۔ اپنے دھن مال اور جاہ و حشم کے غرور سے سرمست ہو کر کسی ۷۔۸ سال کی نابالغ لڑکی کے لوبھی سرپرستوں کو سبز باغ دکھا کر اُسے اپنی ملکیت بنالے۔ اور اُس کے باغ جوانی کو ہمیشہ کے لئے پامال کر دے! رہی تمہیں غریبی اور افلاس کے نرک سے نکال کر راج سُکھ کے سورگ میں پہونچانے کی بات! سو اس میں بھی میں نے تمہارے اُوپر کیا احسان کیا ہے؟ یہ تو بدھاتا نے تمہارے بھاگیہ میں لکھ ہی دیا تھا۔ جیسا کہ راج جیوتشی جی کو تمہاری جنم کنڈلی سے صاف صاف پتہ لگ گیا تھا۔ اگر میں تمہارے رُوپ۔ گُنوں اور اُچیہ گرہوں کے لوبھ سے اندھا ہو کر تمہارے ساتھ بیاہ نہ کر لیتا۔ تو نہ جانے تم کس۔ اپنے ہم عمر نوجوان راجہ یا راجکمار کے محلوں کی شوبھا بڑھاتیں۔ اور آج مجھ ابھاگے کے ساتھ مل کر اپنی پلوٹھی کی اولاد کے غم میں۔ یوں چھپ چھپ کر خون کے آنسو ہرگز نہ بہاتیں۔ ہائے! ہائے!! میری بد قسمتی اور پاپوں کے گھنگھور بادلوں نے۔ تمہاری خوش قسمتی کے چمکتے دمکتے سورج کو بھی اپنی نحوست کے پردے میں چھپا کر تمہارے روشن اور شاندار مستقبل کو بھی۔ میرے ساتھ کتنا تاریک اور اندھیرا بنا دیا؟ اس پاپ کا ہی میں یہ پرائشچت بھوگ رہا ہوں اور نہ جانے کب تک بھوگتا رہوں گا۔

رانی۔ (کمال عاجزی اور انکسار بھرے لہجے میں) پرانیشور! پران ناتھ! اس غلط خیال کو اپنے دل سے دور۔ بہت دور رکھا کیجئے! تاکہ یہ پھر آپ کے دل میں سر نہ اُٹھا سکے۔ جب بھگوان نے میرے کسی پچھلے جنم کے

پھل کے کارن میرا سنجوگ ہی آپ کے ساتھ کر دیا تھا۔ جب میرے اور آپ کے پچھلے جنم کے سب کرم ہی آپس میں ایسے ملے جلے تھے۔ کہ ہم دونوں اس جنم میں ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ کے ساتھی ہو کر اپنی عمر بسر کریں۔ تو میں آپ کے سوا کسی دوسرے کے پلّے کیسے بندھ سکتی تھی؟ بھگوان جانیں! میں نے تو اب تک کبھی سُپنے میں بھی اپنے دل میں یہ خیال نہیں آنے دیا۔ کہ آپ کے ساتھ میرا بیاہ ہونے میں۔ میرے ساتھ کسی طرح کا کوئی انیائے یا اتیاچار ہُوا ہے۔ میں نے تو سدا ہی آپ کو اپنا پوجیہ دیوتا سمجھا ہے۔ اور جب تک بھی جیتی رہوں گی۔ سدا سمجھتی رہوں گی۔ رہی سنتان شوک کی بات؟ تو کیا اگر آپ کی بجائے۔ کسی اور جوان پتی کے ساتھ میرا بیاہ ہُوا ہوتا۔ تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا؟ کیا جوان ماتا پتا کی سنتان امر ہو کر سنسار میں جنم لیتی ہے؟ یا کسی بھی جوان ماتا کو کبھی سنتان شوک میں پھنسنا نہیں پڑتا؟ یہ تو اپنے اپنے بھاگیہ کی بات ہے جنہیں یہ دُکھ بھوگنا ہوتا ہے۔ انہیں تو بھوگنا ہی پڑتا ہے۔ چاہے وہ بوڑھے ہوں یا جوان! وہ اس سے کسی طرح بھی کبھی نہیں بچ سکتے۔ پھر یہ بھی کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ ابھاگا بالک جی بھی جاتا۔ تو کسی بڑی عمر میں۔ جب یہ سب گُنوں سے بھرپُور ہو جاتا۔ ہمیں اس کی جُدائی کا یہ شوک برداشت نہ کرنا پڑتا؟ کیا اس حالت میں رنج و غم کا جو پہاڑ میرے اور آپ کے سر پہ ٹوٹتا۔ اس کا آج کے غم و الم سے کوئی مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ پھر ابھی تو پرماتما کی کرپا سے آپ اور میں دونوں ہی اولاد پیدا کرنے کے قابل ہیں۔ اس لئے نہ جانے ابھی کتنے بچے پیدا ہوں گے؟ اس لئے اتنی مایوسی کی بات بھی کیا ہے؟ کسی پیارے سے پیارے کی موت کا یہ ماتم تو صرف چند دن

کا ہی ہُوا کرتا ہے۔ جوں جوں دن گذرتے جاتے ہیں۔ اس رنج والم کا
بوجھ انسان کے سینے پر سے ہلکا ہوتا جاتا ہے۔ اور ایک دن وہ اپنی
دوسری مصروفیتوں میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی خیال تک اس
کے دل میں نہیں آتا۔

رانی جیسی نیک دل غم خوار اور غمگسار رانی کی ان تسلی و تشفی بخش
اطمینان بھری میٹھی میٹھی باتوں نے اگرچہ اس وقت تو ماتم زدہ راجہ کے
دل کو بہت کچھ ڈھارس بندھا دی۔ مگر پھر بھی اس جانکاہ حادثے کے
اثرات راجہ گنگا دھر راؤ کے دل سے دور نہ ہو سکے۔ اور ہر طرح کے علاج
معالجے کے باوجود ان کی طبیعت پھر کبھی پوری طرح نہ سنبھلی اور کچھ نہ کچھ
شکایت چلتی ہی رہی۔

---

(۸)

متبنیٰ بنانے کی رسم

مہاراجہ گنگا دھر راؤ کی صحت روز بروز گرتی گئی۔ دن
سے ہفتے، ہفتوں سے مہینے اور مہینوں سے سال بن بن کر گذرنے لگے
مہاراجہ کی صحت کبھی پوری طرح بحال نہ ہوئی۔ اگرچہ اگلے ہی سال یعنی
۱۸۵۲ء میں رانی دوبارہ امید سے ہوئیں اور بچہ پیدا ہوا۔ مگر چونکہ ان کا
دل تو رنج و غم کا گھن لگ چکا تھا۔ اس لیے ان کے جسم میں پوری پوری
طاقت کبھی پیدا نہ ہوئی۔ اور جسمانی کمزوری جیوں کی تیوں بنی رہی۔

۲۸ اکتوبر ۱۹۵۳ء میں دسہرے کے ایام مبارک آگئے تھے لیکن مہاراج جی
اس موقع پر ہندو یہی مہاراشٹر کی پوجا کا کہ جو ہمیشہ سے خاص اہتمام سے
دھوم دھام کے ساتھ منایا جاتا تھا ۔ اس سال مہاراج اگرچہ بہت کمزور
تھے مگر پھر بھی انہوں نے اپنے خاندان کی اپنی پتری دیوی کی سالانہ
پوجا میں خاص شردھا بھگتی اور سرگرمی کا اظہار کیا اور خوب جی کھول
کر مطابق دسہرے کا دربار انعام بھی حسب دستور دھوم دھام کے ساتھ نہایت
شاہانہ طریق سے ہوئے مہاراج اس مبارک موقع پر اپنی بیماری بھلا کر اپنے
آنند اتسو میں پورا پورا حصہ لیتا دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور رام
راجیہ کا سا آنند لیتے رہے ۔

صرف یہی نہیں بلکہ تمام پرجا نے اپنے اپنے گھروں پر مندروں میں
مہاراج کی صحت یابی اور درازیٔ عمر کے لئے سچے دل سے پرارتھنائیں
کیں ۔ مگر ۔ ے

کچھ نہ دعا نے اثر کیا اور کچھ نہ دوا نے کام کیا
آخر اس بیماریٔ غم نے اپنا کام تمام کیا

پوجا اتسو اور دربار کے دنوں میں چونکہ مہاراج کے کمزور و ناتوان
جسم کو معمول سے کسی قدر زیادہ محنت و مشقت برداشت کرنی پڑی
جو بہت ہی لمبے دن تک کے لئے بہت زیادہ ثابت ہوئی ۔ اس لئے اس
روز سے مہاراج کی طبیعت اور بھی زیادہ ناساز ہو گئی ۔ اور شاید کسی
بد پرہیزی کے سبب پیٹ کی شکایت پیدا ہو کر بعد میں وہ سنگرہنی کی
شکل اختیار کر گئی جس کے علاج میں اندرونی و بیرونی ہوشیار سے ہوشیار
حکیموں اور ویدوں نے اپنی لیاقت و قابلیت کے جوہر دکھانے کی کوشش

کی۔ مگر کسی کی ایک پیش نہ گئی۔ آخر جھانسی کے اسسٹنٹ پولٹیکل ایجنٹ میجر میلکم صاحب کو مہاراج کی حالت سے آگاہ کیا گیا۔ اور انہوں نے بھی اس بارے میں خاص مدد کا انتظام کیا۔ مگر سب بے سود رہا۔ غرضیکہ جپ تپ پوجا پاٹھ۔ یگیہ انوشٹھان سبھی کچھ کئے گئے۔ مگر کسی سے بھی افاقے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔

اُن دنوں ستی رانی لکشمی بائی جی کی حالت شگفتہ یہ تھی۔ وہ دن رات اپنے پتی دیو کی سیج کے پاس بیٹھی۔ دلی عقیدت اور شردھا بھرے دل سے اپنے سہاگ کا اپنے سرتاج کی جان کی خیر مانگتی رہتی تھیں۔ اور ان کی ہر طرح کی ٹہل سیوا خود ہی بجا لاتی تھیں۔ کھانا پینا۔ سونا۔ آرام کرنا۔ سب کچھ ان کے لئے حرام ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی یہ تندہی اور جانفشانی دیکھ کر۔ راجیہ کے امیروں وزیروں کو۔ ان کی صحت کی بھی فکر دامنگیر ہونے لگی تھی۔ مگر انہیں اپنی جان کی کچھ بھی پرواہ نہ تھی۔

دسہرے کے بعد تیسرے ہفتے سے مہاراج کی حالت اور بھی زیادہ مایوس کُن نظر آنے لگی۔ مگر پھر بھی مہاراج اپنی جان کی طرف سے کچھ مایوس نہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اُنہوں نے ایک دن اپنے پردھان منتری شری نرسنگھ راؤ جی اور اپنے سسر یعنی مہارانی لکشمی بائی جی کے پتا مورو پنت جی کو بُلا کر ان سے یہ کہا کہ "اگرچہ میں ابھی تک اپنی زندگی سے مایوس نہیں ہُوا۔ اور مجھے یقین ہے کہ علاج معالجے سے میں ضرور بچ جاؤں گا۔ مگر پھر بھی میں یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے خاندان کے باسودیو نیو لکر کے سپتر آنند راؤ کو باقاعدہ طور پر متبنیٰ بنا لیا جائے۔ تاکہ یہ راج پاٹ ہمارے خاندان میں قائم رہے۔"

آنند راؤ کی عمر اس وقت پانچ برس کے قریب تھی۔ اور وہ ایک خوبصورت۔ ذہین اور ہونہار بچہ معلوم ہوتا تھا۔ اسی لئے مہاراج نے مہارانی لکشمی بائی کے مشورے سے اُسے گود لے لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ چنانچہ مہاراج کے یہ خواہش ظاہر کرتے ہی اس کا سب انتظام کر دیا گیا۔ اور جھانسی کے مشہور ودوان پنڈت دنائک راؤ نے اس تقریب کے سلسلہ میں سب شاستری رسومات نہایت باقاعدہ طور پر ادا کرا دیں۔ نیز جھانسی کے پردھان منتری شری نرسنگھ راؤ جی۔ موروپنت۔ لاہوری مل وغیرہ معزز افسران ریاست اور دوسرے اہلکاروں۔ شہر کے سبھی بڑے بڑے معزز شہریوں، سیٹھوں، ساہوکاروں وغیرہ کو اس تقریب میں شریک کر کے اُسے مناسب دھوم دھام کے ساتھ منایا گیا

اسی موقعہ پر وزیر اعظم نرسنگھ راؤ جی۔ موروپنت اور دوسرے معزز اہلکاروں وغیرہ اور خود پولیٹیکل ایجنٹ میجر ایلیس کی موجودگی میں مہاراج نے اس تقریب کے سلسلہ میں ایک اطلاعی خریطہ تیار کر کے۔ گورنمنٹ کی خدمت میں ارسال کئے جانے کے لئے ایلیس صاحب کے حوالے کیا جس میں یہ لکھا گیا تھا۔ کہ

"بندیل کھنڈ میں انگریزی حکومت قائم ہونے سے پہلے میرے بزرگوں نے جس طرح گورنمنٹ کی خدمت کی ہے۔ وہ یوروپ بھر پر عیاں ہے۔ خود میں بھی جس طرح حتی الوسع گورنمنٹ کے ہر فرمان کی تعمیل کرتا رہا ہوں۔ اس کا حال بھی سبھی پولیٹیکل ایجنٹ صاحبان پر روشن ہے۔ اب چونکہ میں ایک سخت مرض میں مبتلا ہوں۔ اس لئے مجھے نہایت افسوس کے ساتھ اپنے

خاندان کی تباہی کا خوف پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن چونکہ میں
ہمیشہ ہی گورنمنٹ برطانیہ کا وفادار رہا ہوں۔ اور اس کی
بھی ہمیشہ مجھ پر نظرِ عنایت رہی ہے۔ اس لئے میں گورنمنٹ
کی توجہ اس مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ جو
میرے خاندانی بزرگوں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اسی سلسلے
کے مطابق میں نے ۵ سالہ بچے آنند راؤ کو گود لے کر اس کا
نام دامودر گنگا دھر راؤ رکھ دیا ہے۔ یہ بچہ میرے ہی خاندان
کا چشم و چراغ ہے اور رشتے میں میرا پوتا لگتا ہے۔ مجھے یہ بھی
امید [illegible] پر بھروسہ کر کے اور سرکار بہادر کی نظرِ عنایت سے میں
جلد ہی صحت یاب ہو جاؤں گا۔ پھر بھی میری عمر کے خیال سے یہ
ممکن ہے کہ آئندہ کسی وقت میرے کوئی اولاد بھی ہو جائے۔
اگر ایسا ہوا تو اس صورت میں مناسب فیصلہ کر لیا جائے گا۔ لیکن اگر
میں اس وقت اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکوں۔ تو جس
خلوص اور وفاداری سے میں نے سرکار کی خدمات ادا کی ہیں
ان سب کی طرف مناسب توجہ دے کر اس بچے پر سرکار
کی نظرِ عنایت رہنی چاہیئے۔ اور جب تک میری [illegible]
زندہ رہے۔ وہ اس راج کی رانی اور اس بچے کی ماں سمجھی جائے
راج کا تمام انتظام بھی اسی کے ہاتھ میں رہنے دیا جائے تاکہ اسے کسی
طرح سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

یہ خریطہ میجر ایلس کے حوالے کرتے ہوئے مہاراجہ کی آنکھوں میں آنسو
ڈبڈبا آئے۔ اور انہوں نے اپنی یہ خواہش پوری کی جانے کے لئے میجر صاحب

سے بار بار استدعا کی۔ اور اس شرط کا بار بار ذکر کیا۔ جس کی دوسری دفعہ میں یہ صاف صاف تحریر تھا کہ جھانسی راج کی حکمرانی کا حق مہاراج گنگادھر راؤ کو نسل در نسل کے لئے لکھ دیا گیا ہے۔ خواہ ان کے وارث اسی خاندان میں پیدا ہوئے ہوں یا گود میں لئے گئے ہوں۔

ادھر میجر صاحب نے بھی نہایت ہی پروانہ اور شریفانہ لہجے میں یہ کہا کہ راجہ صاحب! آپ کا یہ خریطہ گورنمنٹ کے پاس بھیجتے ہوئے جو بھی مدد مجھ سے ہو سکے گی وہ میں ضرور کر دوں گا۔

اتنی دیر تک بات چیت کرتے رہنے نیز جذبات کے تلاطم سے کچھ کمزوری بڑھ جانے کے باعث مہاراج پر کچھ غشی سی طاری ہو گئی۔ اس لئے میجر ایلس اور کپتان مارٹن راجہ صاحب کو دوا دلوا کر چلے گئے۔

رانی لکشمی بائی جی بھی مہاراج کے پلنگ کے قریب ہی پردہ کی اوٹ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد وہ فوراً مہاراج کے پاس پہنچ گئیں۔ اس وقت ان کے دل کی جو حالت تھی۔ زبان قلم میں اتنی طاقت کہاں کہ اسے بیان کر سکے۔

کچھ دیر علاج معالجہ ہونے کے بعد مہاراج کو بڑی مشکل سے ہوش آیا۔ مگر نقاہت اتنی ہو گئی تھی۔ کہ فوراً ہی نیند آ گئی۔ مہارانی تصویر غم بنی۔ ایک بیجان مورتی کی مانند ان کے چرنوں میں بیٹھی برابر پُر حسرت نگاہوں سے آپ کے شدت مرض سے پیدا ہوئی تکلیف کے باعث مرجھائے ہوئے چہرے کو دیکھ دیکھ کر اپنی بدنصیبی پر آنسو بہاتی رہی۔

راج بھگت پرجا کے جھنڈ کے جھنڈ نہایت خاموشی کے ساتھ دبے پاؤں آ آ کر محل کے سامنے جمع ہونے اور اپنے ہر دلعزیز مہاراج کا حال پوچھ پوچھ

کر ان کی درازیٔ عمر کے لئے پرارتھنائیں کر کر کے ویسی ہی خاموشی کیساتھ واپس چلے جاتے رہے۔

اگلے روز ۲۰ نومبر کو دوپہر کے قریب آپ کی آنکھ کھلی مگر اس لمبی نیند سے بھی آپ کی صحت میں کوئی اضافہ اور بہتری کی صورت نظر نہ آئی۔ بلکہ یہ معلوم ہؤا کہ اب آپ کی زبان بھی ماری گئی ہے اور کچھ بولنے کی طاقت بھی نہیں رہی۔ یہ حال دیکھ کر غم نصیب مہارانی جی اور بھی گھبرا اٹھیں۔ اور رنج و غم کے مارے ان کا کلیجہ پھٹنے لگا۔

سب درباریوں میں سنسنی پھیل گئی۔ چند ایک سن رسیدہ اور خاص معتمد درباری مہارانی جی کو ڈھارس بندھانے اور اطمینان دلانے لگے۔ باقیوں نے مہاراج کے دوا دارو کی فکر کی۔ قیمتی سے قیمتی دوائیں دی جانے لگیں کچھ دیر بعد مہاراج نے پھر آنکھیں کھولیں اور نہایت ہی کمزور آواز میں ایجنٹ صاحب کے بارے میں دریافت کیا۔

منتری جی نے فوراً ہی سوار بھیج کر ایجنٹ صاحب کو اطلاع دی۔ اور میجر ایلس اپنے خاص ڈاکٹر کو۔ جو بہت ہی ہوشیار اور تجربہ کار سمجھے جاتے تھے ساتھ لے کر آپہونچے۔ مہاراجہ صاحب نے ان سے کچھ بات چیت کرنی چاہی مگر میجر صاحب نے ان کے پھر بیہوش ہو جانے کے خوف سے انہیں روکتے ہوئے کہا کہ "پہلے آپ تندرست ہو جایئے۔ یہ سب بات چیت پیچھے ہوتی رہے گی۔"

ڈاکٹر صاحب نے مہاراجہ صاحب کا بغور طبی معائنہ کرکے آپ کے لئے ایک بیش قیمت نسخہ تجویز کیا۔ مگر اس زمانہ میں سبھی دھرم پراتن ہندو انگریزی دواؤں کا استعمال ممنوع سمجھتے تھے۔ اس لئے مہاراج نے بھی کمال

مستقل مزاجی سے کوئی انگریزی دوا کھانے سے انکار کر دیا۔ اس لئے سر ایڈون آرنلڈ جیسے انگریز مؤرخوں کا یہ خیال ہے۔ کہ "اگر مہاراج وہ دوا کھا لیتے تو ضرور بچ جاتے۔ بلکہ یہ بھی عین ممکن تھا کہ تندرست ہو کر اولاد بھی پیدا کر سکتے۔ اور اس طرح یہ ہندو راج قائم رہتا۔"

اس وقت مہاراج نے بندیل کھنڈ کے پولیٹیکل ایجنٹ میجر سلیم کو ایک اور خط لکھوایا جس میں اپنے پہلے بھیجے ہوئے خط کے سلسلے میں مندرجہ ذیل باتوں کا خاص طور پر ذکر کر کے۔ ان پر خاص زور دیا:۔

"۱۸۱۷ء میں جھانسی راجیہ کے بزرگ راجہ رام چندر راؤ جی سے انگریزی سرکار نے جو عہد نامہ کیا تھا اس میں صاف الفاظ میں یہ تسلیم کیا گیا تھا۔ کہ جھانسی راجیہ اور انگریزی حکومت کی دوستی مستقل بنیادوں پر قائم رکھنے کی غرض سے برطانی حکومت راجہ رام چندر راؤ سے یہ اقرار کرتی ہے کہ وہ ان کے وارثوں نیز وارثوں کے وارثوں کو نسلاً بعد نسلاً ان تمام علاقوں کا حکمران تسلیم کرتی ہے جو بندیل کھنڈ میں انگریزی حکومت کے شروع میں راجہ شو رام بھاؤ جی کے زیر حکمرانی تھے۔ اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی اقرار کرتی ہے کہ راجہ رام چندر راؤ جی کے وارث ان سب علاقوں کے آزاد مالک رہیں گے۔"

یہ مراسلہ میجر ایلیس صاحب کے حوالے کرنے کے بعد مہاراج گنگادھر راؤ کے دل پر سے ایک طرح ایک بڑا بھاری بوجھ اتر گیا اور انہیں اس بات کا پورا پورا یقین ہو گیا۔ کہ ان کی اور ان کے پوجیہ بزرگوں کی تمام خاندانی خدمات کا خیال رکھ کر انگریزی حکومت ان کی اس آخری درخواست

کو ہرگز نہ ٹھکرائیگی۔ اور اپنے پاک عہدنامے کی شرائط کی تعمیل و تکمیل میں جھانسی کا راجیہ ہر طرح ان کے مقرر کردہ وارثوں کے قبضے میں ہی نسلاً بعد نسلاً رہنے دے گی۔ لیکن افسوس کہ ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی ورث ولیم کلکتہ کے تاجدار شاہ اور اس کے ایجنٹوں کی نیت بدل گئی۔ کیونکہ بقول انگریزی مورخ مسٹر ڈبلیو۔ ایم۔ ٹورینس۔" ان کی ہندوستانی سلطنت کی بنیادیں اب اتنی مضبوط ہوگئی تھیں کہ اب کسی بھی جاں نثار اور وفادار خیراندیش کی کسی خدمت کی کوئی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ اور اس لئے وہ ان کی ہر خدمت کو نظر انداز کر کے بڑی آسانی سے بالکل بے خوف و خطر طوطا چشمی کر سکتے تھے۔"

---

(۹)

سورگباش کے بعد

آخر ۲۱ نومبر ۱۸۵۳ء کا وہ منحوس دن آ ہی پہونچا جس کا اتنے دنوں سے خدشہ لگ رہا تھا۔ مریض غم کا جسم آہستہ آہستہ ٹھنڈا پڑنے لگا۔ سانس آنے جانے کی تکلیف دم بدم بڑھنے لگی۔ تمام ہوش و حواس معطل ہوگئے۔ آنکھیں پتھرا گئیں نبض غائب ہوگئی۔ کوئی بھی دوا دارو حلق سے نیچے نہ اتری تمام راج محل کیا سارے شہر میں کہرام مچ گیا۔ غمزدہ مہارانی لکشمی بائی کے سر پر رنج و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اور ان کے دیکھتے دیکھتے ہی ان کے پرم پوجیہ پران پتی پران ناتھ۔ پرانیشور ہمیشہ کے لئے ان سے چھوٹ گئے۔ وہ غم نصیب ابلائیں

یہ دنیا احسان فراموش ظالم ہے ہمیشہ دنیا میں ہستی کی نیرو قسمت نے زبردست
اور ظالم ہستی ظالم طاقتوں کا حق اور سخت مقابلہ کرنے اور ایک وسیع ریاست
میں رہے نابالغ وارث کی حفاظت و پرورش کے بھاری بوجھ کی زبردست
ذمہ داری سنبھالے رکھے۔ لاکھوں وفادار پرجا ہزاروں جاں نثار نچھاور کر
اور درجنوں غمخوار اہلکار و رشتہ دار ہوتے ہوئے بھی بالکل اکیلی رہ گئی۔
کیونکہ ـــ

مصیبت کے دنوں میں کون کس کا ساتھ دیتا ہے؟
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا ہوتا ہے انساں سے

پھر تعزیہ مہاراجہ گنگادھر راؤ کے بدن کے ساتھ شہر جھانسی کے
بے شمار شہری نکل پڑے۔ آنسو بہاتے، چھاتی پیٹتے اور آہ و زاری
کرتے شمشان بھومی تک پیچھے پیچھے گئے۔ کیونکہ ہر انسان کی۔ خواہ وہ بڑے
سے بڑا راجہ مہاراجہ اور والئے تخت و تاج ہو یا کنگال سے کنگال بے نوا و
محتاج۔ آخر منزل شمشان اور قبرستان کے سوا اور کوئی نہیں ـــ صرف
یہیں تک اس کے عزیز سے عزیز اور سچے سے سچے دوست اور خیر اندیش
اس کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ اور اس سے ایک قدم بھی آگے اس کے ساتھ جانے
کی کسی میں بھی تاب و مجال نہیں۔

چنانچہ سلطنت برطانیہ کے مقامی قائمقام پولیٹیکل میجر ایلیس۔ کپتان مارٹن
اور انگریزی فوج و رسالے کے دوسرے افسر و سپاہی بھی۔ اپنے اپنے سیاہ ماتمی
لباس میں۔ تصویر ماتم بنے بدن کے ساتھ ساتھ تھے۔ اور اس عام رنج و
الم میں اپنی شرکت کا ہر طرح اظہار کر رہے تھے۔

مہاراج کے داہ کرم (آخری سنسکار) سے فراغت پا کر بھی میجر ایلیس

اور ان کے ساتھی بڑے بڑے افسروں نے محلوں میں پہنچ کر مہارانی لکشمی بائی جی کو ہر طرح اطمینان دلایا۔ اور پھر دوسرے سب افسر تو اپنی اپنی کوٹھیوں کو واپس چلے گئے۔ لیکن میجر ایلیس مہارانی کے پاس سے سیدھے خزانے کی طرف روانہ ہوئے۔ جو قلعے میں ہی علیحدہ ایک نہایت مضبوط اور سنگین عمارت میں بڑی حفاظت کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔

وہاں پہنچ کر انہوں نے سب سے پہلے خزانے میں جمع شدہ رقوم کی پڑتال کی۔ اس وقت خزانے میں کل ۲ لاکھ ۷۵ ہزار ۸۷۶ روپے موجود تھے انہوں نے خزانچی پنڈت جوالا اس کی موجودگی میں سب تھیلیوں کو باقاعدہ طور پر بکسوں میں بند کرا کے ان کے تالوں پر مہر لگوا دی۔ پھر اس کے علاوہ خزانے کے ہر ایک کمرے میں رکھے ہوئے سازو سامان کی خوب جانچ پڑتال کر کے اور اس کی فہرست بنوا کر۔ ان کمروں میں تالے ڈال دئے۔ اور انہیں بھی مہر لگوا کر سربند کر دیا۔ نیز سب مال و متاع کی حفاظت کے لئے مہاراجہ گوالیار کی کنٹنجنٹ فوج کی نویں پلٹن کے قریباً ڈیڑھ سو سپاہیوں اور افسروں کا وہاں پر پہرہ مقرر کر دیا۔

راجیہ کے بھنڈار۔ اور خزانے کی حفاظت میں ان کی یہ سرگرمی اور مستعدی دیکھ کر سب نے یہی سمجھا کہ یہ سب کارروائی صرف اس لئے کی جا رہی ہے۔ تاکہ مہاراجہ گنگادھر راؤ کے سورگباش کے بعد غم نصیب مہارانی جی کے ماتم زدہ ہونے کے باعث کسی بد دیانت سردار یا اہلکار کو کچھ خُرد بُرد کرنے۔ یا کسی بیش قیمت چیز پر ناجائز طور سے اپنا قبضہ جمانے کا موقع نہ ملے۔

اس طرح مہاراج کے بعد ریاست میں ہر طرح امن و امان رہا۔ اور رنج و الم میں ڈوبے ہوئے جھانسی راجیہ میں کہیں بھی کسی طرح سے کوئی

ہامی نہیں ہونے پائی۔

مگر در اصل اس سب دیکھ بھال اور انتظام کا مطلب کچھ اور ہی تھا۔
چنانچہ میجر صاحب ان سب کاموں سے فراغت پاتے ہی جب [illegible] اپنے بنگلے پہنچے تو سب سے پہلا کام جو انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے ملٹری پولیٹیکل ایجنٹ میجر میلکم ہیلی کو مہاراجہ گنگادھر راؤ کے سورگباش کی خبر کے ساتھ ہی ساتھ اپنی اس کارگزاری کی بھی ایک مفصل رپورٹ لکھ بھیجی

میجر میلکم بھی مہاراجہ گنگادھر راؤ کی سخت بیماری کی اطلاع ملنے پر ان کے دیہانت سے پہلے ہی گورنمنٹ ہند کے فارن ڈپارٹمنٹ کے افسر اعلیٰ کے ذریعے گورنر جنرل ہند کو مہاراج کی لاعلاج بیماری کے بارے میں سب خبر بھیج چکے تھے۔

چنانچہ اب میجر ایلس سے مہاراج کے سورگباش کی رپورٹ پاکر ۲۵ نومبر کو میجر میلکم ہیلی پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے گورنر جنرل صاحب کی خدمت میں جو مراسلہ بھیجا اس کا لب لباب یہ تھا۔

"مجھے جناب کو یہ اطلاع دیتے ہوئے بے حد رنج ہوتا ہے کہ ۲۱ نومبر گذشتہ کو جھانسی کے مہاراجہ گنگادھر راؤ جی کا سورگباش ہوگیا۔ پرماتما ان کی آتما کا کلیان کریں۔

"جناب کو معلوم ہو کہ سورگباشی مہاراج نے اپنی موت سے ایک دن پہلے ہی اپنے خاندان کے ایک پانچ سالہ بچے کو گود لے کر اس کا نام دامودر گنگادھر راؤ رکھ دیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس بچے کو اپنا پوتا ظاہر کیا ہے۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ لڑکا سورگباشی مہاراج کے بزرگ راجہ رگھوناتھ راؤ کی پانچویں پشت سے ہے۔ اس لئے انگریزی

طریق کے مطابق یہ مہاراج کا چچیرا بھائی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مراسلے کے ساتھ ہی میں وہ تمام خطوط بھی ارسال کر رہا ہوں۔ جو میرے اسسٹنٹ میجر ایلیس صاحب نے اس سلسلہ میں مجھے تحریر کئے ہیں۔ ان میں انہوں نے مہاراج کی بیماری کے ایام میں ان سے اپنی ملاقاتوں اور ان کی افسوسناک موت کے تمام حالات مفصل تلمبند کئے ہیں۔

" ساتھ ہی ان کی وہ درخواست بھی ارسال ہے جو سورگیہ مہاراج نے اس گود لینے کی رسم کے بارے میں مجھے بھیجی ہے۔ امید ہے کہ جناب عالی ان سب پر پورا پورا غور و خوض فرمائیں گے۔

" اس تبنیت کے سلسلہ میں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ سورگیہ مہاراج نے بڑی چالاکی سے کام لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جھانسی کی ساری پرجا مہاراج سے یہ اُمید رکھتی تھی۔ کہ وہ سرکار برطانیہ سے یہ درخواست کریں گے۔ کہ ان کے دیہانت کے بعد مہارانی لکشمی بائی کو ان کی ریاست اور ان کی سب جائداد کی وارثہ قرار دیا جائے۔ اس لئے ممکن ہے کہ انہیں مہاراج کو اپنی موت سے ایک دن پہلے اس طرح ایک بچے کو متبنیٰ بناتے ہوئے دیکھ کر بڑا تعجب ہوا ہو۔

" اگر یہ سچ ہے تو میں بڑے زور سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ مہاراج نے یہ خوب اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ جھانسی کے صوبیدار راجہ شیو راؤ بھاؤ کی نسل سے۔ جن کے ساتھ سرکار انگریزی نے سب سے پہلے صلح نامہ کیا تھا۔ اب کوئی وارث نہیں اور نہ ان کے اپنے ہی

خاندان میں کوئی جائز سمجھا جانے والا قابل وارث یا قریبی رشتہ دار رہ گیا ہے۔ اس اعتراض کے خوف سے ہی مہاراج نے اس طرح اچانک طریق پر اپنی موت سے عین ایک دن پہلے آنند راؤ نامی اس نابالغ بچے کو گود لیا ہے۔

" جناب کے غور و خوض کے لئے میں جھانسی کے سورگباشی مہاراج کے خاندان کا ایک شجرہ نسب بھی ارسال کر رہا ہوں جس کے ملاحظہ سے جناب پر یہ روشن ہو جائے گا کہ یہ گود لیا ہوا بالک مہاراج کے بزرگ راجہ رگھوناتھ راؤ اول کی نسل سے ہے۔

" گذشتہ ۲۳ تاریخ کو میں نے اپنے اسسٹنٹ میجر ایلیس کو جھانسی راج کے انتظامات کے بارے میں جو ہدایت نامہ بھیجا تھا۔ اس کی ایک نقل ۲۳ تاریخ کو ہی اطلاعاً گورنمنٹ ہند کو بھی ارسال کر دی گئی تھی جس میں میجر صاحب مذکور کو صاف الفاظ میں یہ لکھ دیا گیا تھا۔ کہ جب تک حکومت ہند جھانسی راجیہ کے آئندہ انتظامات کے بارے میں کوئی یقینی فیصلہ نہ کرے۔ تب تک سورگیہ مہاراج کے اس تبنیت نامے پر کوئی توجہ نہیں دی جائے گی۔ اور اس درمیانی عرصے میں ہمیں ہی حکومت ہند کی طرف، اس کے قائمقام کی حیثیت سے ریاست کا سب انتظام چلانا پڑے گا۔ اس ہدایت کے بموجب ایلیس صاحب مناسب کارروائی کر رہے ہیں۔

" جناب والا کے ملاحظہ کے لئے میں کچھ ایسے کاغذات بھی پیش کر رہا ہوں۔ جن سے جناب کو سرکار انگریزی اور جھانسی راجیہ کے باہمی تعلقات کی سب یاد تازہ ہو جائے گی۔ اور جناب انہیں دیکھنے

ہی یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ سورگبہ مہاراج کو اس طرح اپنے راجیہ کا کسی کو وارث بنانے کا کوئی اختیار حاصل ہے یا نہیں؟

"جناب والا! سب سے پہلے بندیل کھنڈ سے ہم انگریزوں کے تعلقات ۱۸۰۴ء میں قائم ہوئے ہیں۔ اس وقت جھانسی کے صوبیدار شو راؤ بھاؤ پیشوا کے ملازم اور ماتحت (ایک عہدیدار) تھے۔ یہی دیکھ کر انگریزوں نے ان کے ساتھ صلح نامہ کیا تھا۔ اس کے بعد ۱۸۱۷ء میں پیشوا نے جھانسی راجیہ کا سب اختیار انگریزوں کو لکھ دیا۔ اس وقت بھی انگریزوں کی یہ عنایت تھی کہ انہوں نے اپنے پرانے صلح نامے کا خیال کر کے جھانسی راجیہ کے سب اختیارات حکومت شو راؤ بھاؤ کے پوتے رام چندر راؤ کو نسل بعد نسل کے لئے تحریر کر دیئے تھے۔ اور ۱۸۳۲ء میں انہیں صوبیدار کے بجائے 'راجہ' کے اعزاز سے ممتاز فرمایا۔

"جب ۱۸۳۵ء میں ان راجہ رام چندر راؤ کا دیہانت ہوا تو ان کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے جہاں تک مجھے یاد ہے اس وقت بھی انگریزی سرکار نے جھانسی راجیہ کو اپنی حکومت میں شامل کرنے کا کچھ خیال کیا تھا۔ مگر پھر منصف مزاج انگریز سرکار نے یہ دیکھا کہ شو راؤ بھاؤ کے دو پتر رگھوناتھ راؤ اور گنگادھر راؤ زندہ ہیں۔ اس لئے رحمدل سرکار نے اپنا یہ خیال بدل دیا اور سلسلہ وار دونوں کو جھانسی راجیہ کا حق دار قرار دیا۔ اب جبکہ بدقسمتی سے گنگادھر راؤ بھی لاولد ہی پرلوک سدھار گئے ہیں۔ تو از روئے انصاف اس خاندان کا ہمیشہ کے لئے

خاتمہ ہو چکا ہے۔

" اس کے علاوہ ایک بات اور بھی میں جناب کی خدمت والا میں پیش کر دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ۱۸۳۹ء میں۔ جب راجہ رام چندر راؤ کا سورگباش ہوا۔ تب راجہ رام چندر راؤ کے متبنیٰ اور ان کی رانی نے بھی اپنا اپنا حق پیش کیا تھا۔ لیکن سرکار نے ان دونوں کو ہی غیر حقدار ظاہر کیا۔ اور یہ میری رائے میں بالکل ٹھیک اور قرین انصاف تھا۔

" اس وقت سرکار کے اور ان کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی تھی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جھانسی کی حکومت جن شرائط پر انگریزوں کے ہاتھ آئی تھی۔ ان میں یہ صاف تحریر ہے۔ کہ جھانسی کے کسی بھی راجہ یا رانی کو انگریزی سرکار کی منظوری کے بغیر متبنیٰ بنانے کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔

" میں مانتا ہوں کہ مہاراجہ گنگادھر راؤ نے اپنے پیچھے جس استری کو اختیارات حکومت سونپنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ وہ ہر طرح اس بوجھ کو سنبھالنے کی قابلیت رکھتی ہے۔ لیکن ہمارے عظیم مقصد اور زمانہ موجودہ کے حالات پر غور کرتے ہوئے۔ جناب والا کی خدمت میں۔ میری یہ مؤدبانہ درخواست ہے۔ کہ اس وقت یہی مناسب ہے کہ اس علاقے کو اپنی حکومت میں شامل کر لینے کا یہ سنہری موقعہ ہاتھ سے نہ کھویا جائے۔

" اگر جناب اجازت مرحمت فرمائیں تو سورگباش مہاراج کی مہارانی کو خوش کرنے کے لئے مہاراج کی نجی جائداد اور جھانسی کا راج محل

انہیں دے دیا جائے اور ساتھ ہی اس کے میں مہارانی کی طرف سے جناب والا کی خدمت میں مودبانہ التماس کرتا ہوں کہ ان کے خاندان کے گذارہ کے لئے انہیں ایک ماہوار پنشن بھی عطا فرمائی جائے۔

" میں یہ تو عرض نہیں کر سکتا کہ یہ ماہانہ پنشن کتنی ہو؟ لیکن جہاں تک مہارانی کے حالات پر میں غور کر سکا ہوں۔ وہاں تک میری رائے یہ ہے کہ یہ رقم ۵ ہزار روپے ماہوار سے کم نہ ہو۔ کیونکہ یہ تو جناب پر روشن ہی ہے کہ تمام بندیل کھنڈ میں مہاراشٹروں کا یہی ایک آخری شاہی خاندان ہے۔ اس لئے اس راجیہ کے جن برہمنوں کو پیشوا یا داسودر راؤ سے خیرات کے طور پر کچھ مالی مدد ملنے کی امید تھی، وہ اب مٹ گئی ہے۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ وہ سب بھی زیادہ تر مہارانی کے زیر سایہ ہی پناہ حاصل کریں۔ ایسی حالت میں مہارانی کے خرچ کے لئے مجھے مذکورہ بالا رقم کی منظوری لابدی معلوم ہوتی ہے

" ویسے بھی جھانسی راجیہ پر ایک عرصے سے انگریزوں کی ہی حکومت ہے۔ اب تک اس کا سب انتظام میجر ایلیس بڑی عمدگی سے سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر میری مندرجہ بالا درخواست پر توجہ فرما کر گورنمنٹ جھانسی راجیہ کو اپنے قبضہ اقتدار میں لے لے۔ تو اس کے ہمسایہ سندھیا راجیہ کی مانند ہی اس کا انتظام کرنے میں بھی ہمیں کوئی خاص دقت پیش نہ آئیگی۔

" اگر جناب والا کا یہی فیصلہ ہو کہ اس راجیہ کے تمام انتظام

کی میں ہی نگرانی کروں ۔ تو اس میں بھی مجھے کچھ عذر نہ ہوگا۔
بلکہ میں اسے اپنی بڑی خوش قسمتی ہی سمجھوں گا۔ لیکن سوال صرف
یہ رہ جاتا ہے کہ مجھے اور میرے مددگار میجر اسکین کو محکمہ مال کا
کچھ تجربہ نہیں ۔ اس کے علاوہ مجھے گوالیار نیز بندیل کھنڈ میں بار
بار سر اٹھانے والے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے اکثر دورے
پر ہی رہنا پڑتا ہے ۔ اس لئے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے
کو بھی بندیل کھنڈ کے دوسرے ضلعوں کی مانند جبل پور کے کمشنر
کپتان ارسکن کے ہی ماتحت کر کے ۔ ان میں ہی شامل کر دیا
جائے ۔"

غرضیکہ اس طرح انہوں نے جھانسی راج کی آیندہ قسمت کا اپنی طرف سے
پورا پورا فیصلہ کر کے جناب میجر میلکم نے بلا بغیر کسی جنگ و جدل کے ہی جھانسی راجیہ
کو پورے امن و امان سے ہڑپ کر جانے کے دل پسند خواب دیکھنے لگے۔ اور ان
میٹھے خوابوں کی تکمیل کے لئے اپنے افسران بالا کی منظوری کا انتظار کرنے لگے۔
اور اسی نسبت سے انہوں نے گوالیار کنٹنجنٹ فوج کی نویں پلٹن کے ایک دستے
اور بنگال نیٹو انفنٹری نامی ایک پوری پلٹن کی چھاؤنی بھی جھانسی میں ڈال
دی ۔ اس کے علاوہ انہوں نے جھانسی نیز کربرا کے قلعوں کی نگرانی کے لئے
بریگیڈیئر پارسنز صاحب سے چار پلٹنیں اور بھی منگوالیں ۔

(۱۰)

مہارانی کا اضطراب

ادھر تو پولٹیکل ایجنٹ میجر میلکم ہیلی۔ ابھاگے جھانسی راجیہ کو انگریزی حکومت کے قبضے میں لانے کے لئے یہ جال پھیلا رہے تھے۔ اور ادھر غم نصیب مہارانی لکشمی بائی جی اپنے بھولے پن سے۔ انہیں میجر میلکم ہیلی کی مربیانہ امداد پر پورا پورا بھروسہ جمائے اور اپنے حق تبنیت پر نیز اس کے ہر طرح مبنی بر انصاف ہونے پر اعتماد کئے۔ اپنی اس جائز اور حق بجانب درخواست کی منظوری کا نہایت ہی بے صبرا(نہ) اور اضطراب کے ساتھ۔ انتظار کر رہی تھیں۔ اور ایک ایک دن گن گن کر کاٹ رہی تھیں۔

جب یہ اضطراب ناقابل برداشت ہو گیا۔ اور مہاراج کو سورگباش ہوئے کئی ہفتے گزر گئے۔ تو انہوں نے ایک دن بہت ہی گھبرا کر اپنے پتا جی کو بلایا اور ان سے یہ کہنے لگیں " پتا جی! سورگیہ مہاراج کی درخواست کا ابھی تک کچھ جواب نہیں آیا۔ نہ معلوم کیا کارن ہے؟"

موروپنت" بیٹی سرکاری کاموں میں اکثر ایسی ہی دیر لگ جایا کرتی ہے اس لئے چنتا کی کوئی بات نہیں۔ میں نے ابھی کچھ ہی دن ہوئے میجر صاحب سے اس کا ذکر کیا تھا۔ انہوں نے یہی جواب دیا کہ ابھی کلکتہ سے کوئی جواب نہیں آیا۔ تم جانو۔ دور کی بات ٹھیری۔ پھر سرکاری درباری معاملے ایسے ہی ڈھیلے ہوتے ہیں۔ دسہج پکے سو میٹھا ہو) کی کہاوت کیا تم بھول گئیں؟

مہارانی۔ یہ تو سب ٹھیک ہے۔ مگر یہ عرصہ بھی تو کچھ کم نہیں ہے ہمارے

خزانوں اور سب بھنڈاروں پر انگریزوں کے تالے پڑے ہیں۔ بھلا اس طرح کام کیسے چل سکتا ہے؟ منتری جی کو تو بلوایئے۔ ان سے ہی صلاح لیں کہ اب کیا کرنا چاہیئے جس سے یہ سب دُبدھا جلدی ہی دور ہو؟

منتری جی آئے۔ دیر تک صلاح و مشورے ہوتے رہے۔ آخر یہ قرار پایا۔ کہ لاٹ صاحب کی خدمت میں ایک اور مراسلہ بھیج کر۔ پہلی درخواست کی یاددہانی کرائی جائے۔ بڑے غور و خوض کے بعد ایک مراسلہ تیار کیا گیا۔ جس کا لب لباب یہ تھا :-

"حضور انور! ہمارے جھانسی راجیہ کے کاغذات سے یہ حقیقت صاف ظاہر ہے۔ کہ اس علاقے میں انگریزی حکومت قائم ہونے سے پہلے میرے راجیہ کے سسر دیو شریمان صوبیدار شو راؤ بھاؤ جی انگریزی سرکار کو ہر طرح سے پوری پوری امداد دیتے رہے ہیں اور اس میں بھی کچھ شک و شبہ نہیں کہ ان کی اسی امداد کے صلہ میں انگریزی سرکار کی بھی اب تک ہم پر نظر عنایت رہی ہے۔ ساتھ ہی اس کے جناب کو یہ بھی یاد ہوگا کہ ۱۸۴۲ء میں میرے سورگیہ پتی دیو مہاراجہ گنگادھر راؤ جی کے ساتھ کرنل سلیمن صاحب نے جو عہد نامہ کیا تھا۔ اس میں وہ شرطیں رد نہیں کی گئیں۔ جو ۱۸۱۷ء میں ہمارے بزرگ راجہ رام چندر راؤ جی کے ساتھ طے پائی تھیں بلکہ اس نئے عہد نامے کے وقت بھی جو میرے پتی دیو کے ساتھ ہوا تھا۔ سرکار انگریزی نے میرے پتی دیو کو یہ یقین دلایا تھا۔ کہ آئندہ بھی ان شرطوں پر اسی طرح عمل کیا جاتا رہے گا۔ جیسا کہ اس وقت تک ہوتا رہا ہے بلکہ اس وقت انہیں یہ بھی اطمینان دلایا گیا تھا۔ کہ ان شرائط

سے حاصل ہونے والے تمام حقوق سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا ہر ایک حق راجہ جھانسی کو حاصل رہے گا۔

"جناب عالی! میں یہ بھی جانتی ہوں کہ کرم فرما انگریزی سرکار نے ہمارے بزرگ صوبیدار شوراؤ بھاؤ جی کے بعد ۱۸۱۷ء میں ان کی نسل کے راجہ رام چندر راؤ جی کو جھانسی میں راج کرنے کے سب اختیارات نسلاً بعد نسلاً عطا کر کے ان سے جو شرط نامہ کیا تھا۔ وہ ہمارے بزرگ سورگیہ شوراؤ بھاؤ کے من میں انگریزوں کے لئے عمر بھر کے گہرے پریم اور وفاداری کو دیکھ کر ہی کیا گیا تھا۔ نیز انگریزوں نے ان کے اس سچے اور نمایاں پریم کے انعام کے طور پر ہی راجہ رام چندر راؤ کو جھانسی کی حکومت کے اختیارات عطا کر کے ان کی اس آخری خواہش کی تعمیل و تکمیل کی تھی۔ یہ سب بھی مجھے اچھی طرح معلوم ہے اور اسے بھی ہر طرح تسلیم بھی کرتی ہوں۔

" اس میں شک نہیں۔ کہ انگریز سرکار نے جھانسی راجیہ کو اپنا پکا پریمی اور سچا دوست بنانے کے لئے ہی یہ شرط نامہ تحریر کیا تھا۔ اور اس میں اس بات کو صاف الفاظ میں طے کر لیا گیا تھا کہ سورگیہ شوراؤ بھاؤ جی کے تمام علاقہ حکومت پر ان کے وارث راجہ رام چندر راؤ جی اور ان کے وارثوں کو نسل در نسل پورے پورے اختیارات حکمرانی حاصل رہیں گے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگر کبھی بدقسمتی سے جھانسی کا کوئی حکمران لاولد رہ جانے کے باعث اپنی نسل قائم رکھنے کے لئے اپنے کسی قریبی

رشتہ دار کو گود بھی لینا پسند کرے گا۔ تو انگریزی سرکار اسے بھی راجیہ کا جائز وارث تسلیم کر کے ان کی نسل کا خاتمہ نہ ہونے دے گی۔ کیونکہ ہمارے ہندو دھرم شاستروں میں جیسے اصلی لڑکے کو اپنے سورگیہ پتا اور دوسرے بزرگوں کے پنڈ دان اور شرادھ وغیرہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ ویسے ہی متبنیٰ اولاد کے لئے بھی وہ سبھی حقوق جائز مانے گئے ہیں۔ اسی لئے ہمارے ہندوستان میں متبنیٰ لئے جانے کی یہ رسم کوئی نئی یا خلاف مذہب رسم نہیں۔ سمجھی جاتی۔ اور ہم میں جن شریف پتی پتنی کے اپنا کوئی لڑکا نہیں ہوتا۔ وہ دوسرے کسی قریبی رشتہ دار لڑکے کو گود لے لیا کرتے ہیں۔ اور وہی گود لیا ہوا لڑکا ان کے پنڈ دان کرنے اور ان کی سب جائداد بطور ورثہ حاصل کرنے کا حق دار مانا جاتا ہے۔ آریہ دھرم نے بھی ہندو سماج کو اس بارے میں پوری پوری اجازت دے رکھی ہے۔

جناب والا! ہندو دھرم شاستر کے اسی حکم کی تعمیل میں میرے سورگیہ پتی مہاراجہ گنگادھر راؤ جی نے جب یہ دیکھا۔ کہ ہم دونو کی بدبختی سے ہمیں اپنی کوئی اولاد حاصل نہیں ہوئی۔ اور ان کا چراغ زندگی جلد ہی گل ہوا چاہتا ہے۔ تو انہوں نے اپنی نسل قائم رکھنے کی خواہش اور مرنے کے بعد سورگ حاصل کرنے کی سکھ بھری امید کو اپنے دل میں جگہ دے کر کسی بچے کو گود لے لینے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ۱۹ر نومبر کو جب وہ اپنی زندگی کی طرف سے قطعی طور پر مایوس ہو گئے۔ تو اپنے اس دا۹

مقصد کو پورا کرنے کی غرض سے اُنہوں نے مجھے اور اپنے راج منتری نرسنگھ اپا جی۔ لالہ لاہوری مل اور لالہ تنتی چند وغیرہ کئی معزز سیٹھوں۔ ساہوکاروں۔ ریاستی اہلکاروں اور دوسرے محترم شرفا کو بُلا کر ان کے سامنے اپنی یہ خواہش ظاہر کی۔

"ہم سب نے دیر تک من ہی من میں۔ مہاراج کی ہی گوتر والے قابل بچوں کی تلاش کر کے ان کے نام تجویز کئے۔ اور ہر نقطۂ خیال سے کئی گھنٹوں تک ان سب کے گن سبھاؤ پر پورا پورا غور کرنے کے بعد اتفاق رائے سے مہاراج کے ہی خاندان کے آنند راؤ نامی ایک بچے کو اس مقصد کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب سمجھا۔ میرے پتی دیو جی نے بھی اس انتخاب کو پسند کر کے اس کے حق میں اپنی رائے ظاہر کی۔ آخر اگلے ہی دن سب کی اتفاق رائے سے سورگیہ مہاراجہ گنگا دھر راؤ جی نے اس بچے کو ہندو شاستروں میں بیان کئے ہوئے طریق سے باقاعدہ طور پر اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ جھانسی راجیہ کے مشہور پروہت پنڈت ونائک راؤ نے اس کا سنکلپ کرایا اور آنند راؤ کے پتا واسو دیو راؤ نے خود اپنے پُتر کو شاستر ودھی سے انو سار مہاراج کی گود میں دے دیا۔

"اس تقریب کے وقت بندیل کھنڈ کے اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ میجر ایلیس اور کپتان مارٹن صاحب بھی دربار میں رونق افروز تھے۔ اس وقت مہاراج نے خود اپنے ہاتھ سے سرکار انگریزی کے نام ایک مراسلہ لکھ کر یہ درخواست کی کہ اس تبنیت کو تسلیم کر

لیا جائے۔ اور یہ مراسلہ میجر ایلیس کے حوالے کر دیا۔ میجر صاحب نے بھی بڑی مہربانی سے انہیں یہ اطمینان دلایا۔ کہ وہ اس تبنیت کو انگریزی سرکار سے منظور کرا کے جھانسی راجیہ کے حکمرانوں کی نسل کو قائم رکھیں گے اور اس کی جڑوں کو مضبوط کر دیں گے۔

اس سے اگلے ہی دن یعنی ۲۱ نومبر کو میرے پران پتی دیوتا مہاراجہ گنگا دھر راؤ جی اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ اور ان کا شاستروکت کریا کرم ان کے نو دلئے بیٹے یعنی راجکمار آنند راؤ نے ہی حسب قاعدہ سرانجام دیا۔ جس کا نام اب اس رسم تبنیت کی ادائیگی کے بعد دامودر گنگا دھر راؤ ہو گیا ہے۔

" جناب والا۔ اب میری یہ دست بستہ عاجزانہ درخواست ہے کہ جس متبنٰے لڑکے کو اپنا مان کر انگریز سرکار کے سچے خیر اندیش اور وفادار دوست سورگیہ مہاراجہ گنگا دھر راؤ جی نے۔ آپ کی نیز انگریزی سرکار کی چھتر چھایا میں پورے اطمینان اور سچے اعتماد سے یہ فانی جسم چھوڑ دیا ہے۔ اس کے حقوق کی ہر طرح حفاظت کرنا اور اس پر نظر عنایت رکھنا۔ آپ کا نیز سرکار انگریزی کا سب سے پہلا اور اعلیٰ فرض ہی نہیں۔ بلکہ پرم دھرم ہو گیا ہے۔

ساتھ ہی اس کے۔ اگر مجھے معاف فرمایا جائے۔ تو میں جناب والا کی توجہ اپنی ہمسایہ ریاست دتیا کے راجہ پرکیشت راؤ نیز ریاست جالون کے راجہ بالا راؤ اور ریاست اورچھا کے راجہ تیج سنگھ کی نظایر کی طرف دلا کر یہ درخواست کرنا چاہتی ہوں کہ جس طرح عنایت فرما کر سرکار بہادر نے ان راجاؤں کے

متبنیٰ لڑکوں کو منظور فرمایا ہے۔ اسی طرح میرے سورگیہ پتی دیو
کے متبنیٰ کو بھی تسلیم فرمایا جاوے۔ جناب والا خود بڑے بیدار مغز
سیاست دان ہیں۔ اور یہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارا جھانسی
راجیہ اپنی قدیم خدمات کی بدولت۔ سرکار انگریزی کی نگاہ کرم
کا جتنا مستحق ہے۔ اتنا متذکرہ بالا راجاؤں میں سے کوئی بھی
نہیں ہے۔ اس لئے مجھے یہ پورا پورا یقین ہے کہ میں سرکار والا
کی اس نوازش سے ہرگز محروم نہ رکھی جاؤں گی۔ کیونکہ ان راجاء بڑل
سے سرکار والا تبار کے جو عہدنامے ہوئے ہیں۔ ان میں اور جھانسی
راجیہ کے عہدناموں میں زمین آسمان کا فرق ہے یعنی جھانسی
راجیہ کے شرائط نامے میں سرکار نے "دوام" کا جو لفظ استعمال کیا
ہے۔ وہ ان میں سے کسی کے بھی عہدنامے میں نہیں ہے۔
ان حالات میں جناب والا خود ہی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ متبنیٰ لینے کا
حق میرے پتی دیو کا اور سب راجاؤں کی نسبت بدرجہا زیادہ
افضل اور برتر تھا۔"

کہا جاتا ہے کہ مہارانی لکشمی بائی جی کی اس سراسر جائز اور معقول درخواست
کی حمایت میں میجر ایلیس نے بھی زبردست سفارش کی۔ کیونکہ اس سے پہلے
بھی اپنی ۴ ہر دسمبر ۱۸۵۳ء کی چٹھی میں وہ نہایت صاف الفاظ میں یہ لکھ چکے
تھے کہ" جھانسی راجیہ کا خاتمہ کر دینا یا اس کے حق تبنیت کو منظور نہ کرنا۔ کورٹ آف
ڈائرکٹرز کے اس مراسلے کی دفعات ۱۶ اور ۱۷ کے خلاف۔ بالکل خلاف ہوگا۔ جو کورٹ
مذکور نے ۲۷ مارچ ۱۸۳۹ء کو جھانسی راجیہ کے نام بھیجا تھا۔ اس لئے میری رائے
میں اگر گورنمنٹ اس تبنیت کو نا منظور کر کے جھانسی راجیہ کا خاتمہ کر دے گی

تو وہ اپنی فیاضانہ سیاسیات کا اپنے ہی ہاتھوں خون کرے گی۔"

مگر خیال ہے کہ چونکہ میجر میلکم ہیلی کی رائے اس کے خلاف تھی۔ اس لئے میجر الیس کی یہ سفارش ایک عرصے تک ان کے دفتر میں ہی دبی پڑی رہی اور اس پر مناسب غور نہیں کیا جا سکا۔

بعض ماہرین سیاست مؤرخوں اور حالات زمانہ پر گہرا غور و خوض کرنے والے نکتہ شناس مصنفوں کا یہ خیال ہے کہ "ریاست جھانسی کا اس طرح خاتمہ کرانے کے لئے میجر ہیلی کے یوں بضد ہونے کا باعث یہ تھا۔ کہ اس وقت شمالی ہند میں آگرہ اور ساگر کے درمیانی علاقے میں۔ صرف جھانسی ہی ایک ایسا مرکزی مقام تھا۔ بلکہ "تھا" ہی کیوں وہ اب بھی ہے۔ جہاں سے وقت آپڑنے پر ریاست گوالیار کے سیندھیا راج ہی نہیں۔ بلکہ اور بھی کئی دوسری ریاستوں کے راجاؤں کو بھی بڑی آسانی سے شکست دی جا سکتی ہے۔

انہیں وجوہات کے زیر اثر میجر ہیلی نے اس تبنیت کو منظور نہ کرنے کی سخت اور پُرفریب پالیسی کا سہارا لے کر جھانسی راج کو اس طرح ہڑپ کر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اور پھر آگے کلکتہ اور لندن میں تو ان سے کئی درجے بڑھے چڑھے۔ گھاؤ گھپ۔ بے ڈکار لئے سب کچھ ہضم کر جانے والے پرم لوبھیوں کا راجیہ تھا۔ (جیسا کہ آئندہ صفحات میں مفصل طور پر ظاہر ہو جائے گا) وہ بھلا ایک ایسا لاجواب ہتھیار ہاتھ آجانے کے بعد۔ اس کے بار بار استعمال کرنے میں کوئی کسر کیوں اُٹھا رکھنے والے تھے؟

پھر یہ بھی تو کچھ ناممکن نہیں سمجھا جا سکتا کہ خود میجر ہیلی نے بھی انہیں کلکتہ اور لندن نواسی دیوتاؤں کی خوشنودی مزاج حاصل کرنے اور ان کی کرپا کا پاتر بننے کے لئے ہی یہ سراسر خلاف انصاف تجویز ان کے سامنے پیش کی ہو جسے

سے انہوں نے بھی اس کی خلاف انصاف حقیقت کو محسوس کر کے صرف تردید ہی نہیں کر دی بلکہ جھانسی راج کا متبنیٰ منظور کر لئے جانے کی سفارش بھی کر دی لیکن اس وقت کلکتہ نو اسی دیوتاؤں نے ان کی ایک نہ سُنی۔ اس لئے ممکن ہے انہیں ہمیشہ اپنے ان سنوگنی بھاؤں کی پر بلتا کے لمحوں میں اس پہ افسوس ہی ہوتا رہا ہو۔ سچ ہے ؎

جو تیر دھنش سے نکل گیا۔ پھر ہاتھ کہیں وہ آتا ہے
شُشبھ ادسر ہاتھ سے کھو کر نر۔ پھر دُھن دھُن کر پچھتاتا ہے

---

(۱۱)

نئی جھنجٹ

ادھر تو سورگیہ مہاراجہ گنگا دھر راؤ کی تبنیت کی منظوری کھٹائی میں پڑ گئی تھی اور اس میں جتنی بھی دیر ہوتی جاتی تھی اُتنا ہی مہارانی لکشمی بائی جی کی بیقراری بڑھتی جا رہی تھی۔ اُدھر اس سلسلہ میں ایک اور نئی جھنجٹ پیدا ہو گئی۔ وہ یہ کہ مہاراجہ گنگا دھر راؤ کے قدیم وطن خاندیس میں ابھی تک ان کے کچھ دور پار کے رشتے دار موجود تھے۔ انہیں میں سدا شوناراین نامی ایک شخص مہاراج کے لا دل سورگباش ہونے کی خبر سُن کر جھانسی راجیہ کا دعویدار بن بیٹھا۔ اور اس نے اس مطلب کی اپنی ایک درخواست بھی بندیل کھنڈ کے پولیٹیکل ایجنٹ میجر میلکم ہیلی کی خدمت میں ارسال کر دی۔

اس سے میجر میلکم ہیلی کو ایک اور شگوفہ ہاتھ آگیا۔ اور انہوں نے اپنی

رپورٹ مورخہ ۱۲ر نومبر کے سلسلے میں۔ جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ۱۳ر دسمبر کو گورنر جنرل صاحب کی خدمت میں یہ لکھ مارا کہ" اگر گورنمنٹ سورگیہ جھانسی راج کی گدی کو قائم ہی رکھنا چاہے اور ان کے خاندان کے ہی کسی وارث کو یہ حق دینا ہے۔ تو یہ سداشو نارائن ۔ان کا خاص طور پر نزدیکی رشتہ دار اور جھانسی راجیہ کا زیادہ موزوں حق دار ظاہر ہوتا ہے۔"

اس سے یہ بھی خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ میجر میلی کے دل میں کسی خاص وجہ سے مہاراجہ گنگا دھر راؤ اور مہارانی لکشمی بائی کے خلاف کچھ غم و غصہ تھا۔ اسی لئے وہ انہیں ان کے راج پاٹ سے محروم کر کے ان کے منظور کردہ وارث کو اس بہانے سے نامنظور کرا کے اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس مقصد کے لئے یہ ایک نیا ذریعہ اور ان کے ہاتھ آ گیا۔ تو انہوں نے اسے بھی ہاتھ سے کھونا پسند نہیں کیا۔ اور لگے ہاتھ سداشو راؤ کی بھی جھانسی کی راج گدی کے لئے سفارش کر دی۔

لیکن اس وقت کے گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی کی نظروں میں میجر میلکم میلی کی اس سفارش کو کوئی خاص وقعت حاصل نہیں ہوئی۔ کیونکہ ان کی اپنی سیاسیات اس سے کچھ اختلاف رکھتی تھیں۔ اس لئے ان پر بھی یہاں کچھ روشنی ڈالنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تاریخ ہند سے کچھ معمولی سی دلچسپی رکھنے والے ناظرین پر بھی واضح ہوگا کہ جب پہلے گورنر جنرل لارڈ وارن ہیسٹنگز کی بے انصافیوں اور دست درازیوں کے خلاف اس وقت کی حکومت انگلستان کی مخالف پارٹی نے ۔ جو حکومت وقت کی نکتہ چینی کے لئے ہمیشہ ہی مناسب موقعوں کی تلاش میں رہا کرتی ہے۔ مخالفت کا زبردست طوفان اٹھایا ہے۔ اور مشہور تاریخی ہستی مسٹر ایڈمنڈ برک نے پارلیمنٹ میں لارڈ

وارن ہیسٹنگز کی کالی کرتوتوں کی قلعی کھولی۔ تو حکومت نے گھبرا کر ہندوستان میں اپنی حکومت کی پالیسی کا ذکر کرتے ہوئے یہ اعلان کردیا کہ "ہم ہندوستان میں اپنے دائرہ حکومت کو پھیلانا یا وہاں کے کسی بھی علاقے پر قبضہ کرنا نہیں چاہتے کیونکہ اس قسم کے نا کردنی کام برطانی حکومت کی پالیسی۔ اس کی خواہش اور اسکی انصاف پسندی کی شہرت کے بالکل خلاف ہیں۔"

لیکن حکمراں پارٹی اپنے اس عہد پر ۷ سال سے زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ اور ۱۷۹۰ء میں لارڈ کارنوالس نے میسور کے حکمران سلطان ٹیپو کا آدھا علاقہ ہڑپ کر لیا۔ پھر ۱۷۹۹ء میں لارڈ ولزلی اس باقی نصف کو بھی صاف کر گئے۔ اس کے کچھ ہی عرصے بعد نواب اودھ کی باری آگئی۔ اور پھر اس کے پیچھے کرناٹک کے علاقے پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ جس پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے کوٹ آف ڈائرکٹرز مقیم انگلستان کے گھروں میں گھی کے چراغ جلائے گئے۔

مگر پھر کسی خوف سے ان کا دل کانپ اٹھا۔ اور انہوں نے یہ اعلان کیا کہ "یہ بات عیر تمی کہ آئندہ ہندستان میں اپنے حلقہ اقتدار کو بڑھانے کی کوئی کوشش نہ کی جائے۔" مگر پھر اس کے چند سال بعد ہی لارڈ میو نے ریاست نیپال سے جنگ چھیڑ کر اس کے علاقے کا بھی ایک بڑا حصہ ہتھیا لیا۔ اور پھر اس کے بعد رفتہ رفتہ برہما۔ آسام۔ کورگ۔ سندھ۔ پنجاب وغیرہ کو بھی یکے بعد دیگرے ہڑپ کر گئے۔

اس زمانے یعنی ۱۸۴۸ء میں جب لارڈ ڈلہوزی کا عہد حکومت شروع ہوا تو قریباً تمام ہندوستان میں انگریزوں کا پائے اقتدار یکساں مضبوطی اور پختگی کے ساتھ جم چکا تھا۔ لیکن ابھی تک وہ شاہان مغلیہ کی مانند شہنشاہ ہند

نہیں مانے جاتے تھے۔ چنانچہ یہ ہوس بھی انکے دل میں جاگ اُٹھی اور اس کی تکمیل کے لئے انہوں نے ہر طرف نظر دوڑانی شروع کی۔ اور جیسے بھی ہو۔ اپنا اُلّو سیدھا کرنے کا ارادہ کر لیا۔

بس پھر کیا تھا؟ "پھوٹ پھیلاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی کا دور دورہ شروع ہوا۔ اور سکم۔ دارجیلنگ۔ ارکاٹ۔ تنجور۔ سنبل پور۔ خیرپور۔ ناگپور وغیرہ کئی ریاستیں تو اس پالیسی کا تمام و کمال شکار ہو کر ہمیشہ کے لئے اپنی آزادی کھو بیٹھیں اور بڑودہ۔ گوالیار۔ حیدرآباد دکن جیسی بڑی بڑی ریاستوں کو بھی کسی نہ کسی حد تک انگریزوں کا حلقہ بگوش ہونا پڑا جس کے باعث ہندوستان میں ہر طرف ہی ایک زبردست ناراضگی دبے اطمینانی کی لہر پھیل گئی جس نے رفتہ رفتہ ۱۸۵۷ء میں ایک طوفان عظیم کی شکل اختیار کر لی۔

مگر اس کی تمام تر ذمہ داری لارڈ ڈلہوزی کے سر تھوپنا بھی کسی طرح قرین انصاف نہ ہو گا۔ کیونکہ آخر وہ بھی تو کوئی مطلق العنان اور خود مختار ہستی نہیں تھے۔ ان کے لئے بھی کورٹ آف ڈائرکٹرز کے اشارے پر ناچنا اور انکی خوشنودی حاصل کرنا ضروری تھا۔ کورٹ آف ڈائرکٹرز کی باگ ڈور تھی۔ اس کے پردھان مسٹر ہاب ہاؤس کے ہاتھوں میں۔ جنہوں نے پہلے ہی لارڈ ڈلہوزی کو یہ سمجھا سمجھا کر بھیجا تھا۔ کہ آیندہ کسی بھی ریاست کے حکمران کو یہ اجازت نہ دینا کہ وہ لاولد رہ جانے کی صورت میں۔ کسی کو اپنا متبنّے بنا کر اپنے خاندان کی حکومت کو جاری رکھ سکے۔ اور ان کی اسی اشارت کی تعمیل۔ لارڈ ڈلہوزی نیز ان کے سبھی اعلے ماتحت افسروں کے لئے لازمی تھی۔

میجر ایلیس کا شمار۔ چونکہ ان اعلے درجہ کے افسروں میں ابھی نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے شاید انہیں اس راز درون پردہ کا کچھ علم نہ تھا۔ جو انہوں نے اپنے

افسران اعلیٰ کی منشا کے خلاف تبنیت منظور کرنے کی پُرزور سفارش کردی تھی۔ لیکن اس پر یہ بھی سوال اُٹھ سکتا ہے کہ میجر میلکم ہیلی نے جھانسی راجیہ کے خاتمے کے بارے میں جو مشورہ دیا تھا۔ کیا وہ بھی اسی خفیہ اشارے پر مبنی تھا۔ اگر تھا تو پھر ان سے یہ غلطی کیسے سرزد ہو گئی۔ کہ انہوں نے اپنی ۱۳ ، دسمبر کی چھٹی میں گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی کو جھانسی راج کے اس نئے دعویدار سداشو راؤ کے حق میں یہ سفارش کردی ؟ جو آخر۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ بالکل بے اثر ثابت ہوئی۔

لارڈ ڈلہوزی نے فروری ۱۸۵۴ء میں اپنے لکھنؤ کے دورے سے کلکتہ واپس پہونچتے ہی اپنے وزیر خارجہ مسٹر جے۔ پی گرانٹ کو جھانسی راج کے سب نئے اور پُرانے عہدناموں نیز دیگر کاغذات کی بھاری بھرکم مسل پر پُورا پُورا غور کرکے اپنی رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا۔

---

(۱۴)

گورنر جنرل کا فیصلہ

لارڈ ڈلہوزی کے وزیر خارجہ مسٹر گرانٹ بڑے زمانہ شناس اور ہوا کا رُخ پہچاننے والے شخص تھے۔ اُنہوں نے لارڈ ڈلہوزی کا سب مطلب و منشا سمجھ کر اسی نقطہ نظر سے کاغذات کا مطالعہ شروع کیا۔ اور چند ہی روز میں اپنی اس تمام کھوج کا سب لباب لاٹ صاحب کے سامنے پیش کر دیا۔ لارڈ ڈلہوزی نے اس رپورٹ کے ہر پہلو پر خوب غور و خوض کرکے۔ اسے اپنے مشیروں کی کونسل

میں پیش کیا۔ سب نے اس پر کئی دن بحث و تحقیق کر کے ۔ آخر اتفاق رائے سے یہ فیصلہ لکھا کہ:۔

" نومبر ۱۸۵۳ء میں جھانسی راجیہ کے آخری راجہ مہاراج گنگادھر راؤ کا دیہانت ہو گیا ۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنی وفات سے ایک دن پہلے آنند راؤ نامی ایک لڑکے کو گود لے کر وارث بنا لیا۔ اب ان کی بیوہ مہارانی لکشمی بائی یہ درخواست کرتی ہیں کہ سرکار انگریزی بھی اس تبنیت کو منظور کر کے اس لڑکے کو جھانسی راج کا وارث تسلیم کر لے ۔

" ہم نے ان کی اس درخواست پر غور و خوض کرتے ہوئے ۔ جھانسی راج کے متعلق اس رپورٹ کو بھی پڑھا۔ جس میں سیکریٹری صاحب نے اس ریاست کی تمام مختصر تاریخ پیش کی ہے۔ اس سے ہم پر یہ صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ جھانسی راجیہ سے انگریزی راجیہ کے کیا تعلقات ہیں ؛

" جھانسی راج سے اب تک جو بھی خط و کتابت ہوتی رہی ہے۔ اسے اپنے دھیان میں رکھتے ہوئے ہمیں یہ رائے ظاہر کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے ۔ کہ جو علاقہ جھانسی کے متوفی مہاراج کے زیر حکومت تھا۔ اس کا انتظام اب کس طرح کیا جائے؟ ہمیں جھانسی راج سے تعلق رکھنے والے سبھی کاغذات پر پورا پورا غور کرنے کے بعد یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برٹش سرکار کو ان موجود حالات میں اس ریاست پر قبضہ کر لینے کا حق تمام و کمال حاصل ہے کیونکہ جھانسی راج کا اتہاس صاف الفاظ میں یہ ثبوت پیش کر رہا

ہے۔ کہ ۱۸۱۷ء میں شو راؤ بھاؤ اور اس کے وارثوں نے باجی راؤ دوئم پیشوا سے جو حکومت حاصل کی تھی۔ اس پر اب تک ان کا قبضہ قائم رکھنا انگریز سرکار کی خواہش اور عنایت پر ہی منحصر تھا۔ لیکن اب صورتِ حالات کچھ اور ہی ہو گئی ہے۔

"مہاراجہ گنگا دھر راؤ چونکہ شو راؤ بھاؤ کے ہی لڑکے تھے۔ اس لئے انگریز سرکار نے اپنے متوفی دوست کی دوستی کا احترام کر کے انہیں جھانسی کی حکمرانی کا حق عطا کر دیا تھا۔ اور اگر ان کے کوئی اپنی جائز اولاد ہوتی۔ تو یہ عین ممکن تھا۔ کہ اسے بھی انگریز سرکار یہ حق عنایت کر دیتی۔ لیکن چونکہ اس وقت کوئی ایسی اولاد موجود نہیں۔ اس لئے ہماری رائے میں یہی مناسب جان پڑتا ہے۔ کہ اب جھانسی راج کی حکومت کے سارے حقوق برطانوی سرکار کے لئے حاصل کر لینا ہر طرح جائز اور قرینِ انصاف ہوگا۔

"ابھی حال ہی میں ٹیہری وغیرہ ریاستوں کے بارے میں غور کرتے ہوئے جھانسی راجیہ کے مستقبل پر بھی غور کیا گیا۔ تو یہی فیصلہ ہوا۔ لفٹیننٹ گورنر سر چارلس مٹکاف صاحب نے بندیل کھنڈ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے متعلق جو قواعد بنائے ہیں اور جنہیں ۱۸۱۷ء میں سرکار برطانیہ نے بھی منظور کر لیا ہے۔ نیز جنہیں ۱۸۲۶ء میں ہندوستان کی انگریزی حکومت کے کورٹ آف ڈائرکٹرز مقیم انگلستان بھی تسلیم کر چکے ہیں۔ انہیں دیکھتے ہوئے یہ صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ انگریز سرکار کو ہر طرح یہ حق حاصل ہے کہ وہ جھانسی راج کو ریاستوں کی فہرست سے خارج کر کے

اپنی ذاتی حکومت میں ملالے۔

"اس کے علاوہ جھانسی راج کے کاغذات دیکھئے۔ اور اس راج کے مورث اعلیٰ شو راؤ بھاؤ سے ۱۸۰۳ء میں جو عہد نامہ ہوا تھا۔ اس پر غور کرنے سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ جھانسی راج ہمیشہ سے ہی انگریزوں کے ماتحت رہا ہے۔ اور یہ کبھی بھی آزاد و خود مختار نہیں رہا۔ یعنی اسے ٹیہری راج جتنی بھی آزادی حاصل نہیں رہی۔ انگریز سرکار نے شو راؤ بھاؤ سے جو عہد نامہ کیا تھا۔ اس میں یہ صاف درج ہے کہ جھانسی کا صوبیدار پیشوا کے ماتحت ہے۔ خود بھاؤ صاحب نے ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک کے نام ایک 'واجب العرض' میں یہ تحریر کیا ہے کہ ہم پیشوا جی کے حسب الحکم ہی علاقہ جھانسی کی حکومت کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔"

"شو راؤ بھاؤ نے خود اس بار حکومت سے سبکدوش ہوتے ہوئے انگریز سرکار سے یہ درخواست کی تھی۔ کہ ہمارے ساتھ جو عہد نامہ ہوا ہے۔ اس کے مطابق انگریز سرکار ہمارے پوتے کو جھانسی کی گدی دے دے۔

"اس وقت انگریز سرکار نے انہیں یہی جواب دیا تھا کہ جھانسی راج چونکہ پیشوا کے ماتحت ہے۔ اس لئے ہمیں ان کی اجازت بغیر جھانسی کی حکومت نسل در نسل چلانے کی اجازت دینے کا کوئی حق حاصل نہیں۔"

"اسی قرین انصاف پالیسی کی ماتحت ۱۸۱۷ء میں بھی انگریز سرکار نے رام چندر راؤ کو از خود جھانسی کی حکومت کا حق دے کر

پیشوا کا دل دکھانا اور ان کے اختیارات میں مداخلت کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے بعد بھی اگرچہ پیشوا نے ۱۸۱۸ء میں اپنے تمام علاقہ کی عنان حکومت انگریزوں کے حوالے کر دی۔ یعنی جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں پیشوا کے ماتحت تھیں۔ وہ سب بھی انگریزوں کی ماتحتی میں آگئیں۔ تو بھی انگریزوں نے جھانسی راج پر رام چندر راؤ کا نسلاً بعد نسلاً حق تسلیم نہیں کیا۔ لیکن چونکہ اس وقت انگریزی سرکار کو جھانسی راجہ پر پورے پورے اختیار حاصل تھے۔ اور شو راؤ بھاؤ سے اس کے ہمیشہ گہرے دوستانہ تعلقات رہے تھے۔ اسی لئے ان سب باتوں کے پیش نظر انگریز سرکار نے شو راؤ بھاؤ کے پوتے رام چندر راؤ کو۔ چند شرائط کے ماتحت جھانسی کی گدی نسل بعد نسل کے لئے لکھ دی۔

" اس طرح اگرچہ ۱۸۳۲ء تک جھانسی کے صوبیداروں کو یہ گدی نسلاً بعد نسلاً ملتی چلی گئی۔ لیکن پھر بھی ان کا درجہ ہمیشہ ادنے ہی رہا اور وہ کبھی راجہ کا اعزاز نہیں پا سکے۔ ۱۸۳۵ء میں رام چندر راؤ کا دیہانت ہو گیا۔ انہوں نے بھی کوئی جائز وارث نہ ہونے کے سبب اپنی موت سے ایک دن پہلے ایک لڑکا گود لے لیا تھا۔ لیکن سرکار نے اسے منظور نہیں کیا۔ اور ان کے بعد جھانسی کی گدی۔ ان کے چچا رگھوناتھ راؤ کو دے دی

" ۱۸۳۸ء تک رگھوناتھ راؤ حکومت کرتے رہے۔ اس کے بعد یہ حق ان کے بھائی گنگا دھر راؤ کو ملا۔ جنہوں نے ابھی پچھلے دنوں ہی وفات پائی ہے

"اب نہ تو گنگا دھر راؤ کی ہی کوئی جائز اولاد ہے اور نہ ان رام چندر راؤ کے ہی جنہیں برٹش سرکار نے نسل درنسل کے لئے جھانسی کی گدی لکھ دی تھی۔ ایسی حالت میں یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ اس راج کو نسل درنسل چلانے والا جب کوئی جائز وارث ہی نہیں رہا۔ تو اسے انگریزی حلقہ حکومت میں ملا لینا ہی نہایت مناسب ہے۔

"مہارانی لکشمی بائی جی نے متبنیٰ بچے کے وارث تسلیم کئے جانے کی درخواست کرتے ہوئے ٹیہری۔ دتیا۔ جالون وغیرہ ریاستوں کے حوالے دئے ہیں۔ لیکن انہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ٹیہری اور دتیا خود مختار ریاستیں ہیں۔ ان کا اور جھانسی جیسے ماتحت راجیہ کا کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ خود مختار والیان ریاست اور ماتحت رئیسوں کے لئے الگ الگ قواعد ہیں"۔

" ہاں! جالون کی بات ان سے مختلف ہے۔ وہ بھی ضرور ایک ماتحت ریاست ہے۔ لیکن اسے انگریز سرکار کسی محبت یا ملکی مصلحت کے خیال سے بچہ گود لے لینے کی جو اجازت دے چکی ہے۔ وہ سرکار کی اپنی منشا و مرضی کی بات ہے۔ اس سے مہارانی کو یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس ریاست کو ایک بار متبنیٰ بنا لینے کی اجازت مل جانے سے۔ اسے اب بار بار ہی یہ اجازت مل جائے گی۔ یا سرکار کے اس متبنیٰ کو تسلیم کر لینے سے اور بھی ریاستوں کا حق تبنیت تسلیم کر لیا جائے گا۔

" اس کے علاوہ ہماری رائے میں کسی کے یہ مان لینے کا بھی

کوئی ثبوت نہیں کہ جالون کو یہ حق مل ہی گیا ہے۔ کیونکہ جب سے جالون کو متبنٰیٰ بنا لینے کی اجازت ملی ہے۔ تب سے ہی وہ راجیہ انگریزوں کے ماتحت ہی سمجھا جانے لگا ہے۔

" ساتھ ہی اس کے مہارانی جی نے اپنے سورگیہ پتی کے متبنٰی کو منظور کر لئے جانے کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ ۱۸۳۷ء کے عہد نامہ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ رام چندر راؤ۔ ان کے وارث اور ان کے بعد جھانسی کی راج گدی پر بیٹھنے والے۔ سبھی اشخاص جھانسی ریاست کے نسل در نسل کے لئے جاگیردار ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ سرکار بھی ان سب حق ظاہر کرنے والے وارثوں کو تسلیم کرتی ہے۔ جو جائز اولاد ہونے کے کی بجائے تبنیت کے ذریعے وارث بنے ہوں۔

" مہارانی جھانسی کو یہ تو معلوم ہی ہے۔ کہ رام چندر راؤ کے بعد جھانسی کی گدی پر دو شخص بٹھائے گئے۔ پہلے رگھوناتھ راؤ کو گدی دی گئی۔ لیکن انہیں کوڑھ ہو گیا اور وہ سراسر حکومت کرنے کے نا قابل ثابت ہوئے۔ ان سے پہلے جھانسی کی سالانہ آمدنی ۱۸ لاکھ روپے تھی۔ جو ان کے زمانے میں ۳ لاکھ رہ گئی۔ اس کے بعد مہارانی کے پتی گنگادھر راؤ گدی پر بٹھائے گئے۔ لیکن وہ بھی راج کرنے کے قابل نہ تھے۔ اسی لئے ایک عرصے تک جھانسی راج کی حکومت کا سارا کام کاج انگریز سرکار کو ہی دیکھنا پڑا۔

" مہارانی جی نے اپنی درخواست میں جس جالون راج کا حوالہ دیا

ہے۔ اس کی حالت بھی اس وقت نہایت قابل افسوس ہے۔
انگریز سرکار نے اسے بھی متبنٰے ابنا لینے کی اجازت دینے میں بڑی
بھول کی ہے۔ اس میں کچھ بھی شک نہیں۔ کیونکہ ۱۸۲۲ء میں
جب اس ریاست کو متبنٰے گود لینے کی اجازت دی گئی تھی۔ تو
اس کی سالانہ آمدنی ۱۵ لاکھ روپے تھی۔ مگر اب ۸ سال میں یہ
آدھے سے بھی کم رہ گئی ہے۔ اور فضول خرچی کے باعث اس
پر ۳ لاکھ روپے کا قرضہ بھی چڑھ گیا۔ ایسی حالت میں سرکار
پھر یہ بھول دوہرانے کے لئے بالکل ناطاقت ہے۔ اور وہ یہی
مناسب سمجھتی ہے کہ جھانسی کو ریاستوں کی ذیل سے خارج کر کے
انگریزی حکومت میں ملا لیا جائے۔

" لیکن چونکہ آپ سورگیہ جھانسی نریش مہاراجہ گنگادھر راؤ
کی مہارانی ہیں۔ اس لئے آپ کو بندیل کھنڈ کے پولیٹیکل ایجنٹ
صاحب کی سفارش کے مطابق ایک معقول پنشن دے دی جائیگی
اور ریاست جھانسی کا سارے علاقے کا انتظام لفٹننٹ گورنر
صاحب کے سپرد کر دیا جائیگا۔ مورخہ ۷ فروری ۱۸۵۴ء "

اگرچہ لارڈ ڈلہوزی اور ان کے مشیروں نیز ماتحت افسروں نے جھانسی
راجیہ کی قسمت کا یہ فیصلہ کرنے میں ہر طرح کی دلیل بازی سے کام لے کر
اپنے اس فیصلے کو ہر طرح مناسب و قرین انصاف ظاہر بلکہ ثابت کرنے کی ہر
چند کوشش کی ہے۔ مگر زمانہ بعد کے بعض معقول پسند اور منصف مزاج مورخوں
نے اسے سراسر خلاف انصاف ثابت کر کے اس کی سبھی بودی دلیلوں کی خوب
دھجیاں اڑائی ہیں۔ چنانچہ میجر ایوانس بیل نے اپنی کتاب "ایمپائر ان انڈیا"

میں اس واقعہ پر مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "۱۸۱۷ء میں پیشوا کے ساتھ انگریزوں نے جو صلحنامہ کیا تھا۔ اس میں نہایت صاف الفاظ میں یہ تحریر تھا کہ 'جھانسی راجیہ کی محبت اور وفاداری کو مضبوط کرنے کی غرض سے گورنمنٹ برطانیہ یہ تسلیم کرنے پر رضامند ہے اور اس عہدنامے کی رو سے وہ راؤ رام چندر ان کے وارثوں اور جانشینوں کو نسلاً بعد نسلاً اس تمام علاقے کے پشتینی حکمران بناتی ہے جو سورگیہ شو راؤ بھاؤ کے اس وقت زیر حکومت تھا۔ جبکہ برطانی حکومت شروع ہوئی'۔"

ان الفاظ کی موجودگی میں لارڈ ڈلہوزی کی اس زبردست دلیل پر کیسے یقین آسکتا ہے کہ برطانیہ نے رام چندر راؤ اور ان کی جائز اولاد کو جھانسی کا راجیہ صرف پروپکار کے خیال سے ہی نذر کر دیا تھا۔ کیونکہ اس شرط نامے میں صاف طور پر یہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ "انگریزوں کی حکومت شروع ہونے سے پہلے ہی شو راؤ بھاؤ جھانسی کے سارے علاقے پر حکمرانی کر رہے تھے۔ اور جھانسی ریاست کے اس تمام علاقے پر جو اختیارات حکومت انہیں گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے پھر تفویض کئے گئے تھے۔ وہ ان کے وارثوں اور جانشینوں" دونوں کے لئے "نسلاً بعد نسلاً" تفویض ہوئے تھے۔"

گورنمنٹ برطانیہ کے ان صلحناموں کی عام عبارت اور ان کے اصلی منشاء و مطلب کے بارے میں پارلیمنٹ برطانیہ کے ممبر مسٹر ڈبلیو۔ ایم ٹارینس لکھتے ہیں کہ "ان صلحناموں کی عبارت ہر زمانے میں اکثر بہت مختصر ہوا کرتی ہے۔ اور ان میں ایسی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں جو یقینی طور پر اس مقصد کو ظاہر کرنے والی ہوتی ہیں اور جن کا مطلب اتنا وسیع نہیں ہوتا کہ ہر قابل قیاس ضرورت کے مطابق ان کے من مانے معنی لگائے جائیں۔ بلکہ فراخ دلی کے ساتھ نہایت سادہ

طرز عبارت میں صلح اور خیر اندیشی کے ایسے خیالات ظاہر کئے جاتے ہیں۔ جو زمانہ مابعد میں پیدا ہونے والے ویسے حالات میں بھی دو نو جماعتوں (فریقوں) کی معمولی سمجھ بوجھ میں آسکیں۔ یا جن کے متعلق کوئی بھی غیر جانبدار منصف بآسانی فیصلہ دے سکے۔

"بین الاقوامی حقوق کے اس نمایاں اصول کی کسوٹی پر پرکھنے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس صلح نامے میں بلا شک وشبہ دائمی حق وراثت عطا کئے جانے کا ارادہ پیش نظر تھا۔ اور بلا شک وشبہ اس کا یہی مطلب تھا۔ کہ وقتاً فوقتاً جو بھی وارث ہوتے رہیں۔ یا اپنے دعوئے وراثت کو جائز ثابت کرتے رہیں انہیں ہی یہ اعزاز۔ مرتبہ اور اختیارات حاصل ہوتے رہیں (جن کا ان عہد ناموں میں ذکر ہوتا ہے)۔ اور یہ جائز وراثت فریق صلحنامہ کی غیر ملکی اور متعلقہ (LEX - LOCI) پالیٹی کے نقطۂ خیال سے نہیں بلکہ اس ریاست کے نقطۂ خیال سے ہو جس کی آزادی کو تسلیم کرنے یا تحفظ کے لئے وہ عہد نامہ کیا گیا ہو"

اس کے علاوہ انگلستان کے بادشاہ جارج سوئم کی طرف سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو جو سند عطا ہوئی تھی۔ اس میں اس پر ہندوستانیوں کے شہری حقوق اور ان کے مذہبی رسم و رواج کو برقرار رکھنے کے لئے نہایت صاف الفاظ میں یہ تاکید کردی گئی تھی کہ "اس لئے تاکہ متذکرہ بالا باشندگان ملک کے سول اور مذہبی رسم درواج کا احترام ہو۔ یہ قرار دیا جائے کہ پریواروں کے پتاؤں اور کرتاؤں (masters of Families) کے حقوق اور اختیارات کو ہندو یا مسلمان قوانین کے مطابق ان کے اپنے اپنے پریواروں میں برابر محفوظ رکھا جانا چاہیئے" وغیرہ وغیرہ۔

ان اور ایسے ہی اور بہت سے حوالہ جات ہیں ۔ جو تلاش کرنے پر بآسانی مل سکتے ہیں ۔ یہ صاف ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ لارڈ ڈلہوزی اور ان کے مشیروں اور ماتحتوں کا یہ فیصلہ کہ جھانسی کے مہاراجہ گنگا دھر راؤ کے متبنیٰ نابالغ مہاراجکمار دامودر گنگادھر راؤ نیز ان کی ولیہ اور سرپرست مہارانی لکشمی بائی جی کو ان کے حق حکمرانی سے بالکل محروم کر کے جھانسی راج کو انگریزی حکومت میں شامل کر لینا کتنا خلاف انصاف اور کیسا جابرانہ تھا؟

---

(۱۳)

دُکھی دل کی دردبھری پُکار

غم نصیب بیوہ مہارانی لکشمی بائی ۳ دسمبر ۱۸۵۳ء کو اپنی متذکرہ بالا درخواست لاٹ صاحب کی خدمت میں بھیج دئے جانے کی غرض سے میجر ایلیس کے حوالے کر کے ۔ اس کے جواب کی انتظار میں ۔ بڑی بے چینی اور بے قراری سے ایک ایک دن گن گن کر گذارنے لگیں ۔

کالکتہ سے مہاراج دامودر راؤ کی تبنیت کی منظوری آنے میں جتنی بھی دیر ہوتی جا رہی تھی ۔ اتنی ہی مہارانی کی پریشانی دن دونی رات چوگنی بڑھتی جا رہی تھی ۔ گویا کہ مادرِ قدرت کی طرف سے نامعلوم طور پر ہی ان کے پاکیزہ اور بے لوث دل کو یہ پیغام پہنچایا جا رہا تھا ۔ کہ ان کی اور ان کے عزیز از جان برخوردار اور وارث نیز تخت و تاج کے مستقبل کا فیصلہ جن طاقتوں کے ہاتھ میں ہے ۔ ان کی نیت [illegible] اسی لئے وہ یہ فیصلہ کرنے میں اتنی دیر لگا رہے ہیں ۔

ادھر شاید ۱۶ر فروری کو لارڈ ڈلہوزی نے مسٹر گرانٹ کی رپورٹ پڑھ کر اس کے متعلق اپنی کچھ رائے اور آئندہ طریق عمل کا کچھ فیصلہ کیا۔ اور اُدھر مہارانی لکشمی بائی اس طول طویل انتظار سے گھبرا اٹھیں۔ انہوں نے اپنے پوجیہ پتا اور معتمد وفادار راجیہ منتری نرسنگھ راؤ اپاجی کو پھر بلا کر ان پر اپنی اس روز افزوں تشویش کا اظہار کیا۔ اور ان کے صلاح و مشورے سے اپنی پچھلی درخواستوں کی یاددہانی کے طور پر ایک اور مراسلہ لکھوا کر میجر ایلیس کے پاس بھجوا دیا۔ اور یہ تاکید کی کہ وہ فوراً اسے پولیٹیکل ایجنٹ یعنی میجر میلکم ہیلی کے پاس بھجوا کر ان سے مہارانی جی کی طرف سے یہ درخواست کریں۔ کہ اس مراسلے کو فوراً ہی بغیر کسی تاخیر کے لاٹ صاحب بہادر کی خدمت میں روانہ کر دیا جاوے۔

مہارانی جی کے اس مراسلے کو میجر میلکم نے ۲۸ر فروری کو گورنر جنرل کی خدمت میں ایک خاص سوار کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ اور نہ جانے اس مرتبہ ان کے دل میں کیا خوف خدا آیا۔ کہ انہوں نے اس مراسلے کو پیش کرتے ہوئے مہارانی کی درخواست منظور کر لئے جانے کی بھی سفارش کر دی۔ لیکن وہاں تو ایک دن پہلے یعنی ۲۷ر فروری کو ہی لاٹ صاحب بہادر اور ان کے مشیر مہارانی کی قسمت کا وہ منحوس فیصلہ کر چکے تھے۔ جس کا پچھلے باب میں ذکر آ چکا ہے اور جواب ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔ اس لئے اب میجر میلکم ہیلی کی یہ سفارش بالکل ایسی ہی تھی۔ جیسا کہ کسی کھیت کے بالکل ہی سوکھ کر تباہ و برباد ہو جانے کے بعد اس کو پانی دیا جانا۔ بقولیکہ ؎

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

غرضیکہ بھولی مہارانی اپنے اس دلی اضطراب اور روحانی تشویش کے

باوجود مایوس نہ تھیں۔ اور برابر یہ اُمید لگا رہی تھیں۔ کہ دیر سویر ایک نہ ایک دن یہ منظوری آ ہی جائے گی۔ ان بیچاری کے خواب و خیال میں بھی یہ شک پیدا نہ ہؤا تھا۔ کہ سرکار انگریزی کی طرف سے کسی نہ کسی بہانے سے ان کے پرم پوجیہ سورگیہ پتی دیو کی یہ آخری خواہش۔ جو اُنہوں نے اپنے بستر مرگ پر ظاہر کی تھی۔ پوری نہ ہونے دی جائے گی۔ کیونکہ جب تک وہ زندہ تھے۔ تب تک تو برطانوی گورنمنٹ نے جیسا پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے۔ ان کی کسی خواہش کو ٹھکرانا تو درکنار، پورا کرنے میں بھی کبھی کوئی لیت و لعل ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔ اس لئے قدرتاً مہارانی کے تو کیا۔ ان کے وزیروں امیروں اور بھی دوسرے پرانے اہلکاروں میں سے کسی کے دل میں بھی یہ خیال نہیں گذرا۔ کہ سورگیہ مہاراجہ کی یہ سراسر معقول اور حق بجانب خواہش ایسی بے رحمی اور سنگدلی سے ٹھکرا دی جائے گی۔

کیونکہ اس وقت ہمارے بھارت میں ان بھلے لاولد رئیسوں ہی نہیں بلکہ معمولی کھاتے پیتے گرہستیوں کا بھی۔ اپنی نسل چلانے اور بزرگوں کا نام قائم رکھنے کے لئے بچے گود لے لینے کا رواج اتنا عام تھا۔ کہ اس کی ضرورت پیدا ہونے پر کوئی بھی شخص۔ ایسا کرنے میں کچھ پس و پیش نہ کرتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ عام ہندو گرہستیوں کے دلوں میں ہر سال اپنے مرے ہوئے بزرگوں کے شرادھ کرنے اور گیا جی وغیرہ تیرتھوں میں ان کے پنڈ بھرنے کا رواج ایک مذہبی حیثیت حاصل کر چکا تھا۔ اور کوئی معمولی سے معمولی حیثیت کا گرہستی بھی۔ جس کے گھر میں چار برتنوں کے سوا اور کچھ بھی وراثت میں چھوڑنے کے لئے نہیں ہوتا تھا۔ لاولد مر کر پرلوک میں خود بھی شرادھ اور پنڈدان کے پھل سے محروم رہ جانے۔ اور اپنے کئی پشتوں کے

پرتیہ بزرگوں کو بھی محروم کر دینے کے خیال تک سے بھی کانپ اٹھتا تھا۔ اور اسے کبھی ٹھنڈے دل سے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ یہ کسی ہندو گرہستی کے لئے سب سے بڑی بدقسمتی خیال کی جاتی تھی۔

اسی لئے جب بنا کسی بھی معقول یا غیر معقول وجہ کے بغیر انگریزی حکام نے محض اپنی دھینگا دھینگی سے جھانسی راج کے جائز وارثوں یعنی سورگیہ مہاراجہ کے متبنیٰ اور ان کی ہر دلعزیز مہارانی کو۔ جسے جھانسی راجیہ کی تمام پرجا ایک ساکشات دیوی سمجھ کر پوجتی اور اپنی ماں سے بھی بڑھ کر دیالو اور مہربان سمجھتی تھی۔ اس طرح ان کے جائز حق ملکیت و حکومت سے محروم کر دیا۔ تو اس سے مہارانی کے علاوہ ان کی پرجا کے دل کو بھی جو صدمہ پہنچا ہوگا۔ اس کی سختی و کرختی کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔

جب سے شری مہاراج کا سورگباش ہوا تھا۔ اور مہارانی ریاست کے متعلق سب ذمہ واریوں سے یوں ایک طرح سبکدوش کر دی گئی تھیں۔ تب سے انہوں نے اپنے وقت کا ایک بہت بڑا حصہ پوجا پاٹھ اور اپنے دھارمک گرنتھوں کے مطالعہ یا ودوان پنڈتوں اور سادھو مہاتماؤں سے ان کی کتھائیں وردیا کھیانیں سننے میں ہی گذارنا شروع کر دیا تھا۔

ایک روز وہ ابھی اپنے پاٹھ پوجا سے بھی پوری طرح فارغ نہ ہوئی تھیں کہ راج محل کے چوبداروں کے افسر اعلیٰ نے یہ اطلاع دی کہ راج منتری اور میجر ایلیس صاحب مہارانی کے درشنوں کے لئے آ رہے ہیں۔ یہ خبر سن کر مہارانی کے دل میں طرح طرح کی امیدیں اور آرزوئیں پیدا ہونے لگیں۔ انہوں نے اپنے خلقی بھولے پن سے یہ سمجھا کہ میجر صاحب ضرور کوئی خوش خبری لے کر آئے ہیں اور میری وہ آرزو۔ جس کے پورے ہونے کی لگن میں میرا

دل ایک مدّت سے بیتاب ہو رہا تھا۔ اب جلد ہی پوری ہونے والی ہے۔ اس لئے انہوں نے جلدی جلدی اپنے پوجا پاٹ کا باقی پروگرام پورا کیا۔ اور دیوانخانے میں جا پہونچیں جہاں میجر صاحب۔ راج منتری۔ مہارانی کے پتا موروپنت اور چند دوسرے معزز و معتمد اہلکار بیٹھے مہارانی کا انتظار کر رہے تھے۔

مہارانی نے نہایت غور و تجسّس بھری تیز نظروں سے ان سب کے اُداس چہروں پر نگاہ دوڑائی۔ اور کسی کے بھی چہرے پر شگفتگی اور شادمانی کے کوئی حوصلہ افزا آثار نہ دیکھ کر ان کا دل بیٹھ گیا۔ پیر لڑکھڑانے لگے اُداس اور مغموم چہرے پر چند منٹ پہلے چھائی ہوئی سب خوشی و مسرت کافور ہو گئی۔ مگر پھر بھی انہوں نے اپنے زور زور سے دھڑک کر ڈوبتے ہوئے دل کو سنبھالا۔ اور اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے اپنے تخت پر آ بیٹھیں

نیک دل میجر ایلس صاحب نے نہایت ہی ہمدردی بھرے لہجے میں مہارانی کو مخاطب کر کے کہا۔ "مہارانی جی! مجھے اس بات کا نہایت ہی افسوس ہے کہ میں آپ کو وہ خوش خبری نہیں سنا سکتا جس کے سننے کی آرزو ایک مدت سے میرے دل میں پیدا ہو رہی تھی۔ اور جس کی آمد آمد کا اب تک میں انتظار کر رہا تھا۔ بلکہ بالکل خلافِ توقع آج میں آپ کو گورنمنٹ عالیہ کا یہ اعلان سنانے کے لئے مجبور ہوا ہوں۔ جو سرکار انگلشیہ نے آپ کی پرجا کے نام جاری کیا ہے۔ وہ اس طرح ہے:

"ریاست جھانسی کی عام رعایا کو اس حکمنامے کے ذریعے آج سرکار انگریزی یہ اطلاع دیتی ہے کہ جھانسی کے آخری فرمانروا مہاراجہ گنگا دھر راؤ کی ۲۱ نومبر ۱۸۵۳ء کو سورگباش

ہو گیا۔ یہ مہاراج انگریزوں کے قائمقام کے طور پر ریاست جھانسی کی حکومت کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ اور کبھی آزاد و خودمختار حکمراں نہیں تھے۔ ان کے بزرگوں کو پیشوا صاحب کے دربار سے علاقہ جھانسی کی صوبیداری ملی تھی اور وہ پیشوا صاحب کے ماتحت تھے۔ ۱۸۱۷ء میں پیشوا صاحب نے انگریزوں کے ساتھ جو عہدنامہ کیا ہے۔ اس میں انہوں نے علاقہ جھانسی کے سب اختیارات حکومت انگریزوں کے حوالے کر دئے ہیں تب سے سرکار انگریزی ہی حکومت جھانسی کی حقیقی حقدار ہے اور اس وقت سے جو بھی مہاراج جھانسی کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ وہ سبھی انگریز سرکار کے ماتحت اس کے قائمقام کے طور پر ہی بیٹھے ہیں۔ انگریز سرکار نے اپنے عہد حکومت میں اپنے کسی بھی ماتحت راجہ کو کبھی یہ اجازت نہیں دی کہ وہ کسی بچے کو گود لے۔ اور نہ کسی سے کوئی ایسی شرط ہی منظور کی ہے جس سے یہ صاف ثابت ہو سکے کہ اگر کسی ماتحت راجہ کے کوئی اپنا لڑکا نہ ہو اور اس کی بجائے وہ کوئی بچہ گود لے لے تو اسے وہ سبھی حقوق وراثت عطا کر دئے جائیں گے۔ جو اس راجہ کے اپنے راجکمار کو حاصل ہو سکتے تھے۔ اسی لئے چونکہ مہاراجہ گنگادھر راؤ کا کوئی اپنا راجکمار نہیں ہے اور ان کا سورگباش ہو گیا ہے۔ اس لئے گورنر جنرل صاحب ان کے متبنیٰ کو نامنظور فرماتے ہیں۔ اور سرکار برطانیہ کے حکم مورخہ ۷ مارچ ۱۸۵۳ء کے مطابق یہ اعلان کرتے ہیں کہ جھانسی کے تمام علاقے کو بندیل کھنڈ کے

اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ میجر ایلیس کے ماتحت کر دیا گیا ہے۔
اب سے اس تمام علاقے پر انگریزی سرکار کی ہی حکومت سمجھی
جائے گی اور جھانسی راجیہ کی ساری پرجا حکومت برطانیہ کے
ماتحت مانی جائے گی۔ اس لئے جھانسی راجیہ کی پرجا کو یہ نوٹ
کر لینا چاہیئے۔ کہ آئندہ وہ حکومت برطانیہ کے ماتحت ہیں۔
اور انہیں اپنے تمام محصولات حکومت برطانیہ کے مذکورہ بالا
قائمقام میجر ایلیس کو ہی ادا کرنے ہوں گے۔"

گورنر جنرل ہند کے اعلان کے یہ سخت و کرخت الفاظ میجر ایلیس کی ہمدرد زبان سے نکل نکل کر بھی غم نصیب مہارانی لکشمی بائی کے دل و جگر میں کیسے کیسے گہرے زخم بلکہ ناسُور ڈال رہے ہوں گے اور اس وقت ان کے غمزدہ بیکس و بے بس دل کی کیا حالت ہو گی؟ زبانِ قلم میں اتنی طاقت کہاں کہ اس کا کچھ بیان کر سکے؟ ہمدرد طبع ناظرین مہارانی کے رنج و الم کا اندازہ صرف اسی حقیقت سے لگا سکتے ہیں۔ کہ پہلے تو وہ سنگ مرمر کی ایک بے جان مُورتی کی مانند چُپ چاپ بیٹھی اس اعلان کے لفظ لفظ کو پوری پوری خاموشی سے سُنتی رہیں۔ جو اپنے مہلک اثر کے لحاظ سے زہرِ ہلاہل میں بجھے ہوئے تیروں اور گولیوں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ لیکن جب یہ اعلان ختم ہو گیا۔ تو ایک دل دوز و جگر سوز چیخ مار کر بے جان لاشہ کی مانند وہیں تخت پر گر پڑیں۔

وفادار خواصوں اور درباریوں نے مہارانی جی کو ہوش میں لانے کی ہر چند کوشش کی۔ لیکن جب وہ کامیاب نہ ہوئیں تو راج وئید کو بُلایا گیا کوئی گھنٹے بھر میں انہیں کچھ کچھ ہوش آیا۔ تو میجر ایلیس صاحب نے ان

کے اس رنج و الم میں ان سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے۔ انہیں کچھ اطمینان دلانے کیلئے یہ کہا کہ "آپ گھبرائیں نہیں ہماپہ پولٹیکل ایجنٹ صاحب کے حسب الحکم آپ کے باعزت گذارے کا پورا پورا انتظام کر دیا جائیگا

میجر ایلیس کے ان الفاظ کے جواب میں الم زدہ۔ بیکس و بے بس رانی نے ایک جگر سوز آہ بھری۔ اور "میں جھانسی ہرگز نہ دوں گی" کہہ کر پھر بے ہوش ہو گئیں۔

لیکن ایک دُنیا جانتی ہے کہ ان کے ان الفاظ میں کتنا وزن تھا۔ اور ان کے کیا معنی ہو سکتے تھے؟ مگر اس وقت تو ان کے یہ الفاظ ایک دُکھی دل کی درد بھری پکار سے زیادہ کچھ بھی معنی نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے ان کی طرف کسی نے بھی کچھ توجہ نہیں کی۔ سچ ہے۔

کون سنتا ہے فغان درویش

قہر درویش بجان درویش

مگر لارڈ ڈلہوزی کی اس زبردستی اور دھینگا دھینگی سے انگریزوں کی ہندوستانی حکومت پر ایک ایسا کلنک لگ گیا۔ جو کبھی کسی طرح بھی دھوئے نہ دُھل سکا۔ اور آخر غیر جانبدار منصف مزاج مؤرخوں کو تاریخ کے صفحات میں انگریزی حکومت کے خلاف ہی فتوے دینا پڑا۔ جیسا کہ تاریخ غدر ۱۸۵۷ء "ہسٹری آف سپاہی وار" کے مشہور مصنف سٹر کین نے لکھا ہے

سور گیہ مہاراجہ صاحب کی بیوہ رانی جی نے۔ جنہیں پولٹیکل ایجنٹ نے ایک اعلے چال چلن کی ایسی لیڈی (ردلای) لکھا ہے جس کی ریاست جھانسی بھر میں سب عزت کرتے تھے، برطانی حکومت کے اس طریق عمل کے خلاف پروٹسٹ کرتے ہوئے یہ کہا

کہ میرے پتی دیو ہمیشہ ہی برطانوی حکومت کے وفادار اور خیر اندیش رہے ہیں۔ نیز انہوں نے مہاراج کی ان سب خدمات کی طرف برطانوی حکومت کی توجہ دلائی۔ جو انہوں نے زمانہ گذشتہ میں اس حکومت کی سرانجام دی تھیں اور جن کا ہمارے انگریز حکمرانوں نے کھلے دل سے اعتراف بھی کیا تھا۔ ساتھ ہی اس کے انہوں نے صلحنامہ کی ان شرائط کی طرف بھی اشارہ کیا۔ جو اس کی بھولی بھالی سمجھ کے مطابق مہاراج کو اس ملک کے رسم رواج کے مطابق کوئی متبنیٰ کر لینے سے نہیں روکتے تھے۔ اور ایسی نظیریں بھی پیش کیں جن میں دوسری ریاستوں کو یہی حق اور رعایت عطا کی جا چکی تھی۔ جن کے لئے مہارانی جی درخواست کر رہی تھیں۔ مگر ان کی کسی بھی استدعا کا کچھ اثر نہ ہوا اور ہر ایک کوشش فضول و بے اثر ثابت ہوئی۔ کیونکہ انگریز سرکار کا یہ فیصلہ ناقابل تبدیلی تھا جس میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ حکومت برطانیہ اور ریاست جھانسی دونوں کے ہی مفاد کا زبردست مطالبہ یہ ہے۔ کہ ریاست جھانسی کو انگریزی راج میں شامل کر لیا جائے۔ اور اپنے اس فیصلہ کی حمایت میں لارڈ ڈلہوزی نے یہ کہا تھا کہ چونکہ یہ ریاست ہمارے دوسرے انگریزی ضلعوں کے درمیان واقع ہے۔ اس لئے اس پر اپنا قبضہ کر لینے سے ہمیں بندیل کھنڈ میں اپنی مقبوضات کے عام اندرونی انتظامات میں خاطر خواہ ترقی کرنے کی سہولیت رہے گی۔ اور اس الحاق سے جھانسی کی رعایا کو کیا کیا فائدہ پہونچے گا وہ اس تجربے کے نتائج کافی طور پر ثابت

کر دیں گے۔ چنانچہ جھانسی کی رعایا نے اس الحاق کو کس حد تک
پسند کیا؟ یہ اس تجربے کے نتائج نے بعد میں خود بخود ثابت
کر دکھایا اور وہ نتائج یہ تھے کہ انہوں نے موقعہ ملتے ہی حکومت
انگریزی کے خلاف غدر مچا دیا۔"

مسٹر ہیل نامی ایک اور انگریز مؤرخ اور مصنف نے اپنی ایک تصنیف میں لکھا کہ "جھانسی کا چھوٹا سا راج نہایت نمایاں طور پر گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ اپنی جان نثارانہ الفت کا اظہار کر کے مخلصانہ خدمات سرانجام دیتا رہا تھا۔ اسے اس طرح جائز وارث نہ ہونے کے بہانے سے ضم کر جانا۔ ایک ایسا طریق عمل تھا جو تمام دیسی والیان ریاست اور ان کے امیروں وزیروں کی نظروں میں نہ صرف حد درجہ قابل نفرت اور دل دکھانے والا ہی تھا بلکہ ان کی سمجھ بوجھ سے بھی بالکل باہر تھا۔ اور وہ اسے بدنیتی کے سوا کچھ اور نہ فرض کر سکتے تھے۔"

اگرچہ لارڈ ڈلہوزی نے اپنے فیصلے اور اپنے اعلان میں یہ دعوے کیا تھا کہ ریاست جھانسی کو انگریزی حکومت میں شامل کرتے ہوئے صرف انگریزی حکومت کا ہی نہیں بلکہ جھانسی کی پرجا کا بھی مفاد مدنظر رکھا گیا ہے۔ مگر ان کے اس دعوے کی قلعی مسٹر جان سیل ون نامی ایک منصف مزاج انگریز مؤرخ اور مصنف نے اس طرح کھولی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"کسی بھی ریاست کے خاتمے پر انگریز افسر اس کے راجہ کی جگہ لے لیتے تھے۔ اور کمشنر نیز اس کے ۳۔۴ مشیروں کے نام سے کئی درجن انگریز ان شریف دیسی اہلکاروں کو برطرف کر دیتے تھے۔ اور ہمارے چند ایک سو سپاہی ان ہزاروں جانبازوں کی جگہ جا گھیرتے تھے۔ جن کی ہر ایک دیسی حکمران پرورش

کیا کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ کسی چھوٹے سے دربار کی ہستی غائب ہونے ہی اس علاقے کی سب تجارت ماری جاتی تھی۔ اور سرمایہ آہستہ آہستہ ختم ہو کر رعایا کنگال ہوتی جاتی تھی۔ اس کے برعکس انگریز پھلتا پھولتا جاتا تھا اور ایک اسفنج کی مانند گنگا کے کناروں کی دولت چوس چوس کر اسے ٹیمز کے کناروں پر نچوڑتا جاتا تھا۔"

اگرچہ جھانسی کی ریاست اس دھینگا دھینگی سے انگریزی حکومت میں ملائی گئی تھی اور میجر اسکین کو اس کا انتظام کرنے کے لئے کمشنر کے طور پر مقرر کر دیا گیا تھا۔ مگر مہارانی لکشمی بائی کو انگریزوں کے عدل و انصاف اور اپنے دعوے کی صداقت پر اتنا بھروسہ تھا۔ کہ انہیں یہ یقین تھا کہ انگریز میرے ساتھ ضرور انصاف کریں گے اور میرے پتی دیو کی وفادارانہ خدمات کو ہرگز نظر انداز نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ اسی خیال کے زیر اثر انہوں نے بابو اُمیش چندر بنرجی نامی ایک بنگالی وکیل اور ایک یورپین کو ساٹھ ہزار روپیہ دے کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرز کے سامنے اپنی اپیل دائر کرنے کے لئے لندن بھیج دیا۔ مگر وہ دونوں روپیہ لے کر کہیں ایسے غائب ہوئے کہ ان کا کچھ بھی پتہ نہ چلا اور کسی کو بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اُنہوں نے کیا کیا؟ کیونکہ ۳ اگست ۱۸۵۴ء کو لندن کے اُن دیوتاؤں نے بھی ریاست جھانسی کو انگریزی حکومت میں ملا لینے کے فیصلے پر اپنی منظوری کی مہر لگا دی اور اس کا اعلان کر دیا۔

(۱۴) ستی کا تپ تیج

متذکرہ بالا واقعہ کے چند ہی روز بعد بندیل کھنڈ کے پولٹیکل ایجنٹ میجر ہیلی نے مہارانی جی کے پاس یہ اطلاع بھیجی کہ آپ کے گذارہ کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز کا فیصلہ کر کے لاٹ صاحب کی منظوری کے لئے کلکتہ بھیج دی گئی ہیں۔ امید ہے کہ آپ کو ان کے ماننے میں کچھ انکار نہ ہوگا

۱۔ جب تک مہارانی جی زندہ رہیں۔ تب تک ان کے گذارے کے لئے جھانسی راج کے خزانے سے یا جہاں سے بھی وہ لینا منظور کریں، انہیں پانچ ہزار روپیہ ماہوار بطور پنشن دیا جائے۔

۲۔ جھانسی کے راج محل پر مہارانی جی کا پورا پورا قبضہ رہے اور انہیں وہاں رہنے کی اجازت دی جائے۔

۳۔ جب تک مہارانی جی زندہ رہیں تب تک ان کے یہاں کے ملازموں کے معاملات میں برطانی عدالت کو کوئی بھی مداخلت نہ ہو۔

(۴) سورگیہ مہاراجہ گنگا دھر راؤ کی نجی ملکیت میں سے۔ ریاست کے لین دین کا حساب وضع کرنے کے بعد جو کچھ بھی باقی رہے نیز ریاست کے سب زیورات و جواہرات مہارانی جی کو دے دئے جائیں۔

(۵) مہارانی جی کے سب رشتہ داروں کی ایک فہرست تیار کر کے ان کے گذارے کے لئے بھی ماہواری تنخواہوں کا انتظام کر دیا جائے۔

ان سب تجویزوں کو سن کر مہارانی جی۔ کمال بیکسی وبے بسی سے زہر خندہ کرتے ہوئے نہایت ہی بے رُخی سے خاموش رہیں۔

عجب انداز ہے صاحب الٰہٰ کے جور بیجا کا!
کہ ہر جور و جفا کے بعد لی جاتی ہے نمطوی!

مگر سنگدل اور جفا پسند لارڈ ڈلہوزی نے میجر میلی کی ان معمولی سی تجویزوں کو بھی تمام و کمال منظور کر لینے کی بجائے۔ یہ جواب دیا۔ کہ " اگرچہ قانوناً مہاراج گنگا دھر راؤ کا متبنےٰ پسر ان کے راج پاٹ کا جائز حقدار نہیں ہو سکتا۔ لیکن پھر بھی ان کی نجی ملکیت اور ریاست کے سب زیورات و جواہرات کا حقدار وہی ہے۔ اس لئے یہ جائیداد مہارانی لکشمی بائی کو دینا کبھی قرین انصاف نہ ہوگا۔

اس سے یہ حقیقت صاف ظاہر ہے کہ لاٹ صاحب اور ان مشیروں و ماتحتوں کا حقیقی منشا مائم زدہ اور سوگوار مہارانی کا سب راج پاٹ ہڑپ کر جانے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اپنی اس رس بھری جوانی یعنی ۱۸-۱۹ سال کی عمر میں ہی جب کہ ابھی بقول شاعر ان کی
جوانی کی راتیں مُرادوں کے دن
ہی تھے۔ اس طرح اپنے اکلوتے پلوٹھی کے بچے اور سرتاج مہاراجہ گنگا دھر راؤ جی کی دائمی جدائی کے جانکاہ غم و الم میں ایسی مبتلا تھیں۔ کہ اس وقت اپنی زنانہ خصلت کے ماتحت آنسو بہانے یا چھاتی پیٹنے یا اپنی آئندہ بیکسی و بے بسی کا خیال کر کر کے اپنی اس حد درجہ مجبوری پر سر دھننے کے سوا اور کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ ورنہ ویسے ان کے متبنےٰ کی اس تبنیت کو ہر پہلو سے ہر طرح روا و بجا مانتے ہیں تو لارڈ ڈلہوزی اور ان کے حاشیہ نشین اور جی حضوری مشیروں کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔ کیونکہ اگر سچ مچ انہیں اس بارے میں کوئی اعتراض ہوتا۔ تو اب وہ ہرگز یہ نہ لکھتے کہ مہاراج گنگا دھر راؤ

جی کی" نجی ملکیت اور ریاست کے سب زیورات کی حقدار' مہارانی لکشمی بائی نہیں بلکہ ان کا وہی متبنیٰ وارث ہے جس معصوم کو انہوں نے اپنی ہوا و ہوس کا بے طرح شکار بنا کر اس کے تمام حقوق ملکیت و حکمرانی سے خود ہی چند ماہ پہلے اس طرح محروم و معذور کر دیا تھا۔ اور اب بھی وہ اپنی اس سراسر بے جا اور ناروا دھینگا دھینگی اور زبردستی پر شرما کر اپنے اس ظلم و تشدد کی پوری پوری تلافی کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں تھے۔

چنانچہ کلکتہ کے اس حکم کا یہ اثر ہوا کہ میجر میلکم ہیلی نے جھانسی راجیہ کے خزانے سے چھ لاکھ روپیہ نکال کر انہیں راجہ دامودر راؤ کے نام سے انگریزی خزانے میں داخل کرا دیا اور مہارانی جی کو یہ اطلاع دے دی کہ" یہ رقم راجہ دامودر راؤ کو ان کے بالغ ہو جانے پر مع سود ادا کر دی جائے گی۔ آئندہ قلعہ میں آپ کا کوئی عمل دخل نہ ہوگا اور صرف راج محل ہی آپکی ملکیت مانا جائے گا"۔

اس طرح انگریزی حکومت نے بغیر کسی جنگ و جدل کے ہی۔ محض اپنی چالبازی اور دھینگا دھینگی سے — نہ صرف جھانسی کے سنگین قلعے پر ہی۔ اس کے اصلی مالکوں کی پشت ہا پشت سے جمع کردہ دولت و ثروت سمیت قبضہ کر لیا بلکہ اس وسیع ریاست کے تمام علاقے پر بھی اپنا عمل دخل جما کر۔ اس کے حقیقی اور جائز وارثوں کو بالکل بے دخل کر دیا۔

جانباز اور ریاستی فوج کے سب جوانوں اور افسروں میں چھ۔ چھ مہینے کی تنخواہ پیشگی تقسیم کر کے انہیں برطرف کر دیا گیا۔ اپنی اس بلا وجہ موقوفی اور علیحدگی سے ان کے دل کو جو صدمہ پہنچا وہ ناقابل بیان ہے۔ کیونکہ ان میں سے تقریباً ہر ایک نوجوان کے دل میں اپنی مہارانی جی کی بیحد عزت

تھی۔ اور ان کی اس تازہ مصیبت میں سبھی کو ان کے ساتھ ایسی سچی دلی ہمدردی تھی کہ وہ حسبِ ایک اشارے پر ان کے پسینے کی جگہ اپنا لہو بہانے کے لئے تیار تھے

لیکن الم زدہ مہارانی اس وقت اپنے اس رنج و الم کے کوہ گراں کے بوجھ سے دبی ہوئی کچھ ایسی بے سدھ ہو رہی تھیں۔

کے سوا انہیں کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا۔ کیونکہ اپنے پتی دیو اور پلو ٹھی کے بچے کی دائمی مفارقت سے دنیا بھر میں ان کے لئے اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا تھا۔ اور انہیں کہیں بھی روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہ دیتی تھی۔ نیز تیاگ ویراگ کے پاکیزہ خیالات نے ان کے دل پر کچھ ایسا تسلط جما لیا تھا کہ انہیں خود ہی سب راجائی شان و شوکت اور جاہ و حشم۔ ایک ناقابل برداشت بوجھ معلوم ہونے لگا تھا۔

اگر مہاراج گنگا دھر راؤ کے معصوم متبنیٰ دامودر راؤ کے لئے ایک زبردست مادرانہ محبت اور اس کے ذریعے اپنے پتی دیو کی نسل قائم رکھنے نیز انہیں اور ان کے بوجھ پتروں کی سورگباشی پتیہ آتماؤں کو سُکھ اور شانتی پہنچانے کا نیک و پاک خیال ان کے دل میں جاگزیں نہ ہوتا۔ تو شاید وہ بھی مہاراج کے ساتھ ہی چتا روہن کر کے اپنا ستی دھرم پالن کر گئی ہوتیں۔ یا سب راج پاٹ خود ہی چھوڑ چھاڑ کر سنیاسنی ہو جاتیں۔

چنانچہ اب بھی ان کی روزانہ زندگی کا پروگرام کسی بھی کرم ویر دھرم پرائن سنیاسنی کے پروگرام سے بہت زیادہ مختلف نہ تھا۔ یعنی اب انھوں نے اپنی ساری توجہ جپ تپ۔ پوجا پاٹھ۔ ایشور بھگتی اور اوپاسنا میں لگا دی۔ وہ ہر روز بہت سویرے منہ اندھیرے برہم مہورت میں

ہی اُٹھ کر سنان آدی ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد اپنی پوجا سادھنا میں بیٹھ جاتیں اور قریباً آٹھ بجے تک اس میں ہی مصروف رہتیں۔ اس کے بعد اپنے محل کے وسیع احاطے میں ہی کچھ دیر تک گھوڑا دوڑا کر کچھ ورزش کرتیں۔ اور گیارہ بجے اسنان کرتے تلسی پوجن میں مصروف ہو جاتیں۔ جو ستی دیویوں کے لئے ایک خاص پوجا سمجھی جاتی ہے۔ پھر ہر روز مستحق ضرورت مندوں کو کچھ ان اور دھن دان کرتیں اور بارہ بجے کے قریب۔ کچھ نہایت ہی سادہ ستوگنی بھوجن کرکے۔ کچھ دیر کے لئے یوگیوں کی مانند بائیں کروٹ لیٹ کر آرام کرتیں۔ پھر قریباً تین بجے سے ہی اشٹ گندھ کے خاص کاغذ پر لال چندن سے 'رام نام' لکھ کر۔ اور خود بھی رام نام کا جاپ کرتی ہوئی آٹے میں لپیٹ کر ان کی گیارہ سو گولیاں بناتیں اور پہلے دن کی سوکھی ہوئی گولیوں کو اپنے آپ ہی رام نام کا جاپ کرتے ہوئے ان مچھلیوں کو کھلا دیا کرتی تھیں۔ جو انہوں نے اس مقصد کے لئے محل کے ایک تالاب میں چھڑوا دی تھیں۔

اس کے بعد شام کو گیتا۔ مہابھارت۔ رامائن۔ منوسمرتی وغیرہ پوتر دھرم گرنتھوں کی کتھا کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ جو رات کے آٹھ بجے تک جاری رہتا تھا۔ پھر کوئی دس بجے کے قریب کچھ ہلکا سا آہار کرکے آرام کرتیں۔

قدرتاً ان کے اس تمام جپ تپ اور سادھنا میں معصوم بالک دامودر راؤ بھی اکثر ان کے ساتھ شریک رہا کرتا تھا۔ اور نامعلوم طور پر اس کے سنسکار بھی ویسے ہی پوتر ہوتے جا رہے تھے۔ کیونکہ جیسی محبت و اُلفت مہارانی جی کو اس کے ساتھ تھی۔ ویسی ہی اسے بھی آہستہ آہستہ مہارانی کے ساتھ ہوتی جا رہی تھی۔ اور دھیرے دھیرے دونوں کے دلوں میں ایک

دوسرے کے لئے گہرا پریم اور ہمدردی بڑھتی جاتی تھی۔ اور دونوں آپس میں ہر طرح سے ہمدرد اور درد شریک بنتے جا رہے تھے۔

راج محل کی تمام دیکھ بھال اور اس کی تمام ضروریات پورا کرنے کا زبردست ذمہ داری سے بھرا ہوا تمام کام۔ مہارانی جی کے پوجیہ پتا۔ موروپنت تانبے جی ہی سرانجام دیا کرتے تھے۔ اور وہی سب ملازموں نیز کارکنوں کے فرائض کی نگرانی کیا کرتے تھے اور ان سے سب مناسب اور ضروری کام لیا کرتے تھے۔

غرضیکہ اسی طرح بڑے صبر و استقلال۔ تحمل و برداشت کے ساتھ پرم تپسونی مہارانی لکشمی بائی گیان دھیان۔ ویراگیہ اور تیاگ کے ساتھ اپنا دکھ بھرا جیون گذارتی ہوئی۔ آہستہ آہستہ اس اسار سنسار کے مایا موہ جال جنجال سے چھٹکارا پا رہی تھیں، اور اپنی مانسک نیز آدھیاتمک طاقتوں کو بڑھاتی جا رہی تھیں اور پورن برہمچریہ کا تپ و تیج اپنے شریر اور آتما میں پیدا کرتی ہوئی نامعلوم طور پر اپنی زندگی کے اس پروگرام کو سرانجام دینے کے لئے پوری پوری تیاریاں کر رہی تھیں۔ جو سرؔوگیہ اور ترکال درشی بھگوان نے اپنی اننت شکتی سے ان کے لئے مقرر کر دیا تھا۔

مگر پھر بھی اس پرم شانت اور گمبھیر جیون میں کبھی کبھی ان کی بیکسیٔ بیچارگی کا احساس انہیں بہت بے چین کر دیا کرتا تھا۔ لیکن وہ جلدی ہی سنبھل کر اپنا وہی طریق عمل اختیار کر کے۔ پھر ویسا ہی دلی اطمینان اور شانتی حاصل کر لیا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایسا ہی ایک موقع اس وقت ان کے سامنے آیا۔ جبکہ ان کے بھتیجے مہاراج کمار کی عمر سات سال کے قریب ہو جانے پر ان کے شانت من میں اس بالک کا پوری شاستروکت ودھی اور راجسی شان

کے ساتھ اس کا یگیو پویت کرنے کی زبردست خواہش پیدا ہوئی۔ اور ان کے اتھاہ سمندر کی مانند شانت اور گمبھیر من میں اپنی طوفانی لہریں اٹھا اٹھا کر انہیں اشانت اور بے چین کرنے لگیں

آخر انہوں نے اپنے پوجیہ پتاجی کو بلا کر ان سے کہا کہ " پتاجی! آپ کے دامودر کو اب ساتواں سال لگ گیا ہے۔ اس لئے دنش پرمپرا کے انوسار اب اس کا یگیو پویت جلد ہی ہو جانا چاہیئے۔"

بھولے مورو پنت جی نے بڑے آنند اور اتساہ بھرے لہجہ میں جواب دیا " پھر اس میں سوچ وچار ہی کیا ہے بیٹی ؛ جب بھی تم کہو پروہت جی کو بلا کر شاستروکت ودھان کے انوسار کرا دیا جائے۔"

مہارانی :۔ (فکر آمیز لہجے میں) " لیکن اس کا خرچ کہاں سے آئے گا پتاجی!"

موروپنت۔ (حیرت سے) خرچ ہی کیا ہو گا؟ جو تم اتنی چنتا کرتی ہو؛ پانچ سو نہ سہی ہزار سہی! .....

ابھی موروپنت جی کچھ اور کہا ہی چاہتے تھے کہ مہارانی چونک کر بڑے پُر اضطراب لہجے میں بولیں" ایں! پتاجی! یہ کیا کہا؟ سورگیہ سونام دھنیہ مہاراج جھانسی نریش کے مہاراجکمار کا یگیو پویت سنسکار اور صرف ہزار پانچ سو روپیہ میں ؛ آپ کے ان پرمیہ (راجسی شان سے گرے ہوئے) شبدوں سے سورگ میں ان کی پونیہ آتما کو کیسا آگھات (صدمہ) پہونچا ہو گا۔ یدی آج وہ جیونت ہوتے۔ تو کیا آپ کبھی یہ وچار اپنے دھیان میں لا سکتے تھے؛

موروپنت :۔ (بہت ہی دکھ بھری آواز میں) بیٹی! اب کی تو بات ہی

کیا ہے۔ تب تو اپنا ہی ادھیکار ہوتا۔ جو بھی کرنے تھوڑا تھا!"
مہارانی (پُر زور لہجے میں) اب بھی بھگوان کی کرپا سے سب کچھ ہے۔
راج محل ہے۔ راج بھنڈار ہے۔ نوکر چاکر، داس داسی، ہاتھی گھوڑے سبھی کچھ ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر میری پیاری پرجا ابھی تک موجود ہے!
کیا نہیں؟ سبھی کچھ ہے! پھر بھی آپ کیوں دکھی ہوتے ہیں اور ایسے کمزوری کبھرے وچار اپنے من میں کیوں لاتے ہیں؟"
مورو پینت "پرنتو بیٹی! یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی راج کوش پر تو اپنا کچھ ادھیکار نہیں!"
مہارانی۔ (بڑے حوصلے سے) نہیں۔ تو نہ سہی! جن کا ادھیکار ہے۔ کیا وہ ایسے ادچت تھا نیائے سنگت (جائز) اور پرم اوشیک شبھ کاریہ کے لئے بھی مجھے کوئی موزوں و مناسب رقم دینے سے انکار کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں؟"
مورو پینت:۔ دوسروں کے من کی بات میں کیا کہہ سکتا ہوں بیٹی!
بظاہر تو ایسا ہی جان پڑتا ہے۔ کہ وہ ہمارا یہ مطالبہ منظور نہ کریں گے"
مہارانی "یہ وچار بھی ہماری اپنی آتمک دُربلتا کا ہی پھل ہے۔ جس نے ہمیں اتنا کمزور کر دیا ہے۔ کہ ہم اتیا چاریوں سے اپنے نیائے سنگت ادھیکار مانگنے تک کا بھی ساہس نہیں کر سکتے! کرپا کر کے منتری جی کو بلائیے! میں ابھی کمشنر صاحب کو ایک پتر لکھوا کر ان سے اس شبھ کاریہ کے لئے ایک لاکھ روپیہ مانگتی ہوں! دیکھوں وہ کیسے انکار کرتے ہیں؟
مہارانی کی یہ پُر حوصلہ باتیں سُن کر اور ان کا یہ تپ تیج دیکھ کر مورو پینت بھی حیران رہ گئے۔ کیونکہ یہ بات تو کبھی ان کے خواب و خیال میں بھی

نہ آئی تھی اور وہ چپ چاپ منتری جی کو بلانے چلے گئے۔

جب منتری جی تشریف لائے تو مہارانی جی نے انہیں سب کچھ مفصل طور پر سمجھا کر آخر میں یہ کہا کہ "جب ہمارا چھ لاکھ روپیہ اتنی مدت سے دامودر راؤ کے نام انگریزی خزانے میں جمع ہے تو ہم اسی میں سے ایک لاکھ روپیہ لے کر کیوں نہ ان کا یگیوپویت سنسکار ایسی شان کے ساتھ کر ڈالیں جو ہمارے راج ونش کی مان مریادا کے عین مطابق ہو۔"

منتری جی نے صورت حالات پر پورا پورا غور کرنے کے بعد مناسب سنجیدگی کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے مودبانہ عرض کیا "مہارانی جی! بات تو آپ نے ٹھیک ہی سوچی ہے۔ مگر کوئی اسے چلنے بھی دے۔ تب نہ! ہمیں تو کمشنر صاحب آپ کی یہ مانگ پوری کرتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے۔ اور اب ہم میں یہ شکتی کہاں؟ جو ہم اپنی کوئی بات ان سے جبراً منوالیں!"

منتری جی کا یہ جواب سن کر مہارانی جی پھر جوش بھرے لہجے میں بولیں "ہم کمشنر کو کبھی یہ اجازت نہیں دے سکتے۔ کہ وہ ایسے ضروری اور دھارمک کام کے لئے بھی۔ ہمارے ہی روپیہ میں سے ہمیں کچھ نہ دے! وہ روپیہ ہمارا ہے۔ ہمارے بچے کی بہتری اور بہبودی کے لئے جمع ہے! کیا اس پرم پوتر دھارمک سنسکار سے بڑھ کر بھی کوئی اور کام اس کے کلیان کے لئے ہو سکتا ہے؟ ہم اپنے کسی بھوگ ولاس کے لئے تو ان سے یہ روپیہ نہیں مانگتے۔ جو وہ دینے سے انکار کر دیں گے! اگر ایسا بھی ہو۔ تو جب انکار کر دیں گے تب دیکھا جائے گا۔ آپ ان سے یہ مطالبہ کرنے سے کیوں گھبراتے ہیں؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی! میں تو یہ مانگ ضرور کروں گی۔ آپ ابھی مراسلہ تحریر کریں۔ پھر اس کا جو جواب آئیگا۔ دیکھا جائیگا!"

یہ کہہ کر مہارانی جی نے کاغذ قلم دوات لانے کا حکم دیا اور سب سامان تحریر آجانے پر مہارانی جی نے درخواست لکھوانی شروع کی جس کا لب لباب یہ تھا:۔

شریمان جی!

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ہمارے راجکمار شری دامودر گنگا دھر راؤ کو اب ساتواں سال لگ گیا ہے۔ اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اپنی دھارمک ونش پرمپرا اور کُل مریادا کے انوسار اسی سال کے اندر اندر ان کا یگیو پویت سنسکار کرا دیا جائے تاکہ وہ جلدی ہی اپنی سب پرکار کی شکشا شروع کر سکیں اور اپنے دھارمک نیز خاندانی فرائض۔ یگیہ وغیرہ میں شاستر مریادا کے مطابق پورا پورا حصہ لے سکیں۔ اس سنسکار کے خرچ کا اندازہ ایک لاکھ روپیہ لگایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ سنسکار ان کے راجیہ ونش کی مناسب شان کے مطابق ہونا نہایت ضروری ہے۔ اور اس میں ہی ان کا ہر طرح کلیان ہے۔

اس لئے آپ انوگرہ کرپا کر کے اس چھ لاکھ میں سے جو راجکمار کے نام سے انگریزی خزانے میں جمع ہے۔ ایک لاکھ روپیہ جلد ہی ہمارے پاس بھجوا دیں۔ تاکہ ہم اس پوتر سنسکار کے متعلق سب ضروری پربندھ ابھی سے کرنے شروع کر دیں۔

اُمید ہے کہ آپ اس شبھ کام میں کوئی غیر ضروری دیر ہرگز نہ ہونے دیں گے۔ اور ہماری یہ پرارتھنا جلد سے

جلد سویکار کر کے ہمیں ممنون فرمائیں گے۔"

آپ کی صادق
لکشمی بائی (مہارانی جھانسی)

کمشنر صاحب کی خدمت میں یہ درخواست بھیج کر مہارانی جی نہایت ہی بے چینی سے اس کے جواب کا انتظار کرنے لگیں۔ چندہی روز میں جواب بھی آگیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ تھا:۔

"چونکہ آپ کے پتی دیو سورگیہ مہاراجہ گنگا دھر راؤ کی تمام ذاتی جائداد پر ان کے متبنٰی دامودر گنگادھر راؤ کا ہی حق ہے اور ان کے نابالغ ہونے کے باعث ان کی سب جائداد بالغ ہو جانے کی میعاد تک کے لئے انگریزی حکومت کی نگرانی میں ہے۔ اس لئے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں۔ اس رقم میں سے ایک پائی بھی انہیں یا ان کے کسی رشتہ دار کو نہیں دی جاسکتی۔

انگریز سرکار کے خزانے میں ان کے ۶ لاکھ روپے جو جمع ہیں وہ ان کے بالغ ہو جانے پر ہی انہیں معہ سود مل سکیں گے۔ اس لئے اس وقت ایسا کوئی انتظام نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ آپ چاہتی ہیں۔"

کوئی اور ہوتا۔ تو کمشنر صاحب سے یہ جواب صاف پاکر ضرور مایوس ہو جاتا اور ہمت ہار کر چپ چاپ بیٹھ جاتا۔ لیکن مہارانی لکشمی بائی جی ہمت ہارنا اور مایوس ہونا تو جانتی ہی نہ تھیں۔ انہوں نے یہ جواب سن کر فوراً اپنے پتا جی اور منتری جی سے یہ کہا کہ" اگرچہ کمشنر صاحب کا جواب بے شک

بہت مایوس کُن ہے۔ لیکن میں آسانی سے ان کا یہ فیصلہ ہرگز نہ مانوں گی ؟"
موروپنت جی نے کچھ حیرت زدہ سنجیدہ سی صورت بنا کر کہا۔" نہیں مانو گی تو اور کیا کر دگی ؟ بیٹی! ہم تو یہ جانیں کہ آخر ایک نہ ایک دن ماننا ہی پڑیگا! اس لئے یہی اچھا ہے کہ زیادہ کھٹے میٹھے دانت نہ کرکے ابھی مان لیں ے

جو کچھ بھی سر پڑے خوشی سے سہیئے!
پر بھو اچھا ہی جان مگن ہو رہیئے!

منتری جی نے بھی مورو پنت کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔" اس کے سوا ہم بیچارے کر بھی کیا سکتے ہیں ؟ زبردست مارے اور رونے نہ دے! پھر فضول راڑ بڑھانے میں بھی تو مجھے کوئی لابھ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ بھی ابھیمانی انگریزوں سے! جو اپنے سوا اور کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہیں اور جو شبد بھی ایک بار ان کی زبان سے نکل جاتا ہے اسے ہی پتھر کی لکیر مان کر پھر آسانی اس سے ٹلنا جانتے ہی نہیں ہیں!"
مہارانی جی نے اپنے پوجیہ پتا اور جہاندیدہ منتری کے یہ الفاظ سُن کر مُسکراتے ہوئے کہا۔" تو ہم بھی ان کا یہی گُن کیوں نہ دھارن کر لیں؟ آپ مرد ہو کر بھی کیسی بے ہمتی کی سی باتیں کرتے ہیں کیا آپ یہ بھول گئے

جہاں ساہس[1] تہاں مان ہے جہاں ساہس[2] ن پران
ستی ساہس اس جگت میں پائے سدا اپمان
ساہسی[3] نر سنسار میں کہتے سنگھ[4] سمان

۱۔ ہمت ۲۔ بے ہمت ۳۔ باہمت جوان ۴۔ شیر کی مانند

بزساہسی[۵] در در پھِلیں جیوں شوکر جیوں سوان[۶]
ساہس سے ہی جگت میں سبھی بنیں سرتاج[۷]
بن ساہس کے کسی کو۔ مانگے ملے نہ ٹھور[۸]
ساہس بنے نہ سور ہا۔ جو چاہے کلیان
بن ساہس کے نر ہے جگ میں پشو سمان[۹]
بِن ساہس نر کا برتھا[۹] جیون جگ میں جان
نارائن ساہس بنا ملے کہیں نہ مان!

ہم بھی انگریزوں سے ان کا یہ گُن لے کر اس کی ہمیشہ پیروی کر سکتے ہیں؟ پھر ہم ان سے ایک مرتبہ جو مانگ کر چکے ہیں اس سے ہم کیوں پھریں؟ اسے پوری کرانے کے لئے ہی بار بار کوشش کیوں نہ کریں؟ میں یہ مانتی ہوں کہ ہمارے بس میں کچھ نہیں! اگر انہوں نے ہماری نہ مانی۔ تو آخر ہمیں ہی ان کی بات مان کر چُپ رہ جانا پڑے گا۔ لیکن پھر بھی کوشش کرنے میں کیا ہرج ہے؟ کسی بدھی مان نے کہا ہے کہ

"نامردی تو خُدا نے دی ہی ہے پھر بھی" مار مار" تو کرتے ہی رہنا چاہیئے"

منتری جی! جو ہونا تھا وہ تو ہو لیا۔ اور جو ہونا ہے وہ ضرور ہو گا۔ پھر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کیوں بیٹھے رہیں؟ یتھا شکتی کوشش تو ضرور کرتے رہنا چاہیئے۔ اسی لئے میں کمشنر صاحب سے یہ صاف جواب پا کر بھی چپ چاپ

---

۵ بُزدل اور بے ہمت در بدر سوروں اور کتوں کی مانند پٹتے جاتے ہیں۔
۶ سرتاج ۷ جگہ۔ پناہ ۔ ۸۔ بے ہمتے دُنیا میں جانوروں کی مانند زندگی بسر کرتے اور بے عزتی سہتے ہیں ۔ ۹۔ دُنیا میں زندگی فضول سمجھو۔

بیٹھنا پسند نہیں کرتی۔ آپ ایک خط کمشنر صاحب کو اور لکھیں۔ پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ؎

اب کیا رہا ہے جس پہ رقیبوں کا ڈر کریں
ہم تو بروں کی جان کو پہلے ہی رو چکے

بس پھر کیا تھا؟ فوراً ہی کاغذ قلم دوات منگوا کر مہارانی جی نے کمشنر صاحب کے نام مندرجہ ذیل خط تحریر کرا دیا۔

مسٹر میلکم جی!

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اور مجھے یہ جان کر بہت اطمینان ہوا کہ راجہ دامودر راؤ جی کا جو چھ لاکھ روپیہ انگریز سرکار کے پاس جمع ہے۔ وہ ان کے بالغ ہو جانے پر انہیں معہ سود مل جائے گا۔ لیکن پھر بھی میں آپ کا یہ فیصلہ ٹھیک نہیں سمجھتی کہ راجہ دامودر راؤ کی کسی بھی بہتری اور کلیان کے لئے" اس رقم میں سے ایک پائی بھی انہیں یا ان کے کسی سرپرست کو نہیں دی جا سکتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ" انہیں یا ان کے کسی رشتہ دار کو کوئی بھی رقم کسی ایسے کام کے لئے ہرگز نہ دی جائے جو راجہ دامودر راؤ کے لئے مفید نہ ہو۔ یا جس میں اس رقم کے فضول ضائع ہو جانے کا کھٹکا ہو۔ مگر ساتھ ہی اس کے آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم ہندوؤں اور خصوصاً برہمنوں اور کشتریوں میں یگیوپویت سنسکار (جنیؤ کی رسم) اتنا پوتر اور ایسا مہان ہے کہ اس کے بغیر کسی بالک کی صحیح معنوں میں کوئی تعلیم ہی شروع ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی اسے اپنے یا اپنے پوجیہ پتروں کے اس لوک یا پرلوک کے کلیان کے لئے کوئی یگیہ

شرادھ وغیرہ کرنے کا ادھیکار ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

ان خاص حالات میں آپ کا یہ پہلا فرض ہے۔ کہ آپ راجہ دامودر راؤ کے اپنے اور ان کے پوجیہ پتروں کے آئندہ کلیان کو پیش نظر رکھ کر۔ ان کے بقیہ پویت سنسکار کے لئے۔ ہمیں لازمی طور پر ایک ایسی معقول رقم گورنمنٹ سے دلائیں۔ جس سے ان کے راجسی خاندان کی شان کے مطابق ان کا یہ پوتر سنسکار۔ مناسب دھوم دھام سے کیا جا سکے — میری رائے میں یہ رقم ایک لاکھ روپیہ سے کسی صورت میں بھی کم نہ ہونی چاہیئے۔

اگر آپ کی گورنمنٹ کو یہ منظور نہ ہو تو کم از کم راجہ دامودر راؤ کی جمع شدہ رقم میں سے تو ہمیں یہ رقم فوراً مل جانی چاہیئے۔ تاکہ اس سے ہم اپنے اس نہایت ضروری فرض سے جلد ہی سبکدوش ہو سکیں۔

اگر آپ نے میری اس درخواست کو منظور کرنے میں کسی بھی طرح۔ کوئی پس و پیش یا نامناسب دیر کی۔ تو مجھے ہر طرح یہ حق حاصل ہوگا۔ کہ میں سورگیہ مہاراجہ گنگا دھر راؤ جی کی طرف سے راجہ دامودر راؤ کی ایک باقاعدہ مقرر کی ہوئی سنرکشکا کی حیثیت سے۔ راجہ دامودر راؤ کے اس پوتر سنسکار کے لئے۔ یہ رقم جس طرح اور جہاں سے بھی مناسب سمجھوں۔ حاصل کر لوں۔ اس کے سب بڑے بھلے نتائج کی ذمہ واری تمام و کمال آپ کے اور آپکی انگریزی سرکار کے ذمہ ہوگی۔ کیونکہ مجھے یہ پورن وشواس ہے کہ میری ایک آواز پر میری پران پیاری پرجا۔ ایک لاکھ تو کیا کئی لاکھ روپیہ

اپنے سورگباشی مہاراج کے راجکمار کے یگیو پویت سنسکار کے لئے
بطور قرضہ ہی نہیں۔ بلکہ بطور نذرانہ۔ دلی خوشی اور شادمانی کے
ساتھ پیش کر سکتی ہے۔

لیکن میں ایسی کوئی کارروائی کر کے آپ کو یا آپ کی انگریزی سرکار
کو کسی ایسی حالت میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ جو آپ کے یا سرکار انگریزی
کے ساتھ میرے تعلقات کو۔ جو پہلے ہی کچھ بہت زیادہ خوشگوار نہیں
اور بھی خراب یا نازک بنادے۔

اس لئے مجھے یقین ہے کہ آپ کمال دانائی اور دوراندیشی سے
میری اس درخواست کو ضرور منظور کر کے مجھے ممنون ہونے کا موقع
دیں گے۔ اور مجھے اس بات کیلئے ہرگز مجبور نہ کریں گے کہ میں اپنی دلی
منشا کے خلاف اپنی اور اپنے سورگیہ پتی دیو کی پران پریہ پرجا پر
ظاہر کردوں کہ مجھے اس شبھ کاریہ کے لئے اس وقت روپے کی سخت
ضرورت ہے۔ جسے کہ سرکار انگریزی پورا کرنے کو تیار نہیں۔

جواب کی منتظر
لکشمی بائی (مہارانی)

مہارانی جی کی اس پُرزور اور مدلل درخواست کا کمشنر صاحب پر
ایسا اثر پڑا کہ اُنہوں نے مہارانی جی کو اس کا یہی جواب دیا کہ "اگر آپ راجہ
دامودر راؤ کے یگیو پویت سنسکار کے لئے ایک لاکھ روپیہ لینا اشد ضروری
سمجھتی ہیں تو آپ شہر کے چار معزز اور ذی ثروت اصحاب کی ضمانت پر سرکار
انگریزی سے یہ رقم بطور قرض لے سکتی ہیں۔"
مہارانی جی نے اسے ہی غنیمت سمجھا۔ ضمانت کا انتظام تو ان کے لئے

کچھ مشکل تھا ہی نہیں۔ فوراً ہی کئی راج بھگت سیٹھ اس کے لئے تیار ہو گئے اور مہارانی جی نے سرکار انگریزی سے یہ رقم قرض لے کر اپنے پران پیارے راجکمار کا یگیو پویت سنسکار مناسب دھوم دھام کے ساتھ کیا۔ اور خوب جی بھر کر دان دکشنا تقسیم کر کے اپنے دل کے سب ارمان نکالے۔

---

(۱۵)

غدر ۱۸۵۷ء

تاریخ ہند کے سبھی مؤرخوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ لارڈ ڈلہوزی اور ان کے خداوندان نعمت یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریزی سوداگروں کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کی حریصانہ پالیسی ہی غدر ۱۸۵۷ء یا بہ الفاظ ہندی محبان وطن۔ ہندوستان کے "پہلی جنگ کی آزادی" کی سب سے بڑی وجہ تھی یعنی لارڈ ڈلہوزی۔ ان کے مشیروں اور ماتحتوں نے ستارا۔ ناگپور۔ تنجور، جھانسی اودھ وغیرہ ہندوستانی ریاستوں کو انگریزی عملداری میں شامل کر کے ہندوستان کے تمام والیان ریاست کے دلوں میں جو خوفناک بے چینی پیدا کر دی تھی اسی نے آخر اس خونین غدر کی صورت اختیار کر لی۔

صرف یہی نہیں بلکہ ہندو دھرم شاستر نے ہر چھوٹے بڑے ہندو گرہستی کو۔ اپنی آیندہ نسل جاری رکھنے اور لاولد ہو جانے کے مہا کلنک سے بچنے کے لئے۔ کسی بچے کو گود لے کر اسے اپنا جائز وارث قرار دینے کا جو حق زمانہ قدیم سے عطا کر رکھا تھا۔ اس سے بھی ہندو راجاؤں اور مہاراجاؤں

کو محروم کر کے ان کے دھارمک جذبات کو سخت ٹھیس پہنچائی گئی تھی۔

چنانچہ اسی سلسلے میں برطانوی ہند اور لارڈ ڈلہوزی کا دورِ حکومت" نامی تاریخی کتاب کے مصنف کو ان دجوہات پر بحث کرتے ہوئے یہ لکھنا پڑا ہے کہ "اس غدر کی پہلی اور سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ ستارہ۔ ناگپور اور جھانسی کی ریاستوں کا جو حشر ہوا۔ اس کی بدولت گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے نہ صرف ہندوستان بھر کے والیان ریاست کے دلوں میں یہ خطرہ پیدا کر کے انہیں سخت خوف زدہ کر دیا۔ کہ حکومت انگریزی تمام ملک میں ایک ایسی مرکزی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے۔ جس کے سامنے کوئی بھی والئی ریاست کبھی سر نہ اُٹھا سکیگا صرف یہی نہیں بلکہ ساتھ ہی اس کے لارڈ ڈلہوزی نے ہندو دھرم شاستر کے اعلیٰ ترین اور سہل ترین قانونی احکام متعلقہ تبنیت کی جڑوں پر بھی کلہاڑا چلا کر اور انہیں بیکار بنا کر ہندوستانیوں کو انگریزی سرکار سے سخت برگشتہ کر دیا تھا"

"دوسری وجہ اس عام بے چینی کی یہ ہوئی کہ انگریزوں نے پیشواجی راؤ دوئم سے جو عہد نامہ کیا تھا۔ اس کے مطابق باجی راؤ پیشوا کے دیہانت کے بعد ان کے متبنیٰ ناناصاحب کو بھی۔ جو اپنی ابتدائی عمر میں مہارانی لکشمی کے ساتھ کھیلتے کودتے اور پرورش و تعلیم پاتے رہے تھے۔ آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ کی پنشن ملتی رہنی چاہیئے تھی۔ مگر انگریزی حکومت نے اپنے اس عہد نامے اور اس کی شرائط کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ اور ان کی یہ پنشن بند کر دی گئی۔"

جب ناناصاحب نے اس کے خلاف اپیل کی تو اس کے جواب میں لارڈ ڈلہوزی نے اپنی رپورٹ میں یہ لکھا۔ کہ "پیشوا باجی راؤ کو ۳۵ سال

تک ۸ لاکھ روپیہ سالانہ پنشن ملتی رہی ہے۔ اور اس عرصے میں وہ ۲ کروڑ پونڈ سے زیادہ وصول کر چکے ہیں جس میں سے انہیں بہت زیادہ خرچ کرنا بھی نہیں پڑا۔ ان کے کوئی لڑکا بھی نہیں ہوا اور انہوں نے ۲۸ لاکھ روپیہ کی جائداد اپنے پریوار کے لئے چھوڑی ہے۔ اس لئے جو لوگ ان کے پریوار سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا اب سرکار کے رحم یا خیرات پر کسی قسم کا بھی کوئی حق نہیں۔ کیونکہ جو بھی جائیداد انہیں ورثے میں ملی ہے اس کی آمدنی ہی ان کی ضروریات سے بہت زیادہ ہے۔ اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ آمدنی ان کے لئے کافی نہیں۔ تو بھی پیشوا کا یہ فرض تھا کہ وہ اس کا اپنی جائداد میں سے ہی مناسب انتظام کر جاتے۔ علاوہ اس کے یہ بھی ممکن ہے کہ پیشوا کی جائداد جتنی ظاہر کی گئی ہے۔ اس سے بھی بہت زیادہ ہو۔"

لارڈ ڈلہوزی کے اس فیصلے کے خلاف نانا صاحب کے بار بار اپیل کرنے پر بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرز نے ان کی ایک نہ سنی۔ جس سے نانا صاحب کے دل میں انگریزوں کے خلاف جوشِ انتقام بھڑک اٹھا۔ اور متذکرہ بالا کتاب "لارڈ ڈلہوزی کا دورِ حکومت" کے مصنف کے الفاظ میں "۱۸۵۷ء کے واقعات کانپور نے زبانِ حال سے ایک عالم پر یہ روشن کر دیا کہ ایک ہندو راجکمار کے دل و دماغ میں لارڈ ڈلہوزی کے ان کارناموں کا کیا اثر پڑا ہے؟"

پیشوا باجی راؤ سے انگریزوں کا یہ عہدنامہ ۱۸۰۲ء میں ہوا تھا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے "ایشیا میں برطانی سامراجیہ" (امپائر ان ایشیا) کا مصنف لکھتا ہے کہ "اگرچہ اس عہدنامے میں یہ تحریر تھا کہ یہ عہدنامہ اس

وقت تک قائم رہے گا۔ جب تک زمین پر سورج اور چاند قائم ہیں۔ لیکن کون جانتا تھا کہ وہ دن بھی اتنی جلدی ہی آنے والا ہے۔ جبکہ ان دوامی عہد و پیمان کا بھی مذاق اُڑایا جائے گا۔ اور یہ مرجھائے ہوئے پھولوں کی مانند ہی بیکار و ناکارہ ہو کر رہ جائے گا۔ حالانکہ وہ عہد نامہ اوّل سے آخر تک۔ خود گورنر جنرل صاحب کے اپنے دستِ مبارک سے لکھا ہوا اب تک موجود ہے۔ اور اگرچہ پیشوا۔ اور ریاست ستارہ دونوں کا اب خاتمہ ہو گیا ہے۔ مگر پھر بھی ان کی اس وراثت کے ان الفاظ کا تو کبھی خاتمہ نہ ہوگا۔ اور یہ ہمیشہ قائم رہیں گے "

لارڈ ڈلہوزی کی ان بدعہدیوں اور کالی کرتوتوں کے باعث بھارت میں انگریزی حکومت کے خلاف جو ناراضگی و نفرت کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے "میموریلز" (اپیلیں) نامی کتاب کے حقیقت پسند انگریز مصنّف نے لکھا ہے کہ "ہماری حکومت کے خلاف عام بے اطمینانی پیدا ہو جانے کا سب سے بڑا باعث یہ تھا۔ کہ چند ایک ریاستوں کا خاتمہ کر کے ہم نے ان کے بارے میں جو طریق عمل اختیار کیا تھا۔ اس سے والیانِ ریاست اور ہندوستانی سربراہوں کے دل بالکل ٹوٹ گئے۔ اس کے علاوہ مال گذاری سے مستثنیٰ اراضیوں کے سلسلے میں پشت در پشت کے لئے جو وراثت نامے تھے۔ ان پر سرکاری قبضہ ہو گیا ہے یا ان کا حق ملکیت صرف موجودہ مالکوں کے زمانہ زندگی تک ہی محدود رہ گیا۔ جس کے بعد ان کے وارثوں کے سب حقوق تلف ہو گئے۔ جس بھی زمینداری کا لگان بقایا میں پڑ گیا یا جس بھی زمیندار کے خلاف کوئی ڈگری ہو گئی وہی اپنی زمینداری سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا گیا اور آیندہ بھی کسی کو کوئی ایسی جائداد عطا

نہ ہوئی۔ حکومت کی شاندار سے شاندار خدمات ادا کرنے کے باوجود کسی کو بھی کوئی جاگیر یا کوئی اور اعزاز دیا گیا۔ حکومت کے غیر مصالحت پسندانہ رویے سے متاثر ہو کر ہمارے انگریز اور دیسی افسر اور ملازم ہندوستانی والیان ریاست یا سماج کے سربرآوردہ اصحاب اور دوسرے لوگوں کے نجی اور ذاتی معاملات میں خفیہ مداخلت اور ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔ ان تمام وجوہات نے سارے ملک میں ہمارے خلاف ایک زبردست اور عام بے اطمینانی پیدا کر دی۔ جو دنوں دن بڑھتی گئی ۔۔۔'

غرضیکہ ان اور ایسے ہی بہت سے دوسرے بے لاگ انگریز مؤرخوں اور مصنفوں کی غیر جانبدارانہ کتابوں کے حوالے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان میں غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے چند پرانے نیک دل انگریزوں کی عاقبت اندیشی، مصالحت پسندی، منصف مزاجی اور خدا ترسی وغیرہ وغیرہ نیک صفات کے باعث عام ہندوستانی پرجا اور خصوصاً ہندوستانی سماج کے سرداروں اور والیان ریاست کے دلوں میں انگریزوں اور انگریزی حکومت کے لئے جو اعتماد و اعتبار پیدا ہو چکا تھا۔ وہ زمانہ مابعد کے اعلےٰ انگریز افسروں اور ان کے ماتحت ملازموں کی خود غرضی، سنگدلی، خام خیالی اور ہوا و حرص بھری کرتوتوں کی بدولت آہستہ آہستہ بالکل زائل ہوتا چلا گیا۔ اور لارڈ ڈلہوزی کی حریصانہ سیاست نے تو آخر میں اسے بالکل ہی اٹھا کر رکھ دیا۔

اس کے بعد بھی اگرچہ نیک دل لارڈ کیننگ نے اپنے عہد حکومت میں لارڈ ڈلہوزی کی اس غلط اور تباہ کن پالیسی میں خاطر خواہ تبدیلی کرانے کی ہر چند کوشش بھی کی۔ مگر لندن میں بیٹھے ہوئے ایسٹ انڈیا

کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز کی حرص و طمع نے انہیں۔ ان کے ان نیک مقاصد میں کبھی پوری طرح کامیاب نہ ہونے دیا

اس پر بھی طرفہ یہ کہ نہ جانے اپنی کن سنہری اور روپہری مصلحتوں کے ماتحت۔ انگریزی فوج کے اعلےٰ افسروں نے اپنے ان ہندوستانی ہندو۔ مسلم سپاہیوں کی اس روایتی وفاداری اور جاں نثاری کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ جنہوں نے بروقت ضرورت ان فرض شناس اور قربانی پسند سپاہیوں سے اس خود غرضی بھری دُنیا کے سامنے ایسے ایسے غیر معمولی نظارے پیش کر دکھائے تھے کہ اُنہوں نے بعض فوجی محاصروں کے زمانے میں۔ دقّت رسد کے باعث پیدا ہوئی تنگی محسوس کر کے خود چاولوں کی پیچ پر گزارہ کیا اور لذیذ خشک (اُبلے ہوئے چاول) اپنے ساتھی گورے سپاہیوں اور گورے افسروں کی نذر کر کے ایک دُنیا کو دنگ کر دیا تھا۔ محض اس لئے کہ انہیں پشت ہا پشت سے انسانی ہمدردی۔ مہمان نوازی اور ایثار نفسی کی پاکیزہ تعلیم ملتی چلی آ رہی تھی۔ جو آج ہر طرح مفقود ہے۔

ان وفادار اور جاں نثار ہندو مسلمان سپاہیوں کو ان کے گورہ افسران اعلیٰ کی کوتہ اندیشیوں اور تنگ خیالیوں نے اس بات پر مجبور کرنا شروع کر دیا کہ وہ بھی نئے تقسیم شدہ کارتوسوں کو اپنے ساتھی گورے سپاہیوں کی مانند دانتوں سے دبا کر اپنی بندوقوں میں لگائیں۔ اس سے انگریزوں کے رقیبوں اور مخالفوں کو جنہیں فرانسیسیوں۔ پرتگیزوں۔ ڈچوں وغیرہ یورپین لوگوں کی بھی کچھ کمی نہ تھی۔ اور جو ہندوستان بھر میں تقریباً ہر جگہ ہی کم و بیش پھیل رہے تھے۔ انگریزوں کے خلاف ہر طرح کی بے اعتمادی اور بے اعتباری پھیلانے کا موقعہ مل گیا۔

کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے ہی ظاہر کر چکے ہیں اس عام بے اطمینانی اور بداعتمادی کے زمانے میں مذہبی طور پر راسخ العقیدہ ہندو مسلمان سپاہی کھانے پینے کے بارے میں حرام و حلال، پوتر اور اپوتر، جائز و ناجائز وغیرہ امتیازات کے حد درجہ پابند تھے۔ اس لئے ان کے دکھی دلوں پر انگریزوں کے مخالفوں کی پھیلائی ہوئی ہر ایک افواہ کا جادو بڑی آسانی سے چل گیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی حکومت اور انگریزوں کے خلاف۔ ان کے نسلی و مذہبی روز افزوں امتیازات اور دوسری بے شمار وجوہات سے۔ جن میں سے چند ایک کا اوپر ذکر کر دیا گیا ہے، ہندوستانی سپاہیوں اور عوام کے دکھے ہوئے دلوں میں۔ دشمنی اور عداوت کی وہ آگ جو سالہا سال سے ایک دبی ہوئی چنگاری کی مانند۔ اندر ہی اندر آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی ایک دم بھڑک کر شعلہ زن ہو گئی۔ اور سب سے پہلے اس کا اظہار قدامت پرست بنگال کے اندر بارام پور کی فوجی چھاؤنی میں ہوا۔ جہاں کہ سولھویں ہندوستانی پلٹن نے اپنے انگریزی افسروں کے خلاف بلوہ کر دیا پھر اس بلوے کی آگ کو مآل اندیشی و مصلحت کوشی کے پانی سے بجھانے کی بجائے۔ اسے جبر و تشدد سے دبانے کی جو غیر دانشمندانہ کوشش کی گئی۔ اس نے اس آگ کو اور بھی بھڑکانے کے لئے مٹی کے تیل کا کام کیا۔ اور اس طرح یہ آگ آہستہ آہستہ تمام شمالی ہند میں دور و نزدیک پھیل گئی

چنانچہ ۲۵ اپریل ۱۸۵۷ء کو میرٹھ چھاونی میں تیسرے دیسی رسالے نے حکومت کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔ بس پھر کیا تھا؟ آس پاس کی تمام دوسری ہندوستانی فوجیں بھی یکے بعد دیگرے اس کے ساتھ

شامل ہوگئیں۔ اور ان سب نے مل کر مئی کے مہینے میں دور ونزدیک فتنہ وفساد کی وہ آگ مشتعل کی۔ جس کے شعلے سارے شمالی ہند کی فضا میں زمین سے آسمان تک پھیل گئے اور ہر طرف کہرام مچ گیا۔ بریلی مُراد آباد۔ شاہجہانپور، لکھنؤ وغیرہ بہت سے شہر ان کی لپیٹ میں آگئے۔

آخر کار بلوائیوں نے دہلی پر قبضہ کر کے خاندان مغلیہ کے آخری (اور برائے نام) شہنشاہ بہادر شاہ کو بھی اپنے قبضے میں کر کے۔ انہیں اپنے ساتھ مل جانے کے لئے مجبور کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ پیچھے یہ بغاوت کی آگ بجھ جانے کے بعد انگریزوں نے انہیں قید کر کے رنگون جلاوطن کر دیا۔ جہاں انہیں کمال کس مپرسی۔ خستہ حالی اور پریشانی کی حالت میں ہی اس دارفانی سے کوچ کر کے عالم جاودانی کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ اور جہاں آج سے چند سال پہلے تک ان کا ٹوٹا پھوٹا مقبرہ ہندوستان کے مغل شہنشاہوں۔ اکبر اعظم۔ جہانگیر۔ اورنگ زیب کے جانشینوں کے پُر حسرت انجام پر۔ خون کے آنسو بہا کر۔ سب مغرور و خود پرست تاجداروں کو زبانِ حال سے پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے۔

عجب نادان ہیں وہ ہے جن کو عجب تاجِ سلطانی
فلک بال ہما کو دم میں بخشے ہے مگس رانی
کہاں گئے وہ مؤرخ مسند منی۔ راج تاج کے ابھمانی؟
نہیں جنہوں نے گنی کال وکرال۔ بلی کی پہچانی
جس نے چوڑن و چوڑن کیا۔ ابھمان کبھی بلوانوں کا

یا دوسرے الفاظ میں

---

۱ پہلے وقت۔ بد شغل۔ ۲ ادمر خوفناک اور طاقت ور زمانے کی چال۔ ۳ جس نے سبھی طاقت وروں کا غرور ذرّہ ذرّہ کر دیا۔

حال بے حال کیا جس نے سمراٹوں[5] کی سنتانوں کا!
جو ہیں شیش[6] نرپتی۔ وُہی ان کی دُرگتی سے شکشا لیں
متھیا[7] کُل ابھیمان تیاگ کر۔ دیش بھکتی کی دیکشا لیں
جاتی سیوا کا برت دھارن کر۔ جاتی کے پوجیہ بنیں،
جنم بھومی کے بن سپوت۔ ماتا کے دُکھ سنتاپ[8] ہریں
سنا اُن، وہ جگ میں یوں ہی۔ امر کیرتی[9] یش پائینگے
مرنے پر بھی امر رہیں گے۔ دیش میں پوجے جائیں گے

کہا جاتا ہے کہ ویر شرومنی نیتاجی سوبھاش چندر بوس کی محب وطن آزاد ہند حکومت نے برما میں اپنی چند روزہ حکمرانی کے ایام میں ہی اس مقبرے کی خاطر خواہ مرمت کرا دی تھی۔ اور آپ کا یہ بھی ارادہ تھا کہ بہتر صورت حالات پیدا ہو جانے پر۔ شاہان مغلیہ کے آخری تاجدار کی بوسیدہ ہڈیوں کو پھر دہلی لا کر دہلی کے لال قلعہ میں جگہ دی جائے۔ اور وہاں انکی کوئی ایسی یادگار قائم کی جائے۔ جو ان کی شاہانہ شان کے شایاں سمجھی جا سکے۔ لیکن نہ جانے وہ سنہری دن آزاد ہندوستان کے اُفق پر کب جلوہ فگن ہوگا؟ اس وقت تو پاکستان نا پاکستان کے افسوسناک اور شرمناک جھگڑے ہی بدنصیب ہندوستانیوں کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اور روز افزوں خطرناک صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں پرم پتا پرمیشور پرماتما ہمارے ہم وطنوں کو جلد ہی سوبدھی پردان کریں

۵۔ شہنشاہوں کی اولادوں۔ ۶۔ جو والیان ریاست باقی ہیں وہی ان کی بدحالی سے سبق سیکھیں۔ ۷۔ جھوٹا خاندانی غرور چھوڑ کر دیش بھکتی کا طریق اختیار کریں۔ ۸۔ اذیتیں۔ ۹۔ لازوال شہرت و نیکنامی۔ امر لافانی۔

کہ وہ ودلیشی حکومت کے پھیلائے ہوئے غلامی کے اس مایا (طلسمی) جال سے جلد ہی آزادی پا کر بدقسمت بھارت میں ہر طرف چھائی ہوئی غلامی کی موجودہ تاریکی کو پھر ایک روشن ترین مستقبل کی پُرنور صبح میں بدل دیں اور اسے اس قابل بنا دیں کہ وہ اپنے سنہری اور شاندار ماضی کی جگمگاتی ہوئی یادگاروں کو ایک مرتبہ پھر۔ آزاد اور اکھنڈ ہندوستان کی حیثیت سے دُنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔

غرضیکہ غدر کی یہ سب خبریں آہستہ آہستہ جھانسی بھی پہنچ گئیں۔ اس زمانے میں یہاں ایک بڑے توپخانے۔ بنگال نیٹو انفنٹری کی بارھویں پلٹن اور ایرنگیولر کیولری کے چودھویں رسالے کی چھاؤنی قائم ہو چکی تھی کپتان ڈنلپ اس تمام فوج فرار کے افسر اعلےٰ تھے۔ انہیں اس بات کا پُورا پُورا اطمینان تھا کہ ان کی ماتحت فوجیں پورے طور پر مطمئن اور وفادار ہیں اور وہ کبھی باغیوں میں شامل نہ ہوں گی

نہ جانے اس زمانہ کے انگریز افسروں کے دلوں سے یہ صداقت کس طرح بالکل ہی دُور ہو گئی تھی۔ کہ ہر ایک معمولی سے معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا۔ انسان تو کیا۔ جانور بھی حصول آزادی کے لئے ایک غیر معمولی تڑپ اپنے سینہ میں رکھتا ہے۔ اور دوسروں کی غلامی و ماتحتی کے جوئے سے جلد از جلد چھٹکارا پانے کے لئے وہ ہمیشہ ہی بے قرار رہتا ہے۔ خواہ وہ جوآ جو اس کی گردن پر دھرا ہے کتنا ہی ہلکا کیوں نہ ہو؟ اور اس غلامی میں اسے کھانے پینے اور اپنی دوسری ضروریات پوری کرنے کے سلسلہ میں۔ چاہے کیسی بھی سہولتیں اور آسانیاں کیوں نہ مُہیا ہوں۔ وہ ان سے کبھی بھی اس حد تک مطمئن نہیں ہو سکتا۔ کہ جب کبھی اسے اس کی موجودہ غلامی

کی لعنت سے چھٹکارا کا کوئی موقعہ ملتا ہوا دکھائی دے۔ تو اس سے ہر طرح مکمل فائدہ اٹھانے کے لئے اس کے دل میں کوئی تڑپ ہی پیدا نہ ہو تبھی تو امر کوی گوسائیں تلسی داس جی نے یہ کہا ہے کہ ؎

پرادھین سپنے سکھ ناہیں*

اگرچہ مئی مہینے کے شروع سے ہی صوبجات متحدہ کی مختلف فوجی چھاؤنیوں میں۔ جو اس وقت کے حالات کے مطابق صوبجات شمالی و مغربی کہلایا کرتے تھے۔ بغاوت کے خوفناک اور تباہ کن شعلے بھڑک اٹھنے کی خبریں برابر جھانسی پہنچ رہی تھیں۔ لیکن ۱۵ رمئی تک وہاں ایسا امن وامان تھا۔ کہ اس کی بنا پر (اس زمانے کے) کمشنر جھانسی مسٹر سکین نے اس دن گورنر جنرل کو جو رپورٹ بھیجی اس میں یہ لکھا کہ "جھانسی کی فوجیں ہر طرح مطمئن۔ امن پسند اور ہماری پوری پوری وفادار ہیں۔ انہیں میرٹھ۔ دہلی اور دوسرے مقامات کے باغیوں اور ان کی کالی کرتوتوں سے دلی نفرت ہے۔ مجھے یہاں کسی طرح سے بھی کوئی بدامنی رونما ہونے کا ذرہ بھر بھی خطرہ نہیں۔۔۔۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ بندیل کھنڈ کی چھوٹی چھوٹی ماتحت ریاستوں کی طرف سے بھی کسی خطرے کو دل میں جگہ دینا بیہودہ ہے۔ کیونکہ اس وقت بندیل کھنڈ کی تینوں سربرآوردہ ریاستوں یعنی اورچھا۔ چھتر پور اور چرکھاری کے راجہ سب کے سب نابالغ ہیں۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ اس علاقے میں کبھی کوئی فتنہ سر نہ اٹھا سکے گا۔ اسلئے ہم یہاں ہر طرح محفوظ ہیں۔"

صرف یہی نہیں۔ بلکہ اپنی ۱۰ رمئی کی رپورٹ تک میں مسٹر سکین نے یہی لکھا کہ "جھانسی میں اب بھی ہر طرح امن وامان ہے۔ اور سب فوجیں پوری پوری وفادار ہیں۔"

---

* ایک غلام کو خواب میں بھی آرام نصیب نہیں ہو سکتا۔

اپنی ۱۸ر جون کی رپورٹ میں بھی اُنھوں نے یہی خبر دی مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی لکھ دیا کہ "پچھلے سوموار کو چند ایک ٹھاکروں نے یہاں کے کورنج گاؤں پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن ہم نے یہ اطلاع ملتے ہی کپتان ڈنلپ کو خبر بھیج دی۔ اور اُنھوں نے فوراً ہی کچھ فوج وہاں بھیج دی۔ جسے دیکھتے ہی سب مفسد ٹھاکروں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔"

کمشنر صاحب نے اپنی اس رپورٹ کے حاشیے میں یہ بھی لکھا کہ "مجھے اس امر کا پُورا پورا یقین ہے کہ سارے صوبجات شمالی و مغربی (متحدہ) میں بغاوت کے جو شعلے بھڑک رہے ہیں۔ ہمارا علاقہ جھانسی ان سے سب طرح محفوظ ہے یہاں کے لوگ سرکار کے خلاف کبھی سر نہیں اُٹھائیں گے۔"

بعض مؤرخوں کا یہ خیال ہے کہ اس وقت بھی جب کہ ملک میں انگریزوں کے خلاف دُور و نزدیک بغاوت کے یہ زبردست شعلے اُٹھ اُٹھ کر آسمان تک پہنچ رہے تھے۔ علاقہ جھانسی میں اس بے مثال امن و امان کا باعث سوائے اس کے اور کچھ بھی نہ تھا کہ تیاگ اور ویراگ کی زندہ مُورتی سادھو سبھاؤ مہارانی لکشمی بائی نے اپنے سر پر آئی ہوئی ان تمام مصیبتوں کو بھی جو لارڈ ڈلہوزی اور ان کے مصاحبوں اور مشیروں کی طرف سے ان پر نازل کی گئی تھیں ایک مصیبت زدہ لیکن سچی دھرم پرائن ودھوا دیوی کے سمان پربھو اِچھا ہی سمجھ کر پورے دلی اطمینان اور سکون کے ساتھ برداشت کیا تھا۔ اور اپنے دھرم کرم کا آسرا لے کر اپنے من میں کبھی کوئی بے اطمینانی پیدا نہ ہونے دی تھی۔ بلکہ جب کبھی بھی کوئی موقعہ ملا۔ تو یہی کہا کہ مجھے انگریز جاتی کی انصاف پسندی سے یہ پورا پورا بھروسہ ہے کہ وہ آخر ایک نہ ایک دن میرے ساتھ ضرور انصاف کرے گی۔"

یہی وجہ تھی کہ جھانسی راج کی بھگت پرجا بھی اپنی ہردلعزیز مہارانی کی اس سنہری مثال سے متاثر ہوکر ایسی پُرامن رہی کہ کمشنر صاحب بھی وہاں اپنی حکومت کو ہر طرح محفوظ سمجھنے لگے۔ اور دانشمند فلسفیوں کی اس صداقت بھری تعلیم کو تقریباً بالکل ہی بھول گئے۔ ؎

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو از جو

جیسی کرنی ویسی بھرنی شک ہو گر تو کرکے دیکھ!!
سورگ بھی ہے یہاں نرک بھی ہے یہاں شک ہو گر تو مر کے دیکھ
گیہوں سے گیہوں ہی اُپجے ہے جو سے جو اور تل سے تل!
چنا چنے سے سدا اُپجتا۔ شک ہو گر تو بو کے دیکھ!
کرنی سے اپنی او مورکھ! کبھی نہ بے خبر رہنا تو!
کرنی تری ہی نت پھل دے گی۔ ہو سندیہ بھگت کے دیکھ!
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یہاں دن کو دے اور رات کو لے!
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے!
میوہ کھلا میوہ ملے۔ پھل پھول دے پھل پات لے!

یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ماہ مئی میں ہندوستان کے ایک بڑے حصے میں غدر اور بغاوت کے شعلے بلند ہوکر آزادی کا جنگ خوب زور و شور سے جاری تھا۔ مگر پھر بھی جھانسی کے علاقے پر اس کا کوئی نمایاں اثر نظر نہ آیا مگر آخر تابکے؟

ایک خربوزے سے دوسرا خربوزہ رنگ پکڑتا ہے

اسی مشہور ضرب المثل کے مصداق یکم جون کو یکایک ہی جھانسی میں مقیم

ساتویں پیدل پلٹن کے ایک بدول افسر سردار گورنجش سنگھ نے اپنے بہت سے ساتھیوں سمیت "اسٹار فورٹ" نامی مقام میں داخل ہوکر وہاں کے سارے میگزین (گولہ بارود اور ہتھیار وغیرہ) پر قبضہ جما لیا۔ اور اس طرح جھانسی میں بھی انگریز حکومت کے خلاف یک بہ یک بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔

یہ خبر سنتے ہی کپتان ڈنلپ صاحب نے اپنی باقی فوج سے "اسٹار فورٹ" پر حملہ کرکے باغیوں کو نیچا دکھانا چاہا۔ مگر میگزین اور جنگ و جدل کا سب ضروری سامان تو اسٹار فورٹ کے ساتھ ہی ساتھ باغیوں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ بغیر اس کے وہ کر ہی کیا سکتے تھے؟ اس لئے مجبوراً من مار کر بیٹھ گئے۔ اور اپنی اس غفلت۔ بیکسی اور بے لبسی پر دیر تک پچتاتے ہوئے سب دوسرے انگریز افسروں اور ان کے بیوی بچوں سمیت جھانسی کی چھاؤنی سے نکل کر مسٹر سکینن کمشنر جھانسی کے مشورے سے قلعہ جھانسی میں جا پناہ گزیں ہوئے جو ابھی تک انگریزوں کے قبضے ہی میں تھا۔ اور چھاؤنی کے دوسرے حصوں کی نسبت بہت زیادہ محفوظ سمجھا گیا تھا۔

اس کے بعد کچھ اطمینان حاصل ہونے کے بعد کپتان ڈنلپ نے نوگاؤں چھاؤنی میں اس واقعہ کی اطلاع بھیجنے اور وہاں سے اپنی امداد کے لئے فوج طلب کرنے کی غرض سے ایک خط تحریر کیا۔ جو آج بھی غدر جھانسی کے بارے میں ایک واحد تحریری شہادت خیال کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے سوا" کاغذات غدر ۱۸۵۷ء میں اور کوئی بھی تحریری رپورٹ ایسی نہیں پائی جاتی جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ جھانسی میں بھی غدر ہوا تھا۔ اس لئے اس بارے میں جو بھی کتابیں یا کاغذات ہیں وہ سب یا تو ان انگریزوں کے تحریر کردہ ہیں۔ جو اس طوفان محشر میں کہیں نہ کہیں کسی طرح پھنس گئے تھے۔ یا ان لوگوں

کے۔ جنہوں نے ان سے یا کسی اور سے اس بارے میں کچھ باتیں کہیں سن سنائی ہیں۔ یا ان کی تحریرات کو ہی کہیں پڑھ کر۔ ان کی بنا پر کچھ خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ اس لئے ان پر کہاں تک اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ یہ حقیقت صاف ظاہر ہے۔

(۱۶)

جھانسی کا محاصرہ اور انگریزوں کا قتل عام

اگلے دن یعنی ۵ جون ۱۸۵۷ء کو سکین صاحب کمشنر جھانسی اور ان کے ڈپٹی کمشنر کپتان گورڈن نے علے الصباح کپتان ڈنلپ سے آکر ملاقات کی۔ دیر تک ان تینوں میں صلاح مشورے ہوتے رہے۔ اس کے بعد وہ دونو تو قلعے میں چلے گئے۔ اور کپتان ڈنلپ کہیں کچھ گولہ بارود تلاش کرنے۔ نیز رات کی تیار کردہ رپورٹ کو گاؤں چھاؤنی بھیجنے کے لئے ڈاک خانے جا پہنچے۔ وہاں مسٹر ایلر بھی انہیں مل گئے۔ اور وہ دونو چھاؤنی وہ اپنی بگڑی ہوئی پلٹنوں کا کچھ حال چال معلوم کرنے کے لئے پریڈ میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر وہاں پہونچتے ہی۔ بدقسمتی سے وہ دونوں باغی سپاہیوں کے ایک جتھے میں جا پھنسے۔ جس نے وہیں ان کا کام تمام کرکے اپنی خون کی پیاس بجھائی۔

اس وقت جو یوروپین اور یوریشین افسر اور ان کے متعلقین اپنی اپنی جانیں بچانے کے لئے قلعے میں پناہ گزیں تھے۔ ان کی کل تعداد ۵۴ یا

اس کے کچھ قریب کی جاتی ہے۔ وہاں سکین صاحب نے کہیں سے کچھ گولہ بارود کا انتظام کر کے مجموعی طور پر سبکو اپنی حفاظت کے لئے کافی طور پر مسلح کر دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے قلعے پر حملہ کرنے والے باغیوں کا آئندہ خوب ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور قلعے کے سب دروازے خوب مضبوطی کے ساتھ بند کر کے۔ اپنی مختصر سی تعداد میں سے ہی ان کے چوکی پہرے کا بھی مناسب انتظام کر لیا۔

لیکن پھر بھی باغی سپاہیوں کی ایک تعداد کثیر کے مقابلے میں یہ گنے چنے پناہ گزیں۔ دیر تک کیسے کامیاب ہو سکیں گے؟ یہ سوچ کر انہوں نے بالآخر انہیں مہارانی لکشمی بائی سے۔ اس بارے میں کچھ امداد طلب کرنے کا فیصلہ کیا۔ جن کی پشتینی وراثت اور ریاست پر ان کی انگریز سرکار نے ایسی دھینگا دھینگی سے قبضہ کر لیا تھا۔

چنانچہ اس مقصد کی سرانجام دہی کے لئے انہوں نے مسٹر سکاٹ اور مسٹر پرسل نامی دو انگریزوں کو اپنا قاصد بنا کر مہارانی جی کے پاس بھیجا مگر بد قسمتی سے وہ بھی باغیوں کے ہتھے چڑھ کر رستے میں ہی کام آئے۔

کمشنر سکین صاحب نے بھی ناگود۔ گوالیار اور کئی دوسرے مقامات پر مدد کے لئے چٹھیاں بھیجی تھیں۔ مگر یہ مدد پہونچنے سے پہلے ہی باغی فوجوں نے قلعے پر ایک زبردست حملہ کر دیا۔ اس لئے پناہ گزیں انگریزوں کو اپنی حفاظت کے لئے جی توڑ کر ان کا مقابلہ کرنا پڑا۔ دونو طرف سے دنادن گولیاں چلنے اور گولے تیر وغیرہ برسنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقعہ پر انگریز عورتوں نے بھی اپنے مردوں کی خوب مدد کی۔ وہ ہر مورچہ پر ان کے پہلو بہ پہلو ڈٹی ہوئی انہیں بندوقیں بھر بھر کر دیتی رہیں۔ اور جو کام بھی

ان سے ہو سکتا تھا۔ سبھی کرتی رہیں۔ جس کی وجہ سے باغیوں کو اپنی تعداد کثیر کے باوجود قلعے پر قبضہ کرنا محال ہو گیا اور وہ قلعے میں گھسنے کے لئے کوئی پوشیدہ رستہ تلاش کرنے پر مجبور ہو گئے۔

باغیوں کی خوش قسمتی اور پناہ گزین انگریزوں کی بدقسمتی سے عین اسی وقت جبکہ باغیوں کو قلعے میں داخل ہونے کے لئے کوئی دوسرا رستہ ڈھونڈنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جھانسی علاقے کے اسسٹنٹ سرویئر مسٹر پاوس کچھ وفادار فوجی سپاہیوں سمیت۔ قلعے کے قریب آ پہونچے۔ اور انگریز پناہ گزینوں نے انہیں قابل اعتماد سمجھ کر ایک خاص پوشیدہ رستے سے قلعے میں داخل کر لیا۔ مگر بعد میں ان سپاہیوں کی بھی نیت بدل گئی۔ مسٹر پاوس نے اپنی یہ غلطی محسوس کر کے۔ انہیں ہر طرح سے سمجھانے اور اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہوئے اور آخر اسی کوشش میں انہیں اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔

۸ جون کو باغی سپاہی اور انگریزی پناہ گزیں دونوں ہی دیر تک پوری پوری بہادری سے لڑتے رہے۔ انگریزوں کی کوشش یہ تھی کہ باغی سپاہی قلعے کے قریب نہ آ سکیں اور باغی یہ چاہتے تھے کہ جو بھی ہو۔ خواہ کتنی بھی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ قلعے پر جلد سے جلد قبضہ کر لیا جائے۔

کپتان گورڈن باغیوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے بڑی جانبازی اور سرگرمی سے کام لے رہے تھے۔ اور ایک کھڑکی میں سے تاک تاک کر ایسے نشانے لگا رہے تھے۔ کہ ہر نشانے پر کوئی نہ کوئی حملہ آور دشمن ڈھیر ہو جاتا تھا۔ اس لئے باغیوں نے بھی انہیں اپنا نشانہ بنانے کی طرف خاص توجہ دی اور کئی نشانہ باز اسی کھڑکی کی طرف تیر اور گولیاں برسانے لگے۔

نتیجہ یہ ہؤا کہ ایک تیر آکر گورڈن صاحب کی چھاتی میں پیوست ہو گیا اور وہ فوراً ایک بے جان لاشے کی صورت میں زمین پر آ رہے۔

گورڈن صاحب کی اس اچانک موت سے انگریز بہادروں میں کھلبلی مچ گئی۔ عین اسی وقت انہیں یہ بھی معلوم ہؤا کہ اب ان کا گولہ بارود کا ذخیرہ بھی جلد ہی ختم ہونے کو ہے۔ ادھر مسٹر پا دس کے ساتھیوں کے دشواس گھات کی بدولت قلعے میں داخل ہونے کے پوشیدہ راستہ کا پتہ لگ جانے کے باعث باغیوں کی ایک بڑی تعداد بھی قلعے میں گھس آئی تھی۔ اور اس کے مختلف حصّوں پر قبضہ کر رہی تھی۔ اس لیئے انگریز پناہ گزینوں نے ہر طرح مایوس ہو کر باغیوں سے جان بخشی کا وعدہ لے کر ان کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کا فیصلہ کر لیا۔

صلح کی جھنڈی دیکھ کر باغیوں کی جانب سے حکیم سلیمان نامی ایک رئیس شرائط صلح نامہ طے کرنے کے لیئے قلعے کی طرف بڑھے۔ محصور انگریزوں میں آخر وقت تک اس سوال پر خوب بحث ہوتی رہی کہ ہتھیار ڈالے جائیں یا نہ ڈالے جائیں۔ بہت پس و پیش کے بعد آخر ان کی طرف سے جھانسی کے کمشنر مسٹر سکین باغیوں سے بات چیت کرنے کے لیئے قلعے سے باہر آ گئے۔ اور باغی لیڈر حکیم سلیمان سے یہ کہنے لگے کہ "ہم ابھی قلعہ خالی کرنے کے لیئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ ہمیں سب عورتوں اور بچوں سمیت امن و امان سے باہر نکل جانے کی اجازت دی جائے۔"

حکیم صاحب نے کمال ہمدردی دکھاتے ہوئے۔ قرآن شریف کی قسم کھا کر انہیں ہر طرح یہ اطمینان دلایا۔ کہ "آپ میں سے کسی ایک کا بھی کوئی بال بیکا نہ ہونے پائے گا۔"

مجبوراً انگریزوں نے اس وعدے پر بھروسہ کیا۔ اور سب کے سب

غیر مسلح ہو کر قلعے سے باہر نکل آئے مگر انہیں اس طرح بیکس و مجبور دیکھ کر پھر باغیوں کے دلوں میں پھر ایسی آتش انتقام بھڑک اٹھی کہ حکیم صاحب بھی انہیں قابو میں نہ رکھ سکے - ان باغیوں نے اپنے لیڈر اور نمائندے کے کسی بھی قول و قرار کی کچھ پرواہ نہ کر کے - ان سب انگریز مردوں عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا - اور "دین دین" چلاتے ہوئے وہ ان سب کو جوگن باغ کی طرف لے چلے - لیکن شہر تک پہونچتے پہونچتے ان جوش انتقام سے دیوانے باغیوں کے سردار کالے خاں نے ان سب نہتے انگریزوں کے قتل عام کا نادر شاہی حکم دے دیا -

یہ حکم سنتے ہی جھانسی جیل کے داروغہ بخشش علی نے سب سے آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے مسٹر سکین کمشنر جھانسی کا سر اڑا دیا - بس پھر کیا تھا ، دیکھا دیکھی دوسرے باغی بھی نہتے انگریز مردوں عورتوں اور بچوں پر ٹوٹ پڑے اور ان بچاروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا -

انگریز مصنفوں اور مؤرخوں کا ان مقتول مظلوموں کی تعداد کے بارے میں سخت اختلاف رائے ہے - بعض تو ان کی تعداد ۶۰ بتلاتے ہیں اور بعض ۶۷ - جبلپور کے میجر ارسکن کے بیان کے مطابق ان کی تعداد ۶۷ تھی - اور اندور کے ایک صاحب ان میں ۷۵ مرد - ۱۶ عورتیں اور ۲۳ بچے بتاتے ہیں -

مندرجہ بالا واقعات نیز ان سے بعد کی باتوں پہ غور کرنے سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مہارانی لکشمی بائی جی کا جھانسی کے اس محاصرے یا محصورین کے اس بیدردانہ قتل عام میں بالکل بھی ہاتھ نہ تھا - اور ان سے امداد طلب کرنے کی غرض سے جو دو قاصد محصورین کی طرف سے مہارانی جی کی سیوا میں

بھیجے گئے تھے۔ انکے رستے میں ہی مار ڈالے جانے کے باعث شاید مہارانی کو۔ قلعے کے باہر اپنے راج محل کی چار دیواری میں ہی تپ نیاگ اور پوجا پاٹ میں اپنے دن گذار رہی تھیں۔ شاید ان سب خونین واقعات کی پوری خبر بھی نہیں تھی اور نہ انہیں اس میں کچھ دلچسپی ہی تھی۔ کیونکہ اپنے پتی دیو کے دیہانت کے بعد۔ اُنہوں نے اپنی روزانہ زندگی کا جو پروگرام بنا رکھا تھا۔ اس کا نتیجہ تیاگ اور ویراگ کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

مگر پھر بھی بہت سے انگریز مورخوں اور مصنفوں نے۔ جو اپنے تنوگنی اور رجوگنی۔ حریص و انتقام پسند رجحان کے باعث مہارانی جی کے اس وقت کے ستوگنی سبھاؤ اور پوتر وچاروں کا کچھ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے تھے۔ قلعہ جھانسی کے اس محاصرہ اور قتلِ عام کی تمام ذمہ واری مہارانی لکشمی بائی جی کے سر تھوپنے کی کوشش کی ہے۔ اور محض اس بودی بنا پر کہ چونکہ وہ انگریزی حکومت کی بے انصافیوں کا شکار ہو کر اپنے خاندانی ورثے سے محروم ہو گئی تھی۔ اور حکومت کے ہاتھوں زخم خوردہ تھیں۔ لہذا انگریزوں کے خلاف بہ حیثیت ایک مظلوم کے ان کا جذبہ انتقام بھڑک اٹھنا عین قدرتی ہے۔

چنانچہ مسٹر رابرٹ منٹگمری مارٹن نے اپنی تصنیف "انڈین ایمپائر" یعنی ہندوستانی سامراجیہ" میں یہاں تک لکھ مارا ہے کہ :-

"مہارانی چونکہ ایک غیر عیسائی (ہیدن = کافرہ) عورت تھی۔ اس لئے اس لئے جو نقصان اسے انگریزوں کے ہاتھوں برداشت کرنے پڑے تھے۔ ان کے لئے کسی قسم کی معافی کا کوئی وچار بھی اس کے مذہبی عقیدے میں شامل نہیں تھا۔ اور اس

پہلو سے وہ اپنے آپ کو ایک سخت مظلوم خیال کرتی تھی۔ کہ ہندو قانون وراثت کی رُو سے اسے جو حقوق حاصل تھے۔ ان کی انگریزوں نے کچھ بھی پروا نہیں کی۔ اسی لئے اس نے بھی اپنی (عورت) جنس یا نو عمری سے پیدا ہونے والے تمام (دبا بھاؤ) کو اپنے دل سے نکال کر دُور پھینک دیا۔ اور ایک ایسے فعل کی مرتکب ہوکر وہ گورنمنٹ عالیہ کے خلاف ایک ایسی خونی جدوجہد میں شریک ہوگئی تھی۔ جس کے بارے میں اسے خود بھی خوب اچھی طرح یہ معلوم ہونا چاہیئے تھا۔ کہ اس کا انجام۔ ہر انسانی امکان کے نقطۂ خیال سے اس کے سوا اور کچھ نہ ہو سکے گا۔ کہ آخر میں اسے بھی اپنی جان کھونی پڑے۔"

ان سطور میں مہارانی کے ایک غیر عیسائی (ہیدن۔ یعنی کافرہ) عورت ہونے کے باعث دھارمک رُوپ سے ہر طرح کے دیا اور کشما بھاؤ سے محروم رہ جانے کی بات پڑھ کر۔ کس حقیقت پسند انسان کو اس تعصب سے اندھے ہوئے مؤرخ کی عقل اور سمجھ پر ہنسی نہ آجائے گی۔ جس نے صرف عیسائیوں کو ہی دھارمک رُوپ سے ہر طرح کے دیا اور کشما کے بھاؤوں کا ایک واحد ٹھیکہ دار سمجھ لیا ہے۔ ورنہ عیسائی حکمرانوں اور دنیاداروں کی ہی نہیں۔ بلکہ عیسائی مذہب پرستوں کی تاریخ بھی زبان حال سے پُکار پُکار کر تا حشر یہ ثبوت پیش کرتی رہیگی کہ مذہبی قتل وخون کی جو روایات عیسائی دھرم میں موجود ہیں۔ وہ دُنیا کے کسی بھی دوسرے مذہب سے کسی طور پر کم نہیں سمجھی جاسکتیں۔

مسٹر منٹگمری مارٹن کی اس بودی اور بھونڈی دلیل کے مقابلے میں

دوسرے مصنّف مسٹر سلین نے اس بارے میں جو نقطۂ خیال ظاہر کیا ہے۔ وہ اگرچہ بالکل ہی ناقابل تردید تو نہیں مگر پھر بھی کسی قدر معقول اور حق بجانب ضرور ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب "ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی" یعنی "ہندوستانی غدر کی تاریخ" میں مہارانی لکشمی بائی کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ :۔

"برطانوی حکومت نے ان کے اظہار ناراضگی اور دوسرے فریاد و داویلا کی طرف کچھ بھی خیال یا توجہ نہیں کی۔ بلکہ اس سے بھی بدتر بات یہ کی کہ اس توہین میں کمینہ پن بھی شامل کر دیا (ADDED MEANNESS TO INSULT) یعنی ریاست ضبط کر لینے کے بعد بیوہ رانی کو صرف ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ کی ایک پنشن دی۔ جسے پہلے تو رانی جی نے لینے سے صاف انکار کر دیا۔ مگر بعد میں انہیں منظور ہی کر لینا پڑا۔ ان کے دلی خیالات کا اس امر حقیقت سے اور بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ جب ان سے یہ مطالبہ کیا گیا۔ کہ وہ اس معمولی سی رقم میں سے ہی۔ جسے وہ محض ایک گذارہ ہی سمجھتی تھیں۔ وہ اپنے سورگباشی پتی دیو کا قرضہ بھی ادا کرتی رہیں۔ تو ان کے دل پر کیا گذری ہوگی؟ پھر انہیں اور بھی شکایات پیدا ہو گئیں۔ مثلاً ہندو آبادی میں گئوؤں کی ہتیا کی جانے لگی۔ اور پچھلے حکمرانوں نے ہندو مندروں کی سہایتا میں جو معافیاں لگا رکھی تھیں وہ منسوخ کر دی گئیں۔ اس سے حکمرانوں کی تبدیلی کے خلاف پرجا میں

نارافنگی پیدا ہو گئی اور رانی نے بھی اسکے خلاف اظہار ناراضگی کیا
لیکن ان سب سے بڑھ کر جو بات اسکی چھاتی میں سب سے
زیادہ گہری چبھی وہ۔ وہ بے عزتی تھی۔ جو اسے ذاتی طور پر
انگریزوں کے ہاتھوں برداشت کرنی پڑی۔ اس لئے جب
۱۸۵۷ء کے شروع میں انگریزی حکومت کے خلاف ناراضگی
کی علامتیں نمودار ہوئیں اور ہندوستانی سپاہیوں کے دلوں
میں انگریزوں کے لئے نفرت ظاہر ہونے لگی۔ تو اس نے بھی
ان سب باتوں کا شکریہ کے ساتھ سواگت کیا۔"

اس سلسلہ میں بعض ہندوستانی مؤرخوں کا یہ دعوےٰ ہے کہ کسی بھی سرکاری تحریر سے یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتی کہ مہارانی لکشمی بائی نے انگریزوں سے پنشن لینا منظور کر لیا تھا۔ یا وہ یہ پنشن وصول کرتی رہی ہیں۔ یا سورگیہ مہاراجہ گنگا دھر راؤ ہی اپنے سورگباش کے وقت کسی کے مقروض تھے جس کا قرضہ مہارانی کو اپنی اس پنشن میں سے ہی ادا کرنا پڑا۔ انہیں تعجب ہے کہ انگریز مؤرخوں اور مصنفوں نے۔ یہ بے سرو پا باتیں۔ کسی خاص شہادت یا ثبوت کے بغیر کیسے لکھ دیں۔ برخلاف اس کے وہ نہایت دعوے سے یہ کہتے ہیں کہ مہارانی لکشمی بائی نے۔ کبھی ایک پیسہ بھی پنشن کے طور پر انگریزوں سے نہیں لیا۔ اور نہ مہاراجہ گنگا دھر راؤ کے سر ہی کسی کا کوئی قرضہ قابل ادا تھا۔ ہاں یہ عین ممکن ہے کہ اس وقت جھانسی میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے ہوں۔ جن کا تعلق غدر سے ہو۔ لیکن بغیر کسی خاص شہادت اور پختہ ثبوت کے ان سب واقعات کی ذمہ داری مہارانی لکشمی بائی کے سر تھوپنا کسی بھی غیر جانبدار

اور انصاف پسند مورخ و مصنف کی شان کے شایاں نہیں ؟"

کیونکہ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے۔ کمشنر جھانسی کی رپورٹوں سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ۳ جون ۱۸۵۷ء تک جھانسی میں غدر کا کوئی بھی اندیشہ نہ تھا۔ اور مہارانی جھانسی ہر طرح قابل اعتماد اور وفادار سمجھی جاتی تھیں۔ تبھی تو جب جھانسی میں غدر ہو جانے پر سب انگریز مرد عورت اور بچے قلعے میں پناہ گزیں ہو گئے اور وہاں بھی اُنہوں نے اپنے آپ کو پوری طرح محفوظ محسوس نہ کیا۔ تو ان کے دل میں مہارانی سے امداد طلب کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جھانسی میں غدر کی ابتدائی علامات نمودار ہوتے ہی کپتان گورڈن صاحب نے خود مہارانی کے پاس جا کر ان سے یہ درخواست کی۔ کہ "اگر جھانسی میں بھی۔ دوسرے مقامات کی مانند انگریزوں پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے اور ان کی ہستی خطرے میں پڑ جائے۔ تو وہ جھانسی میں امن و امان برقرار رکھنے اور وہاں کی بے جا سے انگریزوں کی حفاظت کرنے میں انہیں مدد دیں گی"؟

چنانچہ مہارانی نے کپتان گورڈن صاحب کی یہ درخواست منظور کرتے ہوئے کہا کہ "چونکہ آپ نے نہ تو ہمارے پاس کوئی سامان جنگ ہی رہنے دیا ہے اور نہ ہماری بہادر اور جاں نثار فوج ہی باقی ہے۔ اس لئے مجھے اس بارے میں بہت شبہ ہے کہ میں آپ کی کچھ زیادہ مدد کر سکوں گی یا نہیں؟ لیکن چونکہ آپ میرے پاس یہ درخواست لے کر آئے ہیں۔ اس لئے میں آپ کو مایوس نہیں کر سکتی۔ اور اپنے انسانی فرائض کا خیال کر کے۔ انسانی ہمدردی اور برادری کے ناتے۔ میں

ضرور ہر طرح آپ کی مدد کروں گی اور جو کچھ میری ناچیز طاقت میں ہو گا۔ اس سے بھی آپ کی مدد کرنے میں ہرگز دریغ نہ کروں گی۔"

چنانچہ اپنے آئندہ طریق عمل سے مہارانی جی نے اپنے اس مخلصانہ وعدے کو ہر طرح پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا۔ یہ سب آئندہ صفحات کے مطالعہ سے ناظرین پر خود ہی روشن ہو جائے گا۔ اور ان کی اس فرض پروری کا انہیں انگریزی سرکار کی طرف سے جو انعام ملا وہ بھی پوشیدہ نہ رہیگا۔

مہارانی کے اس جواب باثواب سے ہر طرح مطمئن ہو کر گورڈن صاحب اپنے بنگلے چلے گئے۔ مگر اگلے ہی دن پھر مہارانی کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑے عاجزانہ لہجے میں یوں بولے کہ "اس وقت ہم سب لوگوں کی جان سخت خطرے میں ہے۔ کہا نہیں جا سکتا کہ آئندہ ہمارا کیا حشر ہونے والا ہے؟ ہم تو خیر مرد ہیں۔ بہادری اور جانبازی سے سب خطرات برداشت کرتے ہوئے مردانہ وار مرنے کے لئے بھی تیار ہیں۔ مگر ہمیں فکر صرف اس بات کا ہے کہ ہمارے بال بچوں کا کیا انتظام ہو گا؟

کپتان گورڈن کے یہ عاجزانہ الفاظ سن کر مہارانی جی نے کمال ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔ "آپ ان کی کچھ فکر نہ کریں۔ اگر چاہیں تو شوق سے انہیں میرے راج محلوں میں بھیج دیں میں ان کا بال بھی بینکا نہ ہونے دوں گی۔"

یہ سن کر گورڈن صاحب نے بڑے شکریہ آمیز لہجے میں جواب دیا کہ "ہم آپ کا یہ احسان تاعمر نہ بھولیں گے۔"

چنانچہ سب انگریز پریوار مہارانی جی کے راج محل میں آ کر کمال امن و اطمینان سے ان کے زیر سایہ رہنے لگے۔ لیکن جونہی جھانسی چھاؤنی میں

غدر کی چنگاریاں کچھ کچھ بھڑکیں اور شہر میں بھی فتنہ و فساد کے آثار نمودار ہوئے۔ تو سب انگریز چھاؤنی سے قلعہ میں بھاگ آئے۔ اور وہاں اپنے آپ کو زیادہ محفوظ سمجھ کر۔ انہوں نے اپنے بال بچّوں کو بھی مہارانی جی کے محلوں سے اپنے پاس قلعے میں ہی بلا لیا۔ جو بلاشک وشبہ مہارانی جی کے راج محلوں کی نسبت (اپنے سنگین استحکامات اور فوجی تحفظات کے باعث) بدرجہا زیادہ ناقابل تسخیر تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس وقت بھی مہارانی جی نے انہیں ہر چند اطمینان دلایا۔ مگر سب کے سر پر شاید ہونی سوار تھی۔ اس لئے کسی نے بھی ان کی ایک نہ سنی۔ راج محل سے قلعے میں چلے جانے پر بھی۔ مہارانی جی ہر طرح ان انگریز عورتوں اور بچّوں کی خوراک وغیرہ سے پوشیدہ طور پر مدد کرتی رہیں۔ اور غالباً اسی لئے پھر انگریز پناہ گزینوں کے دلوں میں مہارانی جی سے کچھ مدد طلب کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جو قاصدوں کے راستے میں ہی مارے جانے کے باعث عملی صورت اختیار نہیں کر سکا۔ ورنہ اگر انہیں مہارانی جی کی طرف سے ذرّہ بھر بھی بے اعتمادی یا خوف ہوتا۔ تو وہ ہرگز یہ خیال اپنے دل میں نہ آنے دیتے۔

ان متذکرہ بالا واقعات کی تائید و تصدیق میں۔ انگریز مردوں، عورتوں اور بچّوں کے اس قتل عام سے کسی طرح زندہ بچ نکلنے والے مسٹر مارٹن نامی ایک حقیقت پسند انگریز کی بھی ایک چٹھی پیش کی جاتی ہے جو اس نے ۲۰ اگست ۱۸۸۹ء کو۔ مہارانی جی کے متبنیٰ راجکمار دامودر راؤ کے نام اس لئے لکھی تھی کہ ان دنوں بہت سے تنگدل انگریز ناکردہ گناہ مہارانی لکشمی بائی کے پوتر نام پر طرح طرح کے کلنک تھوپ رہے

تھے۔ جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہو گئے تھے۔ اس لئے اس نے ان پہلی افسوس ظاہر کرتے ہوئے اس نے یہ لکھا ہے کہ :۔

"آپ کی بیکس اور بیچاری ماتاجی کے ساتھ سخت بے انصافی ہوئی ہے اور نہایت بے رحمی کا سلوک روا رکھا گیا ہے۔ اس حقیقت سے مجھ سے بڑھ کر اور کوئی بھی واقف نہیں۔ کہ ان غریب کا جھانسی میں رہنے والے یوروپینوں کے اس قتل و عام سے کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ جو جون ۱۸۵۷ء میں وہاں ہوا۔ بلکہ برخلاف اس کے جب سب لوگ قلعے میں پناہ گزیں ہو گئے تو وہ دو دن تک انہیں خوراک بہم پہونچاتی رہیں۔ بلکہ انہوں نے کردرہ سے ایک سو بندوقچی بلا کر انہیں بھی ہماری مدد کے لئے بھیجا۔ مگر ہم نے ہی انہیں ایک دن قلعے میں رکھ کر شام کو پھر واپس بھیج دیا۔ اس پر مہارانی نے میجر سکین اور کپتان گورڈن کو یہ مشورہ دیا۔ کہ وہ فوراً جھانسی سے بھاگ کر دتیا چلے جائیں اور وہاں کے راجہ سے شرن مانگیں ۔ ۔ لیکن انہوں نے یہ بھی نہ مانا اور آخر سب کے سب ہمارے اپنے ہی فوجی سپاہیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ جن میں ہماری پولس۔ جیل اور دوسرے محکموں کے ملازم بھی شامل ہو گئے تھے۔"

محاصرہ جھانسی میں محصور ہوئے اس انصاف پسند انگریز کی اس چشم دید شہادت کے بعد بھی اگر کسی کو کسی اور شہادت کی کچھ ضرورت محسوس ہو تو وہ مشہور مورخ مسٹر کے کے یہ الفاظ بغور پڑھ لے :۔

"مجھے ایک قابل وثوق ذریعے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جھانسی کے اس قتل عام کے وقت رانی کے ملازموں میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا۔ یہ سب کچھ تو ہمارے اپنے ہی پرانے نوکروں کی

کرنی کرتوت تھی۔ ہمارے بے قاعدہ رسالے (اررریگیولر کیولری)
نے ہی یہ خونی حکم جاری کیا اور ہمارے دار وغہ جیل نے ہی
سب سے آگے بڑھ کر اس پر چڑھنے کے کام کو سرانجام دیا؛

ان زبردست اور فیصلہ کن شہادتوں سے یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ مہارانی ان الزامات سے بالکل معصوم ہیں کہ جھانسی کا غدر یا قتل عام ان کے کسی اشارے سے ہوا۔ ہاں! یہ بات بے شک کہی جا سکتی ہے کہ بعد کے واقعات اور کچھ انگریزوں کی اپنی کج فہمی نے بالآخر انہیں باغی ہو جانے کے لئے مجبور کر دیا ـــــ ورنہ شروع میں وہ انگریزوں کی پوری پوری وفادار تھیں۔ اور انہیں باغیوں کی نسبت انگریزوں پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔

---

(۱۷)

مہارانی کے راج محل کا محاصرہ

جھانسی کے باغی سپاہیوں کے سر خون چڑھ رہا تھا۔ اور انگریز مردوں عورتوں اور بچوں کے اس مکروہ قتل و عام کے بعد تو وہ بالکل ہی دیوانے ہو کر وحشی درندوں کی مانند خونخوار اور خونریز بن گئے۔ اور ان کی یہ خون کی پیاس روز بروز بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ قلعہ سر کر لینے کے بعد انہوں نے مہارانی جی کے راج محل کو جا گھیرا۔ اور ان سے دہلی جانے کے لئے تین لاکھ روپیہ کا مطالبہ کیا۔ مہارانی جی نے انہیں بہتیرا سمجھایا بجھایا اور اپنی بیکسی و بے بسی کی طرف دھیان دلایا۔ لیکن وہ کوئی معقول سے معقول بات

کب سننے والے تھے؟ ان کے سر پر تو قتل وغارت گری اور لوٹ مار کا بھوت سوار تھا۔ راج محل میں لوٹ مچانے اور آگ لگا دینے کی دھمکیاں دینے لگے۔

ان دیوانوں کے یہ بگڑے تیور دیکھ کر مہارانی جی سہم گئیں۔ کیونکہ اس وقت ان کے پاس ان وحشی دیوانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نہ تو کوئی فوج ہی تھی اور نہ کوئی سامانِ جنگ ہی موجود تھا۔ لاچار انہوں نے اپنے بہت سے زیور باغی سرداروں کی نذر کر کے اپنے راج محل کو تباہی سے بچایا۔ اور اپنے سب وفادار اور جاں نثار ساتھیوں نیز ملازموں کی جاں بخشی کرائی۔

مہارانی جی کے زیورات کی قیمت کا اندازہ ۵ لاکھ سوا لاکھ روپیہ تھا۔ باغی سرداروں نے اور کچھ بھی نہ مل سکتا دیکھ کر اسے ہی غنیمت سمجھا اور وہاں سے "خلق خدا کی۔ ملک بادشاہ دہلی کا اور عمل مہارانی لکشمی بائی کا" یہ نعرے لگاتے اور مہارانی جی کی جے جے کار سناتے سب دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

اب مہارانی جی کو یہ چینتا پڑی۔ کہ اس مرتبہ تو ہم نے ان خونخوار وحشیوں کو اپنے بیش قیمت زیور نذر کر کے جیسے کیسے اپنا راج محل اور اپنی جانیں بچا لی ہیں۔ اگر دو چار دن بعد ہی ان کا کوئی اور لاؤ لشکر کہیں سے آ کر کوئی ایسا ہی مطالبہ کرنے لگا۔ تو کیا علاج کیا جائے گا؟ اس لئے یہ بہتر ہے کہ آیندہ کے لئے اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لئے اپنی پوزیشن کو مضبوط بنایا جائے۔ تاکہ یوں آسانی سے سر جھکانے اور گلہ کٹوانے کی نوبت نہ آئے۔ مگر مشکل تو یہ تھی۔ کہ اس وقت ان کے مشیروں اور صلاح کاروں میں

کوئی ایسا حوصلہ مند اور معاملہ فہم شخص موجود نہ تھا۔ جو اس کام میں ان کی کچھ مدد کرتا۔ تھے تو صرف مورو پنت۔ منتری جی اور چند ایک اور آدمی۔ جن کے ہمت اور حوصلے کو وہ پہلے ہی کئی بار آزما کر ان کا پورا پورا اندازہ لگا چکی تھیں۔ اس لئے انہوں نے بہ امر مجبوری پرکھو پر ماتما پر ہی بھروسہ رکھ کر سب کام اپنی ہی سمجھ بوجھ سے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور فوراً اپنے چند پہلے وفادار افسروں اور کارکنوں کو۔ جو اس وقت شہر میں یا اس کے گرد و نواح میں پھیل گئے تھے۔ نیز کمشنری کے دوسرے چند ایک سمجھ دار ہندوستانی افسروں کو بُلوا کر ان کی مدد اور مشورے سے سب انتظام کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

چنانچہ جھانسی راجیہ کے سابق فوجداری افسر پنڈت گوپال راؤ لکھاٹے اور صیغہ مال کے افسر اعلیٰ منشی احسان علی وغیرہ چند ایک معززین کو بُلوا کر سب صورت حال ان کے سامنے پیش کر دی۔ وہ سب بھی اس عام بہتری و بہبودی نیز خدمت خلق کے نیک کام میں مہارانی جی کا ہاتھ بٹانے کے لئے بخوشی تیار ہو گئے۔

آخر ان کے مشورے سے ساگر کے موجودہ انگریزی حکام کو جھانسی کے سب متذکرہ بالا خونین واقعات کی اطلاع بھیج دی گئی تاکہ وہ اپنی حفاظت کا پورا پورا انتظام کر لیں۔ اور اگر ہو سکے تو جھانسی کے قلعہ۔ راج محل اور شہر کو بھی۔ باغیوں کی آیندہ دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لئے کچھ فوج اور سامان جنگ سے مہارانی کی مدد کریں۔

مہارانی جی اور ان کے مشیروں کی ارسال کردہ یہ رپورٹ ساگر کے انگریزی افسروں کے لئے بہت ہی کارآمد ثابت ہوئی اور صرف اسی کی

بدولت وہ اپنی اور اپنے شہر نیز رعایا کی آئندہ حفاظت کے لئے مناسب پیشبندیاں کر کے وہاں سب طرح امن و امان قائم رکھ سکے۔ مہارانی جی کی اس رپورٹ کے جواب میں ساگر کے اعلےٰ انگریز افسر نے۔ مہارانی کی اس خیراندیشانہ کارگزاری پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے یہ لکھا کہ "جب تک جھانسی کا سب انتظام سنبھالنے کے لئے کوئی اور تجربہ کار افسر نہ پہونچے۔ تب تک آپ ہی انتظام رکھیں۔"

اس طرح مہارانی کو ایک مرتبہ پھر۔ اپنے پوجا پاٹھ۔ کتھا وارتا وغیرہ کے سب دھارمک پروگرام کو کچھ تبدیل کر کے صرف اپنی اور اپنی پران پیاری پرجا کے پرانوں کی رکشا کے لئے پھر اس ریاستی جھنجھٹ میں پھنس جانا پڑا۔ اور وہ ایسی پھنسیں کہ اپنے آخری دم تک چھٹکارا نہ پاسکیں۔ کیونکہ اس وقت فتنہ و فساد کی جو فضا چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ اس سے کسی کا بھی جان و مال محفوظ نہ تھا۔ اور مہارانی لکشمی بائی جیسی خلقی طور پر مکمل دوراندیش۔ معاملہ فہم۔ باہمت۔ حوصلہ مند۔ پربھو بھگت۔ دیاوان دیوی کے لئے یہ ناممکن تھا کہ کبھی کسی خود غرضی میں پھنس کر وہ۔ سخت خطرے کے وقت اپنے دیش اور پرجا کی اس سب سے بڑی سیوا سے جی چرا کر چپ چاپ الگ بیٹھی رہتیں اور اپنی نیز اپنے متعلقین اور ساری پرجا کا سب جان و مال خطرے میں ڈال دیتیں۔

مگر ساتھ ہی اس کے انہوں نے موقع کی نزاکت کو مد نظر رکھ کر انگریزوں سے بھی اپنے تعلقات نہ بگاڑے کیونکہ وہ بے سرے باغیوں کی نسبت انگریزوں کو پھر بھی زیادہ قابل اعتماد سمجھتی تھیں اس لئے انہوں نے ان کی مدد کرنے یا ان سے مدد پانے کا بھی کوئی موقع ہاتھ سے نہ کھویا۔

لیکن افسوس تو یہی ہے کہ انہیں انگریزوں سے وقت پر کوئی بھی مدد نہ ملی۔ اور وہ ان کے خود غرض و مکار دشمنوں کی چالوں میں پھنس کر اُلٹے ان کے ہی دشمن بن بیٹھے۔

بدقسمتی یہ بھی تھی کہ ان کے ساتھی اور مددگار بھی کچھ بہت دُور اندیش اور قابل اعتماد نہ تھے۔ خصوصاً ریاست اورچھا سے جن لوگوں کا تعلق تھا۔ ان میں سے اکثر حد درجہ خود غرض اور انگریزوں کے مخالف تھے۔ اس لئے وہ انہیں برابر دھوکا دیتے رہے اور ناتجربہ کار مہارانی اتنی تیز فہم اور چوکنی ہوتے ہوئے بھی ان کی شرارتوں کو پورا پورا نہ جان سکی۔ چنانچہ کپتان پنگ جو ایک اعلےٰ انگریز افسر تھے۔ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں :۔

> "نہایت ہی قابل وثوق ذرائع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہارانی ہماری گورمنٹ سے بھی اپنے تعلقات بنائے رکھنے کی برابر کوشش کرتی رہیں۔ اور کمشنر جبلپور نیز دوسرے افسروں کو لکھ لکھ کر ہمارے ہم وطنوں کے قتل عام پر افسوس ظاہر کرتی ہوئی یہ کہتی رہیں کہ میں نے ضلع جھانسی کا انتظام صرف اسی وقت تک کے لئے اپنے ہاتھ میں لیا ہے جب تک کہ انگریزی گورمنٹ پھر اسے نہ سنبھال سکے۔"

اس کے علاوہ مسٹر مارٹن بھی جنہوں نے خود اپنے ہاتھ سے مہارانی کے خطوط انگریزوں کے حوالے کئے تھے۔ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں :۔

> "مہارانی نے جبلپور میں کرنل ارسکن کے پاس نیز کرنل فریزر چیف کمشنر آگرہ کے پاس بھی خریطے بھیجے۔ کرنل فریزر کو تو میں نے خود یہ خریطہ اپنے ہاتھ سے دیا۔ تاکہ مہارانی کی صفائی پر بھی

کچھ غور کیا جا سکے۔ لیکن اس وقت جھانسی تو سب کے لئے
ایک قابل نفرت لفظ بنا ہوا تھا۔ اس لئے وہ بغیر شنوائی
کے ہی مجرم ٹھیرا دی گئیں "

تعجب ہے کہ مہارانی کے مخالف انگریز مؤرخوں نے اپنے انصاف پسند ہم وطنوں کی ان سب تحریروں کی طرف کچھ بھی توجہ نہیں دی جو کسی طرح مہارانی کے حق میں جاتی تھیں۔ اور وہ برابر ان کے خلاف زہر ہی اگلتے رہے۔

غرضیکہ ساگر کے افسر اعلیٰ سے مذکورہ بالا حکم پاکر مہارانی جی نے جھانسی کی حکومت کا سب انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور ہر محکمے کی دیکھ بھال کے لئے مناسب افسر مقرر کرکے مالگذاری وصول کرنے لگیں۔ اور عدالتیں قائم کرکے ان کے ذریعے مناسب عدل و انصاف کرانے کا سلسلہ جاری کر دیا۔ کیونکہ بلوہ جھانسی میں انگریز افسر تو سبھی مارے جا چکے تھے۔ اور ان کی جگہ باغیوں یا چوروں اور ڈاکوؤں نے سنبھال لی تھی۔ اس لئے انہیں ہر طرف کرکے علاقے میں امن و امان قائم کرنا نہایت ضروری تھا اسی امن و امان کی تقویت اور استحکام کے لئے انہوں نے کچھ فوج بھی جمع کر لی۔ اور اس کی مدد کے لئے کئی ہفتے تک وہ۔ خود بہ نفس نفیس شہر میں ہر طرف گشت لگا لگا کر امن و امان قائم کرنے اور چوروں ڈاکوؤں وغیرہ کو مار بھگانے کی کوشش میں مصروف رہیں۔ ان کی یہ مستعدی فینت اور خوش انتظامی دیکھ کر سب لوگ عش عش کرتے تھے۔ کہ راج محل کی چہار دیواری میں چوبیسوں گھنٹے بند رہنے والی اس دیوی نے کس طرح اتنے محدود سے عرصے میں۔ ایسے خطرناک زمانے میں اپنی ریاست کے سب انتظامات کو سنبھال

لیا ہے۔ کیونکہ اپنے سورگباشی پتی دیو کے عہد حکومت میں تو وہ اپنی یہ قابلیت کسی طرح بھی ظاہر نہ کر سکی تھیں

اس طرح جھانسی کی حکومت کا انتظام ایک بار پھر ہاتھ میں آتے ہی مہارانی جی نے ملکی انتظام کے متعلق اپنے سب خلقی جوہر دکھانے شروع کر دیئے۔ اور اپنی تمام ناتجربہ کاری کے باوجود ۔۔ سب بے چین اور مضطرب پرجا کو اپنے حسن انتظام سے جلد ہی اپنی مٹھی میں کر لیا۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ اس علاقے کی مالی ترقی و خوشحالی کے لئے جگہ جگہ۔ مختلف سازوسامان بنانے کے کارخانے بھی قائم کر دیئے۔ اور اپنی طاقت مضبوط کرنے اور فوجی طاقت بڑھانے کے لئے گولہ بارود وغیرہ کی تیاری کی طرف بھی مناسب توجہ دی۔ تاکہ اس سب سامان کے لئے انہیں کسی اور کا دست نگر نہ ہونا پڑے۔

ان دنوں ان کے روزانہ پروگرام کا حال ان کے ایک خاص ملازم نے اس طرح بیان کیا ہے کہ "مہارانی جی ہر روز سویرے ہی پانچ بجے اُٹھ کر سنان آدی سے فارغ ہونے کے بعد پوجا میں مصروف ہو جاتی تھیں۔ پوجا اس کے بعد وِدوان برہمن اور گائن آچاریہ آپ کے سامنے بھجن کیرتن کرتے اور مہابھارت آدی دھرم گرنتھوں کی کتھائیں سنایا کرتے تھے۔ اتنے ہی میں درباری اور اہلکار مہارانی جی کو نمسکار کرنے اور ان سے راج کاج کے بارے میں حکم احکام حاصل کرنے کے لئے پہنچ جایا کرتے تھے۔ ان سے فارغ ہو کر پھر آپ بھوجن پاتیں اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ۔ بوقت ضرورت بغیر آرام کئے ہی۔ ان تحفہ جات کا ملاحظہ فرماتیں جو آپ کی پریمی پرجا آپ کو ہمیشہ ۔ بھینٹ کرتی رہا کرتی تھی ان میں سے ایک دو چیزیں آپ حسب

ضرورت اپنے لئے رکھ کر باقی سب مستحق ضرورت مندوں میں تقسیم کرا دیا کرتی تھیں۔ ہر روز تقریباً تین بجے دربار لگا کرتا تھا جس میں آپ خود لوگوں کی شکایات سنتیں اور انصاف کیا کرتی تھیں۔ اس کے بعد حکومت کے دوسرے ضروری کام کاج کی دیکھ بھال اور ان کی سرانجام دہی کے لئے مناسب حکم احکام جاری کرتی تھیں"

غرضیکہ آپ حکومت کے ہر محکمے اور ہر صیغے کے کام کی خود نگرانی رکھتی تھیں۔ اس کام کے لئے آپ نے اپنے دفتر کے طور پر ایک علیحدہ کمرہ مخصوص کر رکھا تھا۔ اس کے دروازے پر دو چوبدار سنہری بلّم ہاتھ میں لئے ہر وقت کھڑے رہتے تھے۔ راج منتری لکشمن راؤ جی کا آسن مہارانی کے سنگھاسن سے کچھ فاصلے پر تھا۔ جو حکم احکام لکھواتیں - وہ فوراً لکھ لیا کرتے تھے۔ مہارانی جی کی بدھی اتنی تیز اور دوررس تھی کہ جو بھی پیچیدہ سے پیچیدہ سوال ان کے سامنے پیش ہوا کرتا۔ اسے فوراً ہی حل کر دیا کرتی تھیں۔ مسٹر ٹیلبہ نامی ایک اعلےٰ مصنف نے لکھا ہے کہ" مہارانی جی پردے کے سخت خلاف تھیں۔ آپ ہمیشہ اپنے پتی دیو کے راجیہ سنگھاسن پر شوبھائمان ہوا کرتی تھیں۔ اور سب درخواستیں خود لے کر۔ آپ ہی مناسب احکام ان پر جاری کیا کرتی تھیں۔ غرضیکہ جس ذمہ واری کے بوجھ کو انہوں نے اپنے کندھوں پر لیا تھا۔ اسے نہایت ہی خوش اسلوبی سے نبھایا کرتی تھیں"

مہارانی ہر شکروار کو گھوڑے پر سوار ہو کر اور کبھی اپنے اسی خوبصورت تام جھام (پالکی) میں بیٹھ کر۔ جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اپنی کل دیوی مہالکشمی جی کے مندر میں جایا کرتی تھیں۔ آپ کی خوبصورت سواری کے

پیچھے پیچھے پانچ سو مسلح سوار رہا کرتے تھے۔ جب کبھی تام جھام میں جاتی تھیں تو ۵۔۶ قبول صورت داسیاں ریشمی۔ زردوز پوشاک پہنے۔ سونے چاندی کے زیورات سے آراستہ پیراستہ ساتھ ساتھ چلا کرتی تھیں۔ ان کے ایک ایک ہاتھ میں تام جھام کا پایہ ہوتا تھا اور دوسرے سے چنور جھلتی رہتی تھیں۔ سواری کے آگے آگے فوجی باجہ فوجی گیتوں کی طرزیں بجاتا ہوا چلا کرتا تھا۔ اور پیچھے پیچھے سب درباری اور اعلے اہلکار ہوا کرتے تھے۔

گھوڑے پر سواری کے وقت مہارانی کی پوشاک مردانہ ہوا کرتی تھی۔ یعنی جسم پر چپکت کرتہ۔ ٹانگوں میں پاجامہ۔ پیروں میں جوتے۔ کمر میں زری دار پٹکا۔ اس پر سنہری پیٹی۔ پیٹی میں ایک چوڑے پھل والی لمبی تلوار۔ سر پہ ٹوپی اور اس پر زردوز طرے دار پگڑی۔ تام جھام میں سواری کے وقت آپ کی پوشاک اعلے ترین طبقے کی مہاراشٹر دیویوں کی سی ہوا کرتی تھی۔

مہارانی جی کی سواری قلعے سے روانہ ہوتے ہی قلعے اور مندر دونو جگہ باجے بجنے لگتے تھے۔ جو واپسی تک برابر بجتے رہتے تھے۔ رستے بھر آپ بھکھاریوں کو برابر دان دکشنا تقسیم کرتی جایا کرتی تھیں۔

آپ کی فیاضی کے بارے میں طرح طرح کی روائتیں مشہور ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ایک دن جب آپ مندر سے واپس آ رہی تھیں تو دروازے کے قریب ہی آپ نے بہت سے بھکاریوں کی بھیڑ بھاڑ دیکھ کر اس کا باعث پوچھا۔ معلوم ہوا کہ "وہ سردی کی اذیت سے چھٹکارا دلائے جانے کے لئے عرض کرنے کو جمع ہوئے ہیں"

یہ سنتے ہی آپ نے فوراً قلعے میں واپس پہنچتے ہی شہر بھر کے درزیوں کو بلوا کر چار دن کے اندر اندر ہر ناپ کی بے شمار روئی دار کرتیاں اور

کن ٹوپ تیار کرائے جانے کا حکم دیا۔ پھر پانچویں دن یہ منادی کرادی کہ جس بھی دین بھکاری کو سردی ستاتی ہو۔ وہ شام کو راج محل کے سامنے والے میدان میں حاضر ہو کر کپڑے لے جائے۔" چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس روز قریباً دو ہزار بھکاریوں میں مہارانی جی نے ان کرتیوں اور کن ٹوپوں کے علاوہ ایک ایک کمبل بھی تقسیم کرا دیا۔ اور سب کو خوب مزیدار بھوجن بھی کرایا۔

اسی طرح روایت ہے کہ ایک دن کاشی جی کے ایک ودوان برہمن نے آکر یہ عرض کی کہ میں کنوارہ ہوں۔ کنیا کا پتا اپنی کنیا کے لئے چار سو روپے کے زیور مانگتا ہے۔ میرے پاس اتنا دھن کہاں؟ اگر سو روپیہ بھی ہوتا تو شاید۔ تو شاید اس سے کام چل جاتا۔ مہارانی نے فوراً یہ روپیہ منگوا کر برہمن دیوتا کی بھینٹ کر دیا اور کہا کہ جب بیواہ طے ہو جائے۔ تو ہمیں بھی نمنترن دینا۔ چنانچہ جب برہمن نے نمنترن بھیجا۔ تو آپ اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باعث اس کی شادی میں تو شریک نہ ہو سکیں۔ مگر آپ نے شادی کے دن اپنے خاص سیوک کے ہاتھ دولہن کے لئے پانچ سو روپے بطور تحفہ بھیج دیئے۔

یہ روایات اس کثرت سے اس علاقے میں دور و نزدیک پھیلی ہوئی ہیں کہ اگر انہیں ہی جمع کیا جائے تو ایک بڑی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن پھر بھی ایک روایت اور درج کئے بغیر ہم یہ باب ختم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس سے ان کی تیز فہمی اور وسیع واقفیت پر پوری پوری روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ گھوڑوں کی شناخت میں انہیں کتنا کمال حاصل تھا۔

مشہور ہے کہ ایک دن ایک گھوڑوں کا سوداگر مہارانی کی شہرت سن

کر آپ کے پاس دو نہایت ہی خوبصورت اور دلفریب گھوڑے لے کر پہونچا مہارانی جی نے ان دونو گھوڑوں کا بغور ملاحظہ کر کے فرمایا کہ " ایک گھوڑے کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے اور دوسرے کی صرف پچاس روپیہ ! " سُننے والے یہ فیصلہ سن کر حیران رہ گئے۔ جب مہارانی جی سے اتنے بڑے تفاوت کا راز دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ " پہلا گھوڑا بالکل بے عیب ہے۔ اور دوسرے کی چھاتی میں سخت چوٹ لگ چکی ہے۔ جس سے اس کا صحتیاب ہونا مشکل ہے " سوداگر نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا۔ اور مہارانی جی کی جوہر شناسی کی بڑی تعریف کی۔

(۱۸)

باغیوں سے دو دو ہاتھ

ساگر کے افسر اعلےٰ کے حکم سے مہارانی لکشمی بائی جی نے علاقہ جھانسی کی عنان حکومت پھر اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی سب سے پہلے تو اپنی تمام توجہ اور اپنی پوری طاقت شہر جھانسی اور اس کے گرد و نواح میں ہر طرح امن و امان پیدا کرنے اور وہاں کے باشندوں کو ان کے تحفظ کا ہر طرح اطمینان دلانے میں لگادی۔ راجیہ بھکت پرجا کو بھی ایک بار پھر مہارانی جی کی چھتر چھایا میں آنے کا سوبھاگیہ پراپت کرنے میں دلی خوشی حاصل ہوئی اور اس نے اسے اپنی سب سے بڑی خوش قسمتی سمجھا۔

مہارانی جی نے بھی حتےٰ الوسع دن رات محنت کر کے بڑی ہمت اور

حوصلے سے پرجا پالن کے شبھ کام کو سرانجام دیا۔ اور ان کی ہر ایک چھوٹی سے چھوٹی جائز شکایت اور ضرورت کو جلد سے جلد دور کرنے میں اپنی جان تک لڑا دی اور جہاں کہیں بھی کسی ظالم جفا کار کا پتہ پایا۔ فوراً اپنی جاں نثار فوج کو لے کر وہاں پہنچ گئیں اور یا تو اسے ویسے ہی سمجھا بجھا کر راہ راست پر لے آئیں۔ ورنہ اس کی سرکوبی میں بھی بالکل دیر نہ کی اور کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جس سے جلد ہی تمام علاقے میں سکھ اور شانتی پھیل گئی۔ اور سب امن پسند لوگ پورے پورے امن اور اطمینان سے پھر اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔

اگر کسی کو کوئی فکر اور چنتا تھی۔ تو وہ مہارانی لکشمی بائی جی اور ان کے فرض شناس افسر ہی تھے۔ جو دن رات اس فکر اور کوشش میں رہتے تھے کہ رعایا کو کوئی تکلیف نہ ہو اور اس کی کوئی شکایت بھی مہارانی جی کے کانوں تک نہ پہونچے۔ اس لئے ان فرض شناس افسروں کو جب کبھی کوئی شکایت معلوم ہوتی تھی۔ فوراً ہی اسے دور کر دینے کی فکر پڑ جاتی تھی۔ جس سے جہاں ایک طرف امن پسند پرجا خوشحال اور مطمئن ہوتی جا رہی تھی۔ وہاں دوسری طرف خود غرض، خود پسند۔ جابر و جفا کار لوگوں اور اہلکاروں و افسروں کو بھی اپنی اپنی فکر پڑ گئی تھی۔ کیونکہ اب وہ ہر کام میں اپنی من مانی نہ کر سکتے تھے۔ اور ان سے ان کی ہر ایک غلط کاری کی پوری پوری سختی کے ساتھ جواب طلبی ہوا کرتی تھی۔

انہیں دنوں میں مہارانی جی کو یہ پتہ لگا۔ کہ مہاراجہ گنگادھر راؤ جی کے سورگباش کے بعد ان کے جس دور پار کے رشتے دار سدا شونارائن نے میجر میلکم ہیلی کی سفارش سے لارڈ ڈلہوزی کے سامنے جھانسی کی گدی

پانے کے لئے اپنا دعوے پیش کیا تھا۔ اس نے اب اس علاقے میں انگریزوں کے عمل دخل کا خاتمہ ہو جانے پر پھر اپنے داؤ پیچ شروع کر دئے ہیں بلکہ انگریزوں کی باغی فوج کے کچھ سپاہیوں اور افسروں کے ساتھ مل کر ۱۳ر جون ۱۸۵۷ء کو جھانسی کے قریب ہی واقع قلعہ کریرا پر قبضہ بھی جما لیا ہے۔ اور اس نواح میں انگریزوں کی طرف سے جو تحصیلدار اور تھانے دار کام کر رہے تھے۔ انہیں بھی مار بھگایا ہے۔ اس لئے وہ سارا علاقہ اس کی لوٹ مار سے بے حد تنگ ہے۔

صرف یہی نہیں۔ بلکہ اس کے چند روز بعد ہی مہارانی جی کو یہ خبر بھی ملی کہ اب سداشو نے کچھ دھوم دھام کر کے اپنی گدی نشینی کا ڈھونگ بھی رچا لیا ہے۔ اور اپنے جھانسی کا اصلی راجہ ہونے کا بھی اعلان کر دیا ہے۔ اور شہر میں اپنی راجائی کی دھاک بٹھانے کے لئے اپنے نام سے حکم احکام بھی جاری کرنے لگا ہے۔ چنانچہ اساڑھ بدی سمت ۱۹۱۴ بکرمی کی اشٹمی کو اس نے راجپور کے تھانیدار منشی غلام حسین کے نام یہ حکم جاری کیا ہے کہ "ہم آپ کو راجپورہ میں اپنا تھانے دار مقرر کرتے ہیں۔ اس لئے آپ آئندہ ہماری طرف سے اس علاقے کے سب انتظامات کی نگرانی کرتے ہوئے ہمارے حکم احکام کی تعمیل ہی اپنا فرض منصبی سمجھیں جس کے لئے آپکی خاطر خواہ عزت افزائی فرمائی جاوے گی۔"

مگر منشی غلام حسین نے یہ اعزاز قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے' اس لئے سداشو راؤ نے انہیں تھانیداری سے برطرف کر کے ان کی جائیداد کی ضبطی کے احکام بھی جاری کر دئے ہیں اور اس کے ایسے ہی نت نئے مظالم سے اس علاقے کی پرجا بے حد تنگ ہو رہی ہے۔

یہ خبر پاتے ہی مہارانی لکشمی بائی نے فوراً قلعہ کریرا پر چڑھائی کر دی۔ جو ان دنوں سداشو کی راجدھانی بنا ہوا تھا۔ اور اسے نیز اس کے ساتھیوں کو وہ پوری مار دی کہ نام دھاری راجہ سداشو کو اپنے بہت سے ساتھیوں اور حمایتی سرداروں کو جنگ میں کام آیا۔ یا میدان سے دم دبا کر بھاگتا ہوا دیکھ کر آپ بھی بھاگ کر ریاست گوالیار کے علاقے میں جا کر اپنا سر چھپانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور وہ "نرور" نامی گاؤں میں جا چھپا۔

وہیں اس نے پھر کچھ جوڑ توڑ کر کے اور اپنے کچھ حمایتی پیدا کر کے پھر سر اٹھایا۔ اور جھانسی کے قریبی علاقے میں لوٹ مار شروع کر دی۔ مگر اس بار مہارانی کی فوج ظفر موج نے اسے پھر بھاگنے کا موقع ہی نہ دیا اور مہارانی جی نے اسے گرفتار کر کے ایک عرصہ کے لئے قید کر دیا۔ تا کہ وہ جلد ہی پھر کچھ شرارت نہ کر سکے۔

لیکن ابھی اس واقعہ کو کچھ بہت دن نہیں گذرے تھے کہ مہارانی کو ایک اور دشمن سے سامنا کرنا پڑ گیا۔ جو اس پہلے دشمن سے بھی بہت زیادہ زبردست۔ چالباز اور سیاسی شطرنج کا ماہر کھلاڑی تھا۔ یہ تھا اورچھا ریاست کا باغی دیوان نتھے خاں۔ اس نے جب جھانسی کی وسیع ریاست کو زبردست انگریزی طاقت سے آزاد اور ایک نو عمر دیوی کے کمزور اور ناتجربہ کار ہاتھوں میں دیکھا۔ تو اس کے منہ میں بھی پانی بھر آیا۔ اور وہ اس ریاست پر اپنا قبضہ جمانے کے لئے ۲۰ ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر جرار لے کر چڑھ آیا۔ اگرچہ مہارانی لکشمی بائی کی فوج اس وقت نسبتاً بہت کم تھی۔ مگر پھر بھی انہوں نے حوصلہ نہ ہارا اور وہ اس کے مقابلے کے لئے تیار ہو گئیں۔

انہوں نے سب سے پہلے تو نتھے خاں کے اس حملے کی اطلاع کے

طور پر ایک چھٹی انگریزوں کے پولیٹیکل ایجنٹ صاحب کو لکھ کر۔ ان سے کچھ مدد مانگی۔ لیکن نتھے خاں نے مہارانی کے اس قاصد کو رستے میں ہی ہلاک کروا کر اس چھٹی کو اپنے قابو میں کر لیا اور پولیٹیکل ایجنٹ صاحب تک پہونچنے ہی نہ دیا۔ پھر مہارانی کو یہ پیغام بھیجا کہ "اگر آپ جھانسی کا قلعہ اور شہر ہمارے حوالے کر دیں تو ہم بھی آپ کی ویسی ہی عزّت اور حفاظت کرتے رہیں گے۔ جیسی کہ انگریز کیا کرتے تھے"۔

اس لئے مہارانی جی کو مجبوراً اپنی ہی فوج پر بھروسہ کر کے میدانِ جنگ میں آنا پڑا۔ اُنہوں نے اپنے من میں یہ فیصلہ کر لیا کہ "جو بھی ہو میں نتھے خاں کے سامنے ہرگز ہتھیار نہ ڈالوں گی۔ بلکہ اسے اس کی اس گستاخی کا ایسا مزہ چکھاؤں گی۔ کہ وہ عمر بھر یاد رکھیگا"۔ مگر مشکل یہ تھی۔ کہ نتھے خاں نے پوشیدہ طور پر مہارانی کے ان مشیروں اور اہلکاروں میں سے کئی ایک کو۔ جن کا تعلّق اورچھا سے تھا۔ اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے مہارانی کو اُلٹا مشورہ دے کر ان کے ہمّت اور حوصلے کو پست کرنا چاہا۔ مگر مہارانی ان لوگوں کی باتوں میں کب آنے والی تھیں۔

انہوں نے نتھے خاں کے پیغام کا یہ جواب دیا کہ "تمہیں مرد ہو کر۔ ایک عورت کو کمزور اور بے بس خیال کر کے اس کے سامنے ایسی لچر اور پوچ تجویز پیش کرتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔ اور یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ میں بھی شُور ویر شور اڈبھاؤ جی کے ویر ونش کی بیٹی ہوں اور ویر شرومنی گنگا دھر راؤ جی کی اردھانگنی ہوں اس لیے یہ مغرور دُشمن کا مان مردن کر کے اسے اس کی گستاخی کا میدانِ جنگ میں جواب دینا خوب جانتی ہوں۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک مہاراشٹر ویر پتنی یا تو اپنے دُشمن کو مٹا کر میدانِ جنگ سے منہ

موڑتی ہے۔ یا خود اس کوشش میں مرمٹتی ہے۔"

نتھے خان کے قاصد کو واپس روانہ کرتے ہی مہارانی جی نے اپنے سب معزز اور معتمد سرداروں کی ایک کونسل بلائی جن میں راجہ اورچھا کے داماد دیوان دلیپ سنگھ اور ان کے منتر دیوان رگھوناتھ سنگھ اور جھانسی راجیہ کے دیوان جواہر سنگھ کیٹیلے والے وغیرہ وغیرہ سبھی شامل تھے۔ ان کے سامنے سب صورت حالات پیش کرتے ہوئے مہارانی جی نے کہا "ویر سردارو! آپ میں سے کئی راجہ اورچھا کے رشتہ دار ہوتے ہوئے بھی جھانسی راجیہ کے مددگار ہیں۔ اس لئے مجھے آپ سے سہائیتا کا پورا پورا بھروسہ ہے۔ میں نے تو اپنے بارے میں یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ مرمٹونگی لیکن نرپشو (انسانی صورت میں ایک درندے حیوان کی سی خصلت رکھنے والے) نتھے خاں کے سامنے سر جھکا کر اپنے پوجیہ پتی دیو اور ان کے سرب مانیہ سو نام دھنیہ دیر شرومنی مورث اعلیٰ مہاراج شو راؤ بھاؤ کے پوجنیہ نام اور پوتر کل کو کبھی لاج نہ لگاؤں گی۔ اب آپ سب اپنے اپنے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں؟ اس جیون مرن کے یدھ میں میرا ساتھ دے کر امر نام اور ریش پائیں گے۔ یا ..... "

مہارانی ابھی اپنا یہ پُر جوش فقرہ پورا بھی نہ کر پائی تھیں کہ سبھی ویر یودھاؤں کی بغلوں میں لٹکتی ہوئی ان کی لمبی لمبی تلواریں اپنی اپنی میانوں میں تڑپ اٹھیں اور ان کی کھڑکھڑاہٹ کی گونجتی ہوئی آواز میں سب ویروں نے ہم آواز ہو کر جواب دیا "نسندیہہ! نسندیہہ!! مہارانی جی! ہم سب بھی آپکے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہا دیں گے۔ اور اپنے نیز اپنے پوجیہ بزرگوں کے نام پر کبھی کوئی کلنک نہ لگنے دیں گے۔"

اپنے ویر سرداروں کے اس حوصلہ افزا جواب سے مہارانی کی ہمت د

جرأت اور بھی دس گنی بڑھ گئی۔ اُنھوں نے دربار برخاست کرنے سے پہلے فوراً حکم دیا کہ جن قدیم توپوں کو انگریزوں نے اپنی لوٹ کی فہرست سے خارج کر کے قلعے میں ہی دبوا دیا ہے۔ ان سب کو فوراً نکلوا کر صاف کرایا جائے۔ اور جلد سے جلد مناسب مرمت کروا کر قلعے کی برجوں پر چڑھا دیا جائے۔ اور گولہ بارود وغیرہ کے کارخانوں میں نفری بڑھا کر۔ زیادہ سے زیادہ ممکن مقدار میں سامانِ جنگ کی تیاری شروع کر دی جائے۔

صرف یہی نہیں بلکہ مہارانی جی نے ان سب ویر یودھا سرداروں کے سامنے ہی ان کے معزز بن رسیدہ شرومنی نیتا دیوان جواہر سنگھ کیٹیلے والے کی کلائی میں۔ ن کنگن (راکھی) باندھ کر انہیں اپنا دھرم بھائی اور اپنی مختصر سی گنی چنی لیکن جانبانہ فوج کا سیناپتی بھی بنا کر یہ کہا "دیر شرومنی بھائی! اب بھگوان کی پوتر پریرنا سے میں نے اپنی لاج آپ کے ہاتھ میں سونپ دی ہے بس آپ خود مردانہ لباس پہن کر میدانِ جنگ میں آپ کے پیچھے پیچھے ایک ادنیٰ سپاہی کی طرح جنگ میں حصہ لوں گی اور۔ اگر اس یُدھ میں وجے نہ پا سکی تو ویرگتی تو ضرور ہی پاؤں گی"۔

چند ہی روز میں جب نتھے خاں کی فوج جھانسی فتح کرنے کے خیالی نشے میں مست ہوئی فصیل قلعہ کے قریب توپوں کی مار میں پہونچی تو مہارانی جی نے فوراً اپنے توپچی دستے کے سردار غلام غوث خاں کو گولے برسانے کا اشارہ کر دیا۔ بس پھر کیا تھا، حکم ملتے ہی مورچوں میں چھپی ہوئی سب توپوں سے یکا یک دنا دن کی ہیبت ناک آوازوں کے ساتھ نتھے خاں کی بے فکرا آگے بڑھتی ہوئی فوج پر آگ برسانی شروع کر دی اور قریباً ایک گھنٹہ تک اس پر وہ آگ برسائی کہ نتھے خاں اور اس کی بہادر فوج کے ہوش و حواس اڑ گئے

اور انہیں اپنے سینکڑوں کیا ہزاروں دیہ ساتھیوں کی لاشیں وہیں میدان میں چھوڑ کر صرف اپنی اپنی جان بچانے کی فکر میں پسپا ہونا پڑا۔

مگر اتنے پر بھی نتھے خاں نے حوصلہ نہ ہارا۔ بلکہ کچھ دیر بعد رات کے وقت اس نے اپنی بچی بچائی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کر کے قلعے کے مختلف دروازوں پر گولے برساتے ہوئے یک وقت ایک نہایت زبردست حملہ کر دیا۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ قلعہ بند فوج تعداد میں بہت نہ ہونے کے باعث سب دروازوں کی یکساں حفاظت نہ کر سکے گی۔ اس حملے میں سب سے زیادہ زور اورچھا دروازے پر ڈالا گیا۔ جہاں کی نگرانی نتھے خاں نے اپنے ہاتھ میں رکھی۔ اور یہاں وہ چار توپوں سے زبردست گولہ باری کرنے لگا۔

اس دروازے کو سخت خطرے میں دیکھ کر مہارانی جی خود اس کی حفاظت کے لئے وہاں جا پہنچیں۔ اور اپنے دیر سپاہیوں نیز گولندازوں کی حوصلہ افزائی کرنے لگیں۔ عین اسی وقت مہارانی جی کے ایک جانباز سردار غلام غوث اور لالہ بھاؤ بخشی نے اپنے چند بہادر سپاہیوں کی مدد سے قلعہ جھانسی کی مشہور توپ "کڑک بجلی" اورچھا دروازے کے برج پر چڑھوا دی۔ بس پھر کیا تھا؟ اس بھینکر توپ کے مورچے پر چڑھتے ہی دشمن پر وہ زبردست گولہ باری شروع ہو گئی۔ کہ اس طرف کی ساری فضا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتے ہوئے دشمنوں کی چیخ و پکار کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ نتھے خاں نے اپنی بے فرار فوج کو بہتیرا روکنا چاہا۔ مگر سوائے چند خاص معتمد سرداروں اور ان کے سپاہیوں کے۔ کسی نے اس کی ایک نہ سنی۔ اور جب جس کا منہ اٹھا۔ ادھر ہی بھاگ کر اس نے اپنی جان بچانے میں ہی اپنی خیر سمجھی!

ایک دوسرے مورچے پر بہادر سردار رگھوناتھ سنگھ نے پوشیدہ طور پر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ایک پہاڑی پر پہنچ کر اپنی توپ جما دی۔ اور وہاں سے نتھے خاں کی حملہ آور فوج پر دو دو بہ مار کر کے۔ اس کے چھکے چھڑا دیئے۔ انجام یہ ہوا کہ ان حوصلہ شکن شکستوں سے گھبرا کر نتھے خاں کی فوج کے کہیں بھی قدم نہ جم سکے۔ اور آخر کار وہ اپنی کئی توپیں اور بہت سا بھاری بھاری سامان جنگ وہیں چھوڑ کر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔

اپنی اس بعید از اُمید فتح سے خوش ہو کر مہارانی لکشمی بائی جی نے اپنے سبھی جانباز فوجی سرداروں دیوان جواہر سنگھ۔ دیوان رگھوناتھ سنگھ۔ گولنداز افسر غلام غوث خاں۔ سردار لال بھاؤ بخشی وغیرہ وغیرہ کو نیز ان کے سب ماتحت افسروں اور سپاہیوں کو جن کے سر اس فتح کا سہرا تھا۔ خوب انعام و اکرام دے کر ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں ہر طرح مطمئن و خوش کر دیا۔ اس جنگ میں قلعہ جھانسی پر پیشوائی جھنڈے کے پہلو بہ پہلو انگریزوں کا وہ پرانا جھنڈا یونین جیک بھی برابر اُڑتا رہا۔ جو کسی زمانے میں انگریزوں نے پیشوا جی کی نذر کیا تھا۔ اور مہارانی خود ان جھنڈوں کی خاص احتیاط سے نگرانی کرتی رہیں۔

اس سخت مرحلے سے فراغت پا کر مہارانی جی نے نتھے خاں کے اس زبردست حملے اور اپنے شاندار نیز کامیاب مقابلے کی مفصل رپورٹ تحریر کروا کر بندیل کھنڈ کے پولٹیکل ایجنٹ سر ہملٹن کے پاس ایک خاص قاصد کے ذریعے بھجوا دی۔ مگر بد قسمتی سے وہ بھی نتھے خاں کے جاسوسوں کے ہاتھے چڑھ کر مارا گیا۔

مہارانی کے ہاتھوں اس طرح مُنہ کی کھاکر۔ نتھے خاں اور بھی چڑھ گیا اور اپنی شیطانی چالوں سے مہارانی کو ہر طرح نقصان پہونچانے کے درپے ہو گیا۔ یہ تو اسے معلوم ہی تھا۔ کہ جھانسی میں بہت سے انگریزوں اور ان کے بال بچوں کے قتل عام کی بدولت سبھی انگریز افسروں کے دل مہارانی کی طرف سے برگشتہ ہیں۔ اور اگرچہ مہارانی نے انگریزوں کی طرف اپنی وفاداری ظاہر کرنے میں کبھی کوئی کسر نہیں رکھی۔ اور انہیں کبھی شکایت کا کوئی موقعہ نہیں دیا۔ مگر بدقسمتی سے اس سلسلہ میں جو بھی خط وکتابت وقتاً وقتاً مہارانی کی طرف سے انگریزوں کے ساتھ ہوئی۔ وہ بھی اکثر ہمارے جاسوسوں کی ریشہ دوانیوں کی بدولت۔ انگریز افسروں تک نہ پہونچ کر رستے میں ہی ہمارے ہتھے چڑھ کر تلف ہو جاتی رہی“۔ اس لئے اب نتھے خاں نے انگریزوں کو مہارانی کے خلاف بھڑکا کر اور انہیں مہارانی کا اور بھی جانی دشمن بنا کر۔ اپنا اُتو سیدھا کرنے کی شیطانی چال سوچی ـــ بعض انگریزوں کی کوتہ اندیشی کی بدولت وہ کامیاب بھی ہوگئی اور وہی مہارانی لکشمی بائی جواب تک انگریزوں کی ایک وفادار اور جاں نثار مددگار تھی اور جو انگریزی جھنڈے یونین جیک کی حفاظت بھی اپنا فرض سمجھتی رہی تھی ـ اب انگریزوں کی نظروں میں انگریزی حکومت کی سب سے بڑی بدخواہ بن گئی ـ اور انگریز افسر نتھے خاں جیسے چالباز غداروں کی شیطانی چالوں سے اُس کی حفاظت کرنے کی بجائے اُلٹے اس کی ہی سرکوبی کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اور اس کی جان کے گاہک بن بیٹھے۔

غرضیکہ چالاک نتھے خاں نے میدان جنگ میں مہارانی سے شکست کھا کر اب اپنی چالاکیوں سے انہیں نیچا دکھانے کی سوچی اور چند روز بعد انگریز

افسروں کی خدمت میں یہ خط بھیجا کہ :-

"مہارانی لکشمی بائی باغی ہو کر جھانسی کی ریاست پر قابض ہو گئی ہے اور اب اس نے انگریزوں کے خلاف کھلم کھلا لڑائی چھیڑ دی ہے۔ جھانسی کی بغاوت میں انگریز مردوں عورتوں اور بچوں کا جو قتل عام ہوا ہے۔ وہ بھی درحقیقت رانی کے ایما پر ہوا ہے میں سدا سے سرکار انگریزی کا سچا خیر خواہ اور وفادار دوست رہا ہوں۔ اسی لئے میں نے مہارانی سے جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ اور جب بھی موقع ملا ہے۔ میں نے اپنے دوست انگریزوں کی حمایت میں تلوار اٹھانے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ اس لئے اس وقت مجھے ہر طرح مدد دینا انگریزوں کا فرض ہے۔ تاکہ مہارانی کو نیچا دکھا کر ان سے انگریزوں کے قتل عام کا بدلہ لیا جائے ورنہ اس کے زیادہ زور پکڑ جانے کا اندیشہ ہے اور تب وہ بہت مشکل سے قابو میں آسکے گی۔"

(۱۹)

نتھے خاں کا جادو انگریزوں پر

نتھے خان کے من چینتے کارج سدھ ہوگئے۔ جب مہارانی لکشمی بائی نے باغی نتھے خاں کی باتوں میں آکر انگریزوں کے خلاف اس کے ساتھ مل جانے اور جھانسی کا قلعہ اور شہر اس کے حوالے کر دینے سے صاف انکار

کر دیا تھا ۔ اپنی فوج بہت کمزور ہوتے ہوئے بھی۔ قلعہ جھانسی پر یونین جیک کی حفاظت کرتے ہوئے جی توڑ کر جنگ کی تھی۔ اور اہنکاری نتھے خاں کو نیچا دکھایا تھا۔ جس مہارانی لکشمی بائی کے حق میں زمانہ مابعد کے مؤرخ مسٹر مارٹن کو یہ الفاظ لکھنے پڑے کہ :۔

" اس میں شک نہیں کہ باغی فوجوں کے جھانسی سے چلے جانے کے بعد مہارانی نے اپنی ریاست پر قبضہ پالیا تھا۔ لیکن دتیا اور ٹیہری (اورچھا) کی دونوں ریاستیں چاہتیں تو ہمارے آدمیوں کی بڑی آسانی سے حفاظت کر سکتی تھیں۔ بشرطیکہ وہ چاہتیں لیکن انہوں نے ہماری حمایت اور حفاظت میں ایک انگلی تک بھی نہیں ہلائی۔ حالانکہ اورچھا۔ جھانسی کے پریڈ میدان سے صرف ۱½ میل کے فاصلے پر تھا۔ اور دتیا صرف چھ میل۔ نیز دونوں ریاستوں کی بڑی بڑی مسلح فوجیں۔ اپنی اپنی سرحد پر کھڑی ہوئیں۔ ہمارے آدمیوں کی کارگذاری دیکھتی رہیں۔ اور یہ خیال کرتی رہیں کہ رانی چونکہ اس وقت جنگ کے لئے بالکل تیار نہیں۔ اسلئے وہ دونوں آسانی سے اس کی ریاست آج سے چھین سکیں گے۔ اور پھر ان دونوں ریاستوں کی مشترکہ فوجوں نے رانی پر حملہ بھی کر دیا۔ مگر وہ بہادر دیوی انہیں بار بار مار کر واپس بھگاتی رہی "۔

وہی انگریزوں کی خیرخواہ اور خیر اندیش مہارانی۔ جو اپنے آپ کو باغیوں کا معتوب بنانے کے خطرے میں ڈال کر بھی قلعہ بند انگریزوں کو خوراک اور دوسرا سامان بہم پہونچاتی رہی۔ اور جس نے بقول مسٹر مارٹن چشم دید گواہ کے

انگریزوں کی مدد کے لئے قلعہ کریرا سے ایک سو بندوقچی منگوا کر جھانسی کے قلعے میں پناہ گزیں انگریزوں کی امداد کے لئے پوشیدہ طور پر قلعے میں پہنچا دئیے۔ وہی اب نتھے خاں کی ایک جھوٹی اور بالکل بے سر و پا رپورٹ کی بدولت انگریزوں کی نظروں میں ایسی معتوب ہو گئی کہ انہوں نے اسے ہی کچلنے کے لئے سر ہیوز روز جیسے بہادر اور تجربہ کار جرنیل کو خاص طور پر تار دے کر ولایت سے ہندوستان بُلا لیا۔ اور سر ہیوز نے بھی ۱۶ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بمبئی پہونچ کر اس بارے میں کوئی مناسب چھان بین کرنے سے پہلے ہی۔ بندیل کھنڈ کے پولٹیکل ایجنٹ سر رابرٹ ہملٹن (جنہوں نے شاید نتھے خاں کی متذکرہ بالا جھوٹی رپورٹ گورنر جنرل کے پاس بھیجی تھی) اور اس زمانے کے کمانڈر انچیف جنرل کیمپ بیل کے مشورے سے۔ مہارانی جھانسی پر ایک زبردست حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور اس حقیقت کا شاید کچھ بھی خیال نہیں کیا۔ کہ اگر نتھے خاں کی اس رپورٹ میں کچھ بھی صداقت ہوتی تو اورچھا نواسی دیوان رگھناتھ سنگھ جیسے انگریزوں کے وفادار (جنہوں نے سر ولیم ہنری سلیمن کے عہد میں اپنی بہادری۔ جانبازی اور وفاداری کے صلے میں وکٹوریہ کراس کا اعلےٰ ترین تمغہ سرکار انگریزی سے حاصل کیا تھا) اور جن کی مدد سے مہارانی کو نتھے خاں پر یہ شاندار فتح حاصل ہوئی تھی) اس موقعہ پر ہرگز خاموش نہ بیٹھتے اور مہارانی کی اس مفروضہ غداری اور بغاوت کی اطلاع نتھے خاں سے بھی بہت پہلے انگریز افسروں کے پاس بھیج دیتے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اصل صورت حالات سے ناواقف ان انگریز افسروں کے دلوں میں مہارانی کے خلاف کچھ ایسی نفرت اور عداوت پیدا ہو گئی تھی۔ کہ وہ ان کے بارے میں ہر ایک بے بنیاد اور بے سر و پا

افواہ اور خبر پر فوراً ایمان لے آیا کرتے تھے۔ اور اس کے متعلق کوئی تحقیقات کرنا یا مناسب سمجھ بوجھ سے کام لینا بالکل ضروری نہ سمجھتے تھے۔ اسی لئے سر ہیوز روز نے بھی سر رابرٹ ہملٹن اور کمانڈر انچیف جنرل کیمپ بیل کی مانند نھنّے خاں کی افترا پردازی کو ایک آسمانی وحی سمجھ لیا۔ اور اسی کی بنا پر مہارانی لکشمی بائی کے خون کے پیاسے ہو گئے۔

کمانڈر انچیف نے اس مہم کے لئے بمبئی اور مدراس تک کے دور دراز واقع صوبوں کی سب فوجیں بُلا بُلا کر سر ہیوز کے حوالے کر دیں۔ سر ہیوز نے ۱۷ دسمبر کو اپنی ماتحت فوج کے دو حصے کئے۔ انہیں سے ایک حصے میں بمبئی کا تیسرا رسالہ۔ ۱۴ ویں لائٹ ڈریگون نامی پلٹن۔ حیدر آباد کنٹنجنٹ فوج کے دو رسالے۔ ۸۶ ویں پلٹن کے دو دستے۔ بمبئی نیٹو انفنٹری کی ۲۵ ویں پلٹن اور ۳ توپخانے شامل تھے۔ اور دوسرے حصے میں بمبئی کے رسالے کا سب سے بڑا حصہ۔ ریاست حیدر آباد کی کنٹنجنٹ فوج کا ایک مکمل رسالہ اور ایک پوری پیدل پلٹن۔ بمبئی کی تیسری یوروپین رجمنٹ۔ بمبئی نیٹو انفنٹری کی ۲۴ ویں پلٹن۔ بھوپال ریاست کا بڑا توپ خانہ اور مدراس سیپرز کی ایک کمپنی۔

اس سے یہ بآسانی ظاہر ہوتا ہے کہ ان دنوں محض خیالی طور پر ہی۔ طرح طرح سے پھیلی ہوئی جھوٹی سچی افواہوں نے جھانسی اور وہاں کی رانی کے متعلق کتنی دہشت اور ہیبت انگریزوں کے دلوں میں پیدا کر دی تھی۔ ورنہ ایک ایسی چھوٹی سی ماتحت ریاست کے خلاف ان عظیم الشان فوجی تیاریوں کے کیا معنی ہو سکتے تھے؟

سر ہیوز روز نے اپنی اس گرانڈیل فوج کا ایک حصہ مہو چھاؤنی

کی طرف روانہ کیا اور دوسرا سیہور کی طرف۔ پھر ۱۰ جنوری ۱۸۵۸ء کو خود بھی سر رابرٹ ہملٹن سمیت سیہور کی طرف روانہ ہو گئے۔ رستے ہی میں بیگم بھوپال کے بھیجے ہوئے آٹھ سو سپاہی اور بھی ان کے ساتھ آملے۔ اور اب وہ جھانسی کے نام نہاد باغیوں کی سرکوبی کے لئے ساگر کی طرف بڑھے۔ ساگر سے قریباً ۲۴ میل ادھر ہی انہوں نے رہٹ گڑھ کے قلعے کے سامنے اپنا ڈیرا جا ڈالا۔ یہ قلعہ اس وقت چند مسلمان باغی سرداروں کے قبضے میں تھا انہوں نے چار دن تک خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن آخرکار انہیں قلعے سے بھاگ کر ہی جان بچانی پڑی۔

اب بان پور کے راجہ کی باری آئی۔ یہ قلعہ رہٹ پور کے پاس ہی ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ اس راجہ نے اس علاقے کے بہت سے باغیوں کو پناہ دی تھی۔ اس لئے سر ہیوز نے اس کی مزاج پرسی بھی مناسب سمجھی۔ راجہ اس وقت رہٹ پور سے کوئی ۱۰ میل کے فاصلے پر ہی برودیہ نامی ایک گاؤں میں ڈیرہ ڈالے پڑا تھا۔ سر ہیوز کی فوج نے اسے وہاں ہی جا گھیرا۔ اس نے بھی کچھ دیر تو ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مگر بعد میں جان بچا کر بھاگ نکلا اور فتح کا سہرا سر ہیوز کے سر پہ ہی رہا۔ مگر اس جنگ میں ان کے ساتھی کپتان نیول مارے گئے۔

یہ فتوحات حاصل کر کے سر ہیوز ساگر کی طرف بڑھے اور ۳ فروری کو انہوں نے ساگر کے باغیوں کو بھی بھگا کر وہاں اپنا قبضہ جا جمایا۔ پھر گڑھ کوٹہ کے قلعے پر چڑھائی بول دی گئی۔ جو ساگر سے ۲۵ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اور جس پر اس وقت بنگال کی ۵۱ ویں اور ۵۲ ویں پلٹن کے باغی قابض ہو گئے تھے۔ مگر وہ بھی ان کے مقابلے کی کیسے تاب لا سکتے

تھے۔ آخر قلعہ چھوڑ بھاگ نکلے۔

اس طرح نہایت آسانی کے ساتھ جگہ جگہ فتوحات حاصل کرتے اور باغیوں کو مار مار کر بھگاتے ہوئے سر ہیوز روز نے دھیرے دھیرے دریائے نربدا کے شمالی کنارے کا سارا علاقہ ساگر تک اپنے قبضے میں کر لیا۔ اور اب انہیں جھانسی کی فکر پڑی۔ جسے وہ بندیل کھنڈ کے باغیوں کا سب سے بڑا مرکز سمجھ چکے تھے۔ اسی لئے انہوں نے کمانڈر انچیف جنرل کیمپ بیل سے کہا تھا کہ جب تک جھانسی فتح نہ ہوگی تب تک شمالی ہند کے باغیوں کا نام و نشان مٹانا ناممکن رہے گا۔

اس وقت انہیں جھانسی پہنچنے کے رستے میں طرح طرح کی مشکلات سدِ راہ معلوم ہو رہی تھیں۔ کیونکہ ساگر سے کانپور کا تمام علاقہ باغی فوجوں سے اٹا پڑا تھا۔ اور مال تھون۔ مدن پور۔ نارودٹ۔ دھاموتی وغیرہ وغیرہ کئی تنگ گھاٹیاں بھی اس رستے میں پڑتی تھیں۔ جہاں سے اپنی فوجوں کا بخیر و عافیت نکال لے جانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہاں باغی فوجوں کی طرف سے قدم قدم پر بھی توڑ کر مقابلہ کئے جانے کا اندیشہ تھا۔ سر ہیوز روز بھی ان خطرات سے خوب اچھی طرح آگاہ تھے اسی لئے انہوں نے اپنی فوج کو کئی ٹکڑیوں میں تقسیم کر کے اس کے چھوٹے چھوٹے حصوں کو مختلف رستوں سے نکال لے جانے کا فیصلہ کیا اور آپ اپنی فوج کے سب سے بڑے حصے کو ساتھ لے کر نارودٹ گھاٹی کی طرف قدم بڑھایا۔

لیکن جب انہوں نے اس رستے پر بان پور کے راجہ کو لڑائی کے لئے تیار پایا۔ تو اپنا یہ ارادہ بدل کر انہوں نے شاہ گڑھ ریاست مدن پور گھاٹ کے رستے جانے کی سوچی۔ مگر اس رستے میں بھی یہ خطرہ تھا کہ

کہیں انگریزی فوج کے ادھر رُخ کرتے ہی بان پور کا راجہ بھی شاہ گڑھ نریش کی مدد کے لیئے نہ پہونچ جائے اور وہاں دونوں کی مشترکہ فوجوں سے مقابلہ نہ کرنا پڑے۔ اس لئے اُنہوں نے اپنی فوج کا ایک حصّہ تو نارووت گھاٹی کی طرف بان پور کے راجہ کو مصروف رکھنے کے لیئے بھیج دیا اور دوسرا حصّہ اپنے ساتھ لے کر مدن پور گھاٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر وہاں بھی رستہ صاف نہ تھا۔

کیونکہ بان پور کے راجہ نے اس گھاٹ پر بھی مقابلے کی خوب تیاریاں کر رکھی تھیں۔ اس لئے یہاں ایسی جم کر لڑائی ہوئی کہ سر ہیوز بھی زخمی ہو گئے۔ اور ان کا گھوڑا بھی مارا گیا۔ مگر ان کی فوج تعداد میں زیادہ ہونے کے باعث فتح انہیں کی رہی اور وہ اپنے دُشمن کو پسپا کر کے قلعہ سرائے کے پاس جا پہونچے۔ جو ایک چھوٹی سی پہاڑی پر بنا تھا۔ اس کے پاس ہی شاہ گڑھ کے راجہ کا ایک نہایت خوبصورت باغیچہ تھا۔ سر ہیوز نے اس میں ہی اپنا ڈیرا جمایا پھر اگلے دن موردورا گاؤں پر حملہ کر کے وہاں کے باغیوں کو بھی مار بھگا دیا۔

بندیل کھنڈ کے پولیٹکل ایجنٹ سر رابرٹ ہملٹن اس فتح مند فوج کے ساتھ ہی ساتھ تھے۔ اُنہوں نے شاہ گڑھ ریاست کے بھی انگریزی علاقے میں شامل کر لیئے جانے کا اعلان کرا دیا۔ کیونکہ وہاں کا راجہ تو انگریزوں کے خوف سے اپنی راجدھانی چھوڑ کر پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ جو سردار وہاں ملے انہیں اور ایک راجپیہ جیوتشی کو۔ جس نے انگریزوں کی شکست کی پیش گوئی کر کے باغیوں کا حوصلہ بڑھایا تھا۔ پھانسی دیدی گئی۔

ادھر جب بان پور کے راجہ نے انگریزوں کی اس کامیابی کی خبر سُنی۔

تو اس نے بھی ہمت ہار دی اور میدان سے بھاگ کر اپنی جان بچانے میں ہی خیر سمجھی۔ پھر بھی فاتح انگریزی فوج کے افسر میجر بائیلو نے ۱۱ مارچ کو بان پور کے راج محل کے ایک حصّہ کو توپ سے اُڑوا کر اور دوسرے میں آگ لگوا کر اپنا غصہ ٹھنڈا کیا۔ اور بان پور کے قلعہ پر یونین جیک لہرا دیا۔

اگلے ہی دن ایک مختصر سی لڑائی کے بعد سر ہیوز نے تال بہیٹ کا قلعہ بھی باغیوں سے خالی کرا لیا اور ۱۷ مارچ کو چندیری کا مشہور قلعہ بھی اپنے قبضہ میں کر کے ۱۹ مارچ کو جھانسی سے ۱۴ میل کے فاصلے پر چنچن پور گاؤں میں اپنا ڈیرا جا ڈالا۔ اس وقت ان کے پاس ساٹھ ہزار سے زیادہ فوج تھی۔

اس سے دوسرے ہی دن اُنہوں نے جھانسی کی ناکہ بندی کرنے کے لیئے ایک زبردست توپخانہ اور مسلح رسالہ جھانسی کی طرف بھیج دیا۔ اور آپ جھانسی قلعہ پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔

عین اسی وقت سر ہیوز کو گورنر جنرل کی طرف سے یہ حکمنامہ پہنچا۔ کہ "جھانسی پر حملہ کرنے سے پہلے آپ انگریز سرکار کے وفادار دوست چرکھاری کے راجہ رتن سنگھ کی امداد کے لئے روانہ ہو جائیے۔ کیونکہ پیشوا کے سیناپتی تانتیا ٹوپی نے۔ جس کی بہادری کی ان دنوں ہر طرف دھاک پھیل رہی تھی۔ چرکھاری پر حملہ کر دیا ہے۔" اس لئے سر ہیوز کچھ دیر کے لئے سخت شش و پنج میں پھنس گئے۔

(۲۰)

ویرتانتیا ٹوپی

تانتیا ٹوپی ۔ نانا صاحب پیشوا کی بہادر فوجوں کا بہادر سپناپتی تھے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ نانا صاحب جب میرٹھ اور اس کے نواح میں انگریزی فوجوں کے غدر کی خبریں سن کر ان کی رہنمائی کے لئے اپنی فوج کا ایک حصہ لے کر اس طرف روانہ ہو گئے ۔ تو پیچھے اپنی برائے نام پیشوائی گدی اور اس کی متعلقہ جاگیر وغیرہ اور باقی ماندہ فوج کا سب انتظام اپنے چھوٹے بھائی راؤ صاحب اور اپنے سپناپتی تانتیا ٹوپی کے ہی حوالے کر گئے تھے ۔ اسی لئے جہاں کانپور اور یو ۔ پی کے کئی دوسرے شہروں سے تعلق رکھنے والے واقعات غدر میں نانا صاحب کا ذکر بار بار آتا ہے اور ان کے ساتھ ان کا تعلق بہت گہرا ظاہر ہوتا ہے ۔ وہاں جھانسی اور اس کے نواحی علاقہ جات کی جنگ و جدل میں نانا صاحب کی بجائے راؤ صاحب اور تانتیا ٹوپی کا ہی بہت ذکر ملتا ہے ۔ یا پھر ہمارے اس ناول کی ویرنائیکا (ہیروئن) مہارانی لکشمی بائی جی کا ۔ جن کے بارے میں ان کے کٹر دشمنوں اور بدخواہوں کو بھی یکزباں ہو کر یہ فتوے دینا پڑا ہے کہ اس تمام علاقے کی سخت ترین جنگ و جدل کی روح رواں وہی تھیں ۔ اور اتنا تو اس میدان جنگ کے آخری واقعات سے بھی پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے ۔ کہ اس بغاوت کے ابتدائی مرحلوں میں ۔ جیسا کہ ہم جا بجا ثابت کر چکے ہیں ۔ جہاں ان کا کچھ بھی ہاتھ نہ تھا ۔ وہاں جب بعض انگریز افسروں نے اپنی تنگ دلی اور ان مخالفانہ جذبات کے

مالخت۔ جو ان کے دلوں میں اس لئے مہارانی لکشمی بائی کے خلاف جگہ پکڑ گئے تھے۔ نہ ان کی انگریز سرکار جان بوجھ کر مہارانی جی کے ساتھ سخت بے انصافی کرتی رہی تھی۔ اس لئے وہ کبھی بھی مہارانی جی کو اپنا حقیقی خیراندیش نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اور انہیں اپنا جانی دشمن ہی خیال کرتے تھے۔ اسی لئے وہ چالباز نتھے خاں کی بے بنیاد اور جھوٹی رپورٹ کو آسمانی وحی خیال کرکے اس پر ایمان لے آئے۔ اور اس سے متاثر ہو کر انہوں نے اپنی تمام فوجی طاقت جھانسی اور مہارانی جھانسی کو ملیامیٹ کرنے پر مرکوز کر دیں۔

ادھر مہارانی بھی اپنی بہادرانہ حوصلہ مندی اور عالی ہمتی سے۔ جو خصلتاً اور طبعاً ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ہر طرح انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئیں اور آخری دم تک۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں درج کیا جائے گا۔ انہوں نے انگریزی جور و جبر کی فوجی طاقت کے سامنے کبھی سر نہ جھکا کر اپنے جانی دشمنوں سے بھی خراج تحسین حاصل کیا

چنانچہ ان کے سب سے بڑے دشمن سر ہیوز روز کو بھی۔ جو جھانسی کو ملیامیٹ کر دینے کی قسم کھا کر ہی بمبئی سے روانہ ہوئے تھے۔ مہارانی لکشمی بائی کے بارے میں آخر اپنی یہ رائے ظاہر کرنی پڑی کہ "سبھی باغی سرداروں میں رانی جھانسی سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ قابل فوجی لیڈر ثابت ہوئی ہیں۔"

صرف سر ہیوز نے ہی نہیں بلکہ مہارانی کے سب سے زیادہ سخت مخالف مؤرخ میجر میلسن کو بھی۔ جس نے ان کے خلاف سخت سے سخت زہر اگلنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اپنی تاریخ غدر کی جلد ۵ کے صفحہ ۱۴۲-۱۴۳ پر جھانسی کے محاذ غدر پر باغیوں کے جو لیڈر کام کر رہے تھے۔ ان

سب کی قابلیتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ لکھنا پڑا ہے کہ :-

" ان باغی لیڈروں یعنی راؤ صاحب - نواب صاحب باندا۔ تانتیا ٹوپی اور رانی جھانسی کے کارناموں پر غور کرتے ہوئے ان میں سے پہلے دو یعنی راؤ صاحب اور نواب صاحب کو تو ویسے ہی نظر انداز کر دینا پڑتا ہے۔ کیونکہ ان میں نہ تو چال چلن کی وہ خوبیاں ہی موجود تھیں اور نہ وہ خلقی تیز فہمی و دور اندیشی ہی جو کسی وسیع فوجی اور جرأت آزما تجویز کو سوچنے اور عمل میں لانے کے لئے سب سے زیادہ لازمی و لابدی خیال کی جاتی ہیں۔ اب رہ گئے تانتیا ٹوپی اور مہارانی جھانسی - ان دونوں میں سے تانتیا ٹوپی کو ہم اس لئے نظر انداز نہیں کرتے کہ وہ خود کوئی اہم فوجی تجویز یا سوچنے کے ناقابل تھا۔ بلکہ صرف اس لئے کہ اس نے خود اپنی خود نوشت سوانحعمری میں - اپنی فوجی زندگی کے سب سے زیادہ کامیاب کارناموں کو اپنی سمجھ بوجھ کا نتیجہ ظاہر کر کے - ان پر فخر نہیں کیا۔ ہاں البتہ ان سب میں سے چوتھے سازشی یعنی رانی جھانسی میں خلقی طور پر وہ تیز فہمی - جرأت اور جوصلہ افزوز مایوسی کی تمام صفات موجود تھیں۔ جو عظیم الشان کارناموں کے لئے بہت ضروری بلکہ لازمی و لابدی خیال کی جاتی ہیں۔ انتقام کی خواہش اور خون آلود ضمیر کی بدولت اس کے دل میں ہمارے لئے ایک ایسی زبردست نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ جو اسے برانگیختہ کرتی اور ابھارتی رہتی تھی۔ اور اس کے من میں یہ مستقل ارادہ پیدا کرتی رہتی تھی۔ کہ جب تک بھی موقع ملے۔ تبھی تک وہ اپنی پوری

پوری طاقت سے ہم پر سخت سے سخت وار کرتی رہے۔ اور اس
کے لئے جو بھی امکان اس کے سامنے پیش ہوتا تھا۔ اسے وہ
پہچان بھی خوب سکتی تھی۔ بلکہ ساتھ ہی اس کے وہ یہ بھی اُمید
کر سکتی تھی۔ کہ اگر ایک وار بھی کامیاب ہو جائے تو شاید وہی اس
مہم کی قسمت بدل دے۔ جو اس کے سامنے درپیش ہے! پھر
اسے کم از کم اپنے ایک ساتھی یعنی راؤ صاحب پر ایک لامحدود رسوخ
حاصل تھا۔ جس سے وہ پورا پورا کام لیتی تھی۔"

اگرچہ میجر میلسن صاحب نے اپنی اس تحریر میں نانا صاحب کے سیناپتی تانتیا ٹوپی کے کارناموں کی طرف نہایت مختصر الفاظ میں اشارہ کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اسکی کامیابی کا فخر بھی۔ بقول تانتیا "خود انہیں" حاصل نہیں۔ لیکن پھر بھی جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں تانتیا ٹوپی کی دھاک انگریز دنیا میں دور دور پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ ان کے بارے میں لندن کے مشہور روزانہ اخبار "ڈیلی نیوز" نے یہ لکھا تھا کہ :۔

"تانتیا ٹوپی مہاراشٹر کے ایک ادنےٰ برہمن ونش سے سمبندھ رکھتا ہے۔ اس کی عمر قریباً ۴۰ سال کی ہے۔ وہ بڑا جری ہمت جفاکش مستقل مزاج اور بہادر ہے۔ اس کا چہرہ بھرا ہوا۔ بارعب ۔ پُر نور اور پُر جلال ہے۔ اس کی آنکھوں سے ایک عجیب چمک نکلا کرتی ہے۔ اس کا جسم گٹھیلا۔ قد لمبا ۔ پیشانی چوڑی اور اونچی۔ رنگ گورا ہے ۔ وہ ہمیشہ سادہ پوشاک پہنتا اور سادہ خوراک کھاتا ہے۔ ڈاکے ڈالنا اور لوٹ مار کرنا ہی اس کا کام ہے۔ وہ اگرچہ ناتعلیم یافتہ ہے۔ مگر پھر بھی حد درجہ مکار اور عقلمند ہے۔ اپنے

ساتھیوں سے اسے خاص محبت ہے۔ اسی لئے ہزاروں شوروبر اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ وہ اکیلا کبھی نہیں گھومتا ہمیشہ ۲۰۔ ۲۵ سوار اپنے جسمانی محافظوں (باڈی گارڈ) کے طور پر اپنے ساتھ رکھا کرتا ہے۔ اس کی باتوں میں وہ جادو ہے۔ کہ وہ جسے چاہتا ہے اپنے قابو میں کر لیتا ہے۔ غریبوں کو گپت دان دینے اور مالداروں کو لوٹنے کا اسے خاص شوق ہے۔ وہ دن رات گھوڑے پر سوار رہنے سے بھی نہیں تھکتا۔ ایک دن میں گھوڑے کی پیٹھ پر سَو سوا سو میل کی دوڑ لگا لیتا تو اس کے لئے معمولی سی بات ہے۔ وہ اپنے آپ کو ناناصاحب کا نمایندہ ظاہر کیا کرتا ہے وغیرہ وغیرہ"

لندن کے دوسرے مشہور اخبار "ٹائمز" میں اس کے نامہ نگار مقیم ہندوستان مسٹر رسل نے اپنی ۴ دسمبر ۱۸۵۸ء کی رپورٹ میں یہ لکھا تھا کہ:۔

"ہمارا عجیب و غریب دوست تانتیا ٹوپی اتنا ہوشیار اور تکلیف دہ ہے کہ میں اس کی تعریف کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔ اس نے ہمارے بہت سے شہر تباہ کر دیئے ہے۔ خزانے لوٹ لئے میگزین خالی کر دیئے۔ فوجیں جمع کیں اور کٹوا ڈالیں۔ والیان ریاست سے توپیں چھین لیں اور کھو دیں۔ پھر چھینیں اور پھر کھو دیں۔ اپنی تیز رفتاری میں وہ بجلی کو بھی مات کرتا ہے۔ ہفتوں تک روزانہ تیس تیس چالیس چالیس میل کی رفتار سے سفر کرتا رہتا ہے۔ ابھی ابھی ہماری فوجوں کے آگے آگے نظر آتا ہوا اچانک ہی پیچھے جا پہنچتا ہے۔ کوئی ہوائی جہاز بھی شاید اپنی

بہترین مشینری کی مدد سے یہ کرتب ایسی خوبی کے ساتھ نہ کر سکے گا۔ پہاڑوں کی چڑھائی پر۔ دریا کے بہاؤ پر۔ غاروں میں۔ گھاٹیوں میں۔ دلدلوں میں۔ غرضیکہ کہیں بھی۔ آگے پیچھے۔ اوپر نیچے۔ ادھر اُدھر اس کے آنے جانے میں کوئی روک ٹوک کام نہیں دے سکتی۔ پیچ پیچ رستوں میں چکّہ کاٹتا ہوا وہ اچانک ہی ہماری ڈاک گاڑیوں پر باز کی مانند جھپٹا مار کر کبھی تو ہماری بمبئی کی ڈاک اُڑا لے جاتا ہے۔ کبھی کوئی گاؤں لوٹ پاٹ کر پھونک جاتا ہے اور پھر اس حملہ آور کو کوئی پکڑ بھی نہیں سکتا۔"

اسی ویر تانتیا ٹوپی کے بارے میں میجر ایوانس بیل نے اپنی مشہور کتاب "ایمپائر ان انڈیا" میں یہ لکھا ہے کہ:۔

"تانتیا ٹوپی نے اپنے کارناموں میں مدافعتی جنگ کی جو منفی کارگذاریاں ظاہر کی ہیں اگر وہ ان میں کسی قدر اور بہادری و جرأت بھرے مثبت یعنی حملہ آورانہ کارنامے بھی شامل کر دیتا۔ تو وہ یقیناً ہندو گیری بالڈی کا اعلیٰ رتبہ حاصل کر سکتا تھا"

گیری بالڈی کے بارے میں ہمارے پریمی پاٹھکوں کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اٹلی دیش کے اس بہادر جانی سیوک نے وہاں کے ایک دوسرے دیسی ہی بہادر اور من چلے دیش بھگت نبتا زندہ جاوید میزنی کے ساتھ مل کر اس زمانے کے غلام اٹلی کے لیئے آزادی حاصل کرنے کی جانبازانہ کوششوں سے۔ اٹلی کے قومی اتہاس میں ایک ایسا اعلیٰ مقام پیدا کر لیا ہے جو قیامت تک اسی کا ہی حصّہ سمجھا جائے گا۔

ایسے تھے یہ ویر تانتیا ٹوپی۔ جن کے چرکھاری ریاست کی طرف رُخ کرنے کی خبر سُنتے ہی۔ گورنر جنرل کو اپنے وفادار دوست چرکھاری نریش کی فکر پڑ گئی۔ حالانکہ کہا یہ جاتا ہے کہ تانتیا ٹوپی جی کے پوجیہ پتا جی اس وقت وہیں چرکھاری میں یا اس کے آس پاس ہی کہیں پر موجود تھے۔ اور وہ ان ہی کے درشنوں کے لئے وہاں گئے تھے۔ اسی لئے شاید گورنر جنرل نے یہ سوچ کر۔ سر ہیوز روز کے نام یہ حکمنامہ بھیج دیا تھا کہ کہیں جھانسی پر ہمارے حملے کی خبر سن کر تانتیا پہلے ہمارے دوست چرکھاری راج کا خاتمہ کر کے ہی مہارانی جھانسی کی مدد کے لئے جھانسی کی طرف نہ چل پڑے۔ اور ادھر جھانسی میں جنگ چھڑ جانے پر سر ہیوز کو مہارانی اور تانتیا کی مشترکہ فوجوں سے نپٹنا مشکل نہ ہو جائے۔ اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ پہلے تانتیا سے نپٹ کر پھر جھانسی پر حملہ کیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ چھچن پور سے چرکھاری کا فاصلہ ۸۰ میل تھا۔ اور جھانسی کا صرف ۱۴ میل کا۔ لیکن پھر بھی گورنر جنرل یہ خوب جانتے تھے کہ تانتیا کے لئے ایک دن میں ۷۰۔۸۰ میل کا دھاوا مار لینا بھی کوئی بڑی بات نہیں۔ کیونکہ اس کے سبھی کام طوفانی تیزی کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔

لیکن ادھر سر ہیوز کسی اور ہی خیال میں تھے۔ اس لئے پہلے تو وہ یہ حکمنامہ پا کر کچھ پریشان سے ہو گئے مگر سر رابرٹ ہملٹن۔ بندیل کھنڈ کے پولٹیکل ایجنٹ نے۔ جو ان کے ساتھ ہی ساتھ تھے۔ انہیں گورنر جنرل کے اس حکمنامے کی طرف کچھ بھی توجہ نہ دینے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ وہ خود بھی سر ہیوز کی مانند سب سے پہلے جھانسی کا خاتمہ کر ڈالنے کے لئے بے چین تھے۔ اس لئے اُنہوں نے سر ہیوز سے کہا کہ "اگر ہم اس وقت گورنر جنرل کے حکم

کی تعمیل میں چرکھاری کی طرف چل دیجیے۔ تو نہ جانے اس عرصہ میں مہارانی اپنے قلعہ کی حفاظت کے لئے کیا کیا انتظام نہ کر ڈالے؟ اس صورت میں یہ قلعہ فتح کرنا ہمارے لئے مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے ہمیں جلد سے جلد اس پر حملہ کر کے۔ اسے اپنے قابو میں لانے کی ہی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ سارے بندیل کھنڈ میں باغیوں کا یہی سب سے بڑا مرکز ہے اس پر قابو پاتے ہی ہم اس علاقے کے سب باغیوں کی ایک طرح سے کمر توڑ ڈالیں گے۔ آپ گورنر جنرل کے اس حکم کی کچھ پروا نہ کریں! میں اپنی ذمہ داری پر انہیں سب صورت حال اچھی طرح سمجھا کر لکھے دیتا ہوں اس علاقے کا مقامی افسر ہونے کے باعث یہاں سے جو حالات مجھے معلوم ہو سکتے ہیں وہ اتنے دور بیٹھے ہوئے گورنر جنرل کو ہرگز نہیں ہو سکتے۔ پھر ان کے لئے جو ذمہ داری میری ہے۔ وہ گورنر جنرل کی ہے بھی نہیں۔ اس کے بعد کالپی پر حملہ کرنے کے متعلق ہم نے اپنا جو پروگرام بنا رکھا ہے چرکھاری جانے سے وہ بھی سب بگڑ جائے گا۔"

سرہیوز خود یہی چاہتے تھے۔ مسٹر رابرٹ کی یہ منطق ان کے لئے "اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ بن گئی۔ اس لئے وہ جھانسی پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں تہ دل سے مصروف ہو گئے۔ اور سر رابرٹ نے گورنر جنرل کے حکمنامے کے جواب میں اپنی سب متذکرہ بالا دلیلیں اور بھی زیادہ زوردار اور مفصل پیرایہ میں تحریر کر کے آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ "اگرچہ مجھے یہ تسلیم کرنے میں کچھ بھی عذر نہیں کہ اس وقت راجہ چرکھاری کی مدد بھی ہمیں ضرور کرنی چاہیئے۔ مگر موجودہ صورت حالات میں ہم اپنی سب فوج چرکھاری لے جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں سمجھتے۔ کیونکہ جھانسی

پر ہمارے اس حملے کی خبر سنتے ہی۔ چرکھاری تو کیا۔ تمام علاقے کے باغی خود بخود رانی کی مدد کے لئے جھانسی کھینچے چلے آئیں گے۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ان کے یہاں پہونچنے سے پہلے ہی ہم قلعہ جھانسی پر اپنا قبضہ جمالیں۔ تاکہ پھر ان سب کی تمام کوششوں کو بیکار کر ڈالنے میں ہمیں پوری پوری سہولیت رہے"

لیکن مہارانی لکشمی بائی کی جرأت و جانبازی نے جلد ہی سر ہیوز اور سر رابرٹ ہملٹن پر یہ ثابت کر دیا کہ جھانسی پر اتنی جلدی قبضہ پانا کوئی ہنسی کھیل نہیں۔ بہر حال ۲۰ مارچ ۱۸۵۸ء کو سر ہیوز نے اپنے تمام لاؤ لشکر سمیت صبح کے ۷ بجے پورے جوش خروش کے ساتھ چنچن پور سے جھانسی کی طرف دھاوا بول دیا۔

---

(۲۱)

نامہ و پیام

یہ تو ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ جب باغیوں نے قلعہ فتح کرکے۔ وہاں پناہ گزین انگریز مردوں۔ عورتوں اور بچوں کے قتل عام سے اپنے بے رحم دل میں بھڑکی ہوئی خون کی پیاس بجھائی تو پھر دہلی جانے سے پہلے مرض اور مارچ کے زیر اثر انہوں نے مہارانی لکشمی بائی جی کے راج محل کو بھی جا گھیرا اور اسے بھی تباہ و برباد کرنے کے درپے ہو گئے۔ لیکن مہارانی جی نے اپنے لاکھ سوا لاکھ روپے کے جڑاؤ زیوران کی نذر کرکے اپنے راج محل اور اس میں

رہنے والے اپنے سبھی متعلقین اور ملازموں کی جانیں کم از کم اس وقت کے لئے تو ان وحشیوں کے جوشِ غضب سے بچالیں۔ لیکن پھر انہوں نے سوچا کہ ہم سب اس طرح کب تک محفوظ رہ سکتے ہیں۔ چند روز کے بعد بھی یا ایسے ہی خودسر بلوائیوں کا کوئی اور جتھا اسی طرح ہمارے راج محل پر چڑھ آیا۔ تو ان کے ہاتھوں سے ہم کس طرح بچیں گے۔ یہ بھی کچھ دے دلا کر بچ بھی گئے تو آیندہ بھی ہم کب تک اس طرح برابر لوٹے جاتے رہیں گے۔

اس لئے یہی مناسب ہے کہ ہم بھی کچھ ہمت و جرأت سے کام لے کر اپنی طاقت اتنی بڑھالیں۔ کہ کسی کو بھی ہمارے راج محل بلکہ شہر و قلعے کی طرف بھی آنکھ بھر کر دیکھنے کا حوصلہ نہ پڑے۔ اور ہم اس بے سِری فوج کی لوٹ مار سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیں۔

یہ خیال دل میں پیدا ہوتے ہی بلند ہمت اور عالی حوصلہ مہارانی نے آہستہ آہستہ اپنی فوجی طاقت کو جس طرح بڑھانا شروع کیا۔ اس کا ذکر بھی ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی ناظرین پر بخوبی ظاہر ہو چکی ہے کہ ان کی یہ دور اندیشی ہی سدا شو ناراین نیز نتھے خاں جیسے زبردست دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے وقت کیسے کام آئی؟ مگر نتھے خاں کے پسپا ہو جانے کے بعد بھی وہ بے فکر ہو کر نہ بیٹھ سکیں۔ کیونکہ وہ یہ خوب اچھی طرح سمجھ چکی تھیں کہ شرارت پسند اور حریص طبع نتھے خاں اس طرح ایک مرتبہ ہار کر بھی اس وقت تک اپنی شرارتوں سے باز آنے اور چین سے بیٹھنے والا نہیں جب تک کہ اس کا بھی وہی حشر نہ کیا جائے جو کہ سدا شو ناراین کا کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے لئے ایک نہایت زبردست فوج اور بے اندازہ سامانِ جنگ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس لئے اب انہوں نے اپنی سب طاقتیں انہیں

کوششوں میں لگا دیں۔

اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے اُنہوں نے جہاں ایک طرف اپنے تمام علاقے میں دور و نزدیک کے من چلے بہادروں کو اپنی فوج میں بھرتی کر کے ان کی حوصلہ افزائی شروع کی۔ وہاں ساتھ ہی اس کے، انہیں زمانہ امن میں مصروف اور کارآمد کاموں میں لگائے رکھنے کی غرض سے ۱۸ طرح کے مختلف کارخانے بھی جاری کر دئے۔ جن میں ان سے گولہ بارود۔ توپ بندوق برچھی بھالے۔ تلوار کٹار وغیرہ سبھی فوجی ضروریات کے علاوہ زندگی کی روزانہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اور بھی سب طرح کا کارآمد سامان تیار کرانے لگیں۔ انہیں دنوں میں اُنہوں نے اپنی پُرانی اور مشہور تاریخی توپوں بھوانی شنکر، کڑک بجلی۔ گھن گرجن۔ نالدار وغیرہ وغیرہ کے نمونے کی اور بھی بہت سی توپیں تیار کرا لیں۔ جن کی تعداد پچاس سے زیادہ کہی جاتی تھی۔ بعض مؤرخوں کا خیال ہے کہ ان توپوں کی مار کا مقابلہ کر سکنے والی توپیں اس وقت تک انگریزوں کے پاس بھی موجود نہ تھیں۔

لیکن یہ سب تیاریاں ملک میں ہر طرف پھیلی ہوئی اور لوٹ مار کرتی پھرتی ہوئی باغی فوجوں کی روک تھام کے لئے ہی تھیں۔ انگریزوں سے بھی کبھی کوئی ٹکرا آپڑنے کا تو خیال تک بھی اس وقت ان کے دل میں کبھی نہیں آنے پایا تھا۔ کیونکہ وہ پھر بھی انگریزوں کو بہ حیثیت ایک قوم کے ان باغی سرداروں کی نسبت زیادہ منظم اور زیادہ تعلیم یافتہ ہونے کے باعث زیادہ با اصول اور زیادہ منصف مزاج سمجھتی تھیں — اسی لئے ان باغی فوجوں کے مقابلے میں ان کی ہمیشہ مدد کرتی رہی تھیں۔ اور یہ بھی سمجھ بیٹھی تھیں کہ بروقت ضرورت ہمیں جو سہایتا دیر انگریزوں سے مل

سکتی ہے۔ وہ کبھی بھی کسی باغی سردار سے نہیں مل سکتی ہے۔
لیکن بدقسمتی تو یہ تھی کہ اس سلسلے میں وہ وقتاً فوقتاً جو خط انگریز افسروں کو بھیجتی رہیں۔ وہ یا تو ان کے مخالفوں کی پوشیدہ ریشہ دوانیوں کی بدولت انگریز سرکار تک پہنچ ہی نہیں سکے۔ اور اگر پہونچے بھی۔ تو ان کی طرف پوری پوری توجہ نہیں دی گئی۔ اور نہ ان کی صداقت پر ہی اعتماد کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کے دلوں میں مہارانی جی کے خلاف بے اعتمادی روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ اور انگریز افسر ہر طرح ان کی تباہی و بربادی کے درپے ہو گئے۔ اسی لئے مہارانی کے انگریزوں کی ہر طرح وفادار اور خیر اندیش ہوتے ہوئے جب بھی انگریز انہیں ایک باغی مخالف کی مانند بغاوت کی سزا دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ تو آخر انہیں بھی مجبوراً باغی مرہٹہ سردار نانا صاحب پیشوا کے بڑے بھائی راؤ صاحب کے ساتھ مل جانا پڑا۔ جو بچپن میں ہی ان کے ساتھ پرورش اور تعلیم پاتے اور ہر کھیل کود نیز سیر وشکار میں شریک رہے تھے۔ اور اس لئے جو انہیں اپنی چھوٹی بہن کی مانند سمجھتے اور مانتے تھے۔
یہی وجہ تھی کہ پہلے تو جب مہارانی نے سر ہیوز روز اور ان کی گرانڈیل فوج کی جھانسی پر چڑھائی کی خبر سُنی۔ تو انہیں یقین ہی نہیں آیا۔ کیونکہ اس حملے کی کوئی بھی قابل اعتماد وجہ ان کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ لیکن جب انہیں اس خبر کی تصدیق بھی ہو گئی تو انہوں نے اپنے مشیروں کی کونسل بلا کر اس کے سامنے یہ سوال پیش کیا۔ کہ اب کیا کیا جائے؟
دور اندیش اور معاملہ فہم سردار نانا بھوپت کرنے بہت کچھ سوچ وچار کر کہا کہ "سب سے پہلے تو ہمیں گوالیار اور اندور کے پولٹیکل ایجنٹ صاحب کے پاس اپنا کوئی معتمد پیغامبر بھیج کر انہیں یہ یقین دلانا چاہیئے کہ ہم

ہر طرح سرکار انگریزی کے وفادار اور خیر اندیش ہیں۔ اور پچھلے دس مہینوں میں ریاست جھانسی کے انتظامات کی جو نگرانی ہم کرتے رہے ہیں۔ وہ بھی ساگر کے پولٹیکل افسر کے حکم اور اجازت سے انگریزوں کے ذمہ دار نمایندے کی حیثیت سے کی گئی ہے۔ چنانچہ محاصرہ جھانسی کے وقت ہم نے کوئی اختیارات اور طاقت نہ ہوتے ہوئے بھی۔ اپنے آپ کو باغیوں کے غیض وغضب کا نشانہ بنانے کے خطرے میں ڈال کر بھی قلعہ بند انگریزوں کو ہر طرح آدمیوں اور سامان سے مدد پہونچائی ہے۔ اور اس کے بعد بھی سداشو نارائن اور نتھے خاں جیسے زبردست باغیوں کی سرکوبی کر کے ہم نے اس علاقے کو انگریزی حکومت کے لئے محفوظ رکھا ہے۔ یہ سب کارگذاری ہم نے انگریز سرکار کے ایک وفادار دوست اور نمائیندے کی حیثیت سے ہی کئے ہیں۔ اس لئے ہمیں باغی سمجھ کر ہمارے ساتھ لڑائی چھیڑنا سرکار کی بڑی بھاری بھول ہوگی۔"

تجربہ کار مدبر بھوپت کر جی کی یہ رائے مہارانی جی کو بہت پسند آئی۔ اور ان ضروری خدمات کو سرانجام دینے کے لئے ایک ہوشیار فصیح اور معاملہ فہم انگریزی دان پیغام رساں کی تلاش شروع ہوئی۔ چنانچہ ایک قابل شخص کو یہ سب باتیں خوب سمجھا بجھا کر اور اسی مقصد کی ایک تحریری درخواست بھی اسے دے کر پولٹیکل ایجنٹ گوالیار کی خدمت میں بھیجا بھی گیا۔ لیکن بدقسمتی سے وہ ان نہایت اہم خدمات کے لئے بالکل نااہل ثابت ہوا۔ اور نہ جانے کیوں ریاست گوالیار کے علیے گڑھ صوبے میں اپنے رشتہ دار رام چندر باجی راؤ کے یہاں بیٹھے بیٹھے ہی۔ شاید اس کے صلاح مشورے سے جھانسی دربار کے ساتھ جھوٹی اور فرضی خط وکتابت

کرکے مہارانی جی کو دھوکا دیتا رہا۔

اس طرح وہ مہارانی کے ساتھ وشواس گھات کرکے ان کی تباہی کا موجب بنا۔ کیونکہ اس کی اس حماقت کی بدولت انگریز افسروں کو جو پہلے سے ہی مہارانی جی سے کچھ کم بدظن نہیں تھے۔ ان کی بغاوت کا یقین اور بھی پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا گیا۔ اور صورت احوال روز بروز بد سے بدتر ہی ہوتی چلی گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ ۲ر مارچ کو سر ہیوز روز نے چنچن پور سے جھانسی کی طرف کوچ کر دیا۔ یہ خبر پاکر جھانسی میں سخت بے چینی اور اضطراب پھیل گیا۔ اور سب یہ سوچنے لگے۔ کہ اب کیا کیا جائے؟

ابھی مہارانی جی اور ان کے سب مشیر یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اتنے ہی میں ایک چوبدار نے یہ خبر دی کہ انگریزی فوج سے ایک پیغامبر کچھ سندیسہ لایا ہے۔ فوراً اسے با عزت اندر لایا گیا۔ اس نے مودبانہ انداز سے فوجی سلام کرکے ایک سربمہر لفافہ نذر کیا۔ منتری جی نے لفافہ کھول کر خط نکالا۔ اور سب کو سنایا۔ اس میں لکھا تھا۔

از چنچن پور کیمپ

۲ر مارچ ۱۸۵۸ء

رانی لکشمی بائی جی!

تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم معہ اپنی فوج کے یہاں پہنچ گئے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ تم بغیر کسی پس و پیش کے اپنے آٹھوں مشیر سمیت غیر مسلح ہوکر دو دن کے اندر اندر ہم سے ہمارے کیمپ میں آکر ملو۔ تاکہ تمہارے مستقبل کے بارے میں کچھ فیصلہ کیا جائے

ان مشیروں کے نام مندرجہ ذیل ہیں :-
(۱) دیوان لکشمن راؤ راج منتری (۲) دیوان جواہر سنگھ کیبلے والے پوار
(۳) دیوان رگھوناتھ سنگھ (۴) سردار لالہ بھاؤ بخشی (۵) سردار مورو پنت
تانبے (۶) سردار نانا بھوپت کر (۷) سردار غلام غوث خاں (۸) سردار بھوپکر
اگر اس حکم کی تعمیل نہ کی گئی۔ تو سخت سرزنش کی جائے گی۔ فقط
مورخہ ۲۰ مارچ ۱۸۵۸ء سر ہیوز روز جنرل کمانڈر
انچارج افواج انگریزی

انگریز کمانڈر کا یہ پیغام سنتے ہی اوّل تو مہارانی جی کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ لیکن وہ خون کا سا گھونٹ پی کر خاموش رہ گئیں۔ پھر انہوں نے اپنے پتا مورو پنت جی سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ قاصد کو لے جا کر اس کے قیام اور مناسب خاطر تواضع کا انتظام کر دیا جائے۔ جب اس خط کا جواب تیار ہو جائے گا تو اسے بلا کر جواب اس کے حوالے کر دیا جائے گا "

جب قاصد مودبانہ سلام کر کے مورو پنت جی کے ساتھ چلا گیا۔ تو مہارانی جی نے دیوان لکشمن راؤ اور اپنے دوسرے مشیروں کو خطاب کر کے کہا "ویر سجنو! آپ نے انگریز کمانڈر کا مطالبہ سن لیا ہے۔ اس نے ہمیں بالکل ہی کمزور بزدل اور بے غیرت سمجھ کر ہم سے یہ ایسی مانگ کی ہے۔ جسے کوئی بھی ویر یودھا سننا تک برداشت نہیں کر سکتا۔ ماننے کی تو بات ہی کیا ہے۔ اسے شاید یہ معلوم نہیں کہ

---

(۱)۔ اس فہرست کے پورے پورے نام کسی بھی تاریخی کتاب میں درج نہیں۔ اصل تصنیفات میں میں صرف چار ہی نام ملتے ہیں۔ لیکن یہ بھی سب میں لکھا ہے کہ رانی کے آٹھ مشیر بلائے گئے تھے۔ اس لئے ہم نے دیوان جواہر سنگھ دیوان سنگھ کے نام بھی (پچھلے جنگ میں رگھوناتھ خاں کے ساتھ ہوا تھا) ان کی اہمیت اور خدمات کے پیش نظر اس فہرست میں شامل کر دیے ہیں تو بھی سردار غلام غوث خاں اور ... کی اہمیت تھی۔ صاف ظاہر ہے۔

ہم مہاراشٹر ویر جہاں مان سمان سے جینا جانتے ہیں۔ وہاں وقت آپڑنے پر اپنی آن و شان پر مرنا بھی خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہمیں ہرگز یہ امید نہ تھی۔ کہ سرکاری انگریزی ہماری تمام پچھلی خدمتوں اور اس زمانہ غدر کی وفاداریوں کا ہمیں یہ صلہ دیگی۔ اور ہمیں اتنا۔ قابل مذمت کائر سمجھ کر ہم سے ایسی کوئی مانگ کرے گی۔ جسے ٹھنڈے دل سے سننا بھی ہماری شکتی سے باہر ہو جائیگا۔ کیا آپ انگریز کمانڈر کی یہ مانگ سویکار کر کے کائر بزدلوں کی مانند بے عزت ہو کر سنسار میں جینا پسند کریں گے کیا ان کے انیائے اتیاچار کا شکار ہو کر پھانسی پر لٹکنا آپ کو منظور ہو گا؟۔۔۔۔"

مہارانی جی کی یہ پرزور تقریر سنتے ہی۔ سبھی ویر لیسے جوش میں آگئے۔ کہ سارے آداب مجلس بھول کر۔ مہارانی جی کی بات بیچ میں ہی کاٹتے ہوئے یکزباں ہو کر۔ بول اٹھے "ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!"

ان کا یہ بہادرانہ جوش و خروش دیکھ کر مہارانی جی نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا۔" ویر یودھاؤ! آپ سب کا یہ آتم سمان رخودداری ابھرا بہادرانہ جوش دیکھ کر ہمیں بہت ہی آنند اور سنتوش ہوا ہے۔ لیکن ہم یہ ہرگز نہیں چاہتے کہ آپ سب صرف جوش میں بھر کر بے سوچے سمجھے ہی کوئی ایسا فیصلہ کر لیں۔ جس پر پیچھے پچھتانا پڑے۔ اس لئے یہ خوب سوچ سمجھ لیں۔ کہ اگر ہم انگریز کمانڈر کی یہ مانگ سویکار کر کے دو دن کے اندر ان کے کیمپ میں حاضر بھی ہو جائیں۔ تو بھی ہمارا زندہ رہنا یقینی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارا سب گھر بار ضبط کر کے ہمیں جلاوطن کر دیں۔ یا کہیں دور یا نزدیک ہی کسی قلعے میں نظر بند یا قید کر دیں۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ ہمیں ہماری پڑوسی بان پور نرلش کے سرداروں اور درباریوں کے سمان۔ ساری انگریز فوج اور رعایا کے آگے

سامنے ہی کسی پاس کے پیڑ پر پھانسی کے پھندے میں لٹکا دیں۔ میں نے تو اپنے لئے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں یہ کائروں کی سی موت ہرگز نہیں مروں گی۔ آپ سب بھی اپنے اپنے لئے جو چاہیں فیصلہ کر لیں۔ آپ کو یہ پورا پورا اختیار ہے۔ میں کسی پر بھی اس آخری فیصلے کے بارے میں کوئی زور ڈالنا نہیں چاہتی"

مہارانی جی کی یہ مدلل تقریر سن کر سب سردار ایک منٹ کے لئے خاموش ہو گئے۔ پھر مہارانی جی نے ایک ایک سے فرداً فرداً اس کا فیصلہ پوچھا۔ تو ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ "ہم بھی انگریزوں کے کیمپ میں حاضر ہو کر اپنے آپ کو انگریزوں کے رحم پر چھوڑنے کو تیار نہیں۔ آپ کے پیچھے پیچھے میدان جنگ میں لڑ کر ویر گتی کو پراپت ہونا ہی ہزار بار پسند کریں گے"

اپنے سبھی ویر یودھاؤں کے منہ سے یہ جواب سنکر مہارانی جی بہت خوش ہوئیں۔ اور انہیں ہر طرح شاباش دے کر ان کا حوصلہ بڑھانے لگیں۔ اس کے بعد سب کے مشورے سے مندرجہ ذیل مراسلہ تیار کر کے قاصد کے حوالے کر دیا گیا:۔

راج محل جھانسی
۲۰ مارچ ۱۸۵۸ء

کمانڈر صاحب!

آپ کا پروانہ ملا۔ ہمیں یہ آشا ہرگز نہیں تھی۔ کہ اب تک ہمارے پوجیہ بزرگوں نے اور خود ہم نے (غدر کے ان سخت ایام میں) اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر بھی۔ سرکار انگریزی کی جو خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کی یہ قدر کر کے ہماری اس طرح حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ شاید اس سے پہلے سرکار

سرکار انگریزی کی ہر بے انصافی اور غلط فیصلے کے سامنے اپنا سر جھکا کر اور اسے پوری خاموشی سے برداشت کر کے ہم نے اب تک جو کمزوری دکھائی ہے۔ اس سے ہی آپ نے شاید یہ اندازہ لگا لیا ہے۔ کہ ہم آپ کے اس بے انصافی بھرے غلط فیصلے کو بھی چپ چاپ منظور کر کے اپنی اور اپنے پیارے اور قابل عزت معتمد سرداروں کی بیش قیمت جانیں۔ آپ کے رحم پر چھوڑ دیں گے۔ اور بے چون و چرا آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔

"لیکن سٹر میان جی! ہم اس کے لئے ہر گز تیار نہیں۔ کیونکہ جہاں ہم ایک طرف پُر امن طور پر اور عزت کے ساتھ جینا جانتے ہیں۔ وہاں ہی ہم مہا دیر یودھاؤں کے سمان میدان جنگ میں لڑتے لڑتے اپنے اس فانی شریر کا انگ انگ کٹواتے ہوئے ویر گتی کو پراپت ہونا بھی جانتے ہیں۔ اس لئے آپ یہ آشا ہر گز نہ رکھیں کہ ہم آپ کی سینا سے۔ چاہے اپنی تعداد میں ہماری سینا سے کتنی بھی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اور آپ کی توپوں، بندوقوں وغیرہ سامان جنگ سے چاہے وہ کیسے بھی خوفناک کیوں نہ ہو۔ خوف زدہ ہو جائیں گے اور اپنے پاپی پران بچانے کے لئے اپنی جانوں پر کھیلے بغیر ہی آپ کو اپنے قلعہ میں قدم رکھنے کی اجازت دے دیں گے۔ نہیں! یہ ہر گز نہ ہو گا! آپ ہماری لاشوں کی بجائے ہمارے جیتے جاگتے ہوئے شریروں کے کبھی درشن نہ پا سکیں گے۔ اگر پائیں گے بھی تو میدان جنگ میں ہی پائیں گے۔ اپنے کیمپ میں ہر گز نہ پائیں گے۔

"آپ نے اپنے اس پروانے میں ہماری اس طلبی کا کارن بھی کوئی نہیں لکھا۔ جسے ہم اپنا صریحاً اپمان سمجھتے ہیں۔ پھر آپ نے اس میں جو شرطیں لکھی ہیں۔ وہ تو کسی طرح بھی قبول نہیں کی جا سکتیں۔ ہم یہ نہیں سمجھ سکتے

کہ انگریزی سرکار اپنے ایسے پرانے اور وفادار دوستوں کا اس طرح کیوں اپمان کر رہی ہے؟ ایسی حالت میں ہم یہ کیسے وشواس کر سکتے ہیں کہ آپ کے کیمپ میں پہونچ جانے پر بھی ہمارے ساتھ کوئی وشواس گھات نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ دہلی کے مغل سلطان کے ساتھ بھی انگریز سرکار نے ایسا ہی سلوک کیا ہے۔

لیکن چونکہ ہم اپنی طرف سے کوئی جھگڑا پیدا نہیں کرنا چاہتے۔ اور نہ ہم نے ابھی تک کبھی ایسا کیا ہی ہے۔ اس لئے اگر آپ چاہیں تو اپنی ریاست کے قدیم طریق کی پیروی میں ہم اپنے دیوان صاحب کو ان کے مسلح باڈی گارڈ سمیت آپ کے کیمپ میں بھیجنے کو ہر وقت تیار ہیں۔ تاکہ وہ آپ سے مناسب شرائط پر فیصلہ کر لیں۔

رہی ہمارے آنے کی بات! اس بارے میں سرکار کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندو دھرم اور ہندو سنسکرتی کے انوسار کوئی بھی مہیلا کسی صورت میں بھی کسی غیر شخص سے ملنے کے لیئے اس طرح کہیں نہیں جا سکتی۔

لکشمی بائی (مہارانی جھانسی)

۱۔ مسٹر این۔ آر پھاٹک نے اپنی تصنیف "۱۸۵۷ء" میں لکھا ہے کہ دلی شہر پر قبضہ کر لینے کے بعد انگریزی فوج نے شہنشاہ دہلی کے مقدمے کی سماعت کے لئے ایک سول عدالت بٹھائی۔ جس میں انگریزوں نے شہنشاہ بہادر شاہ کو جلا وطنی کی سزا دے کر۔ انہیں قید کر کے برہما بھیج دیا۔ ان کے شہزادوں کی تو اتنی بھی شنوائی نہیں ہوئی۔ اور وہ بیچارے ویسے ہی گولیوں کا شکار بنا دیئے گئے

انگریزوں کے قاصد کو رخصت کرکے مہارانی جی نے اپنی ریاست میں دور و نزدیک انگریزوں کے خلاف جنگ کا اعلان کرا کے اپنی پرجا کو ہوشیار کر دیا۔ تاکہ جو شخص کسی وجہ سے اس جنگ میں شریک ہونا پسند نہ کرے۔ وہ اپنی جان بچانے کے لئے جہاں کہیں چاہے بھاگ جائے۔ ساتھ ہی اس کے انہوں نے راؤ صاحب اور تانتیا ٹوپی کو بھی کالپی سے جلد سے جلد مناسب مدد بھیجنے کے لئے پیغام ارسال کر دئے۔ راؤ صاحب تو اس وقت کالپی میں ہی تھے۔ مگر تانتیا ٹوپی جیسا کہ پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے۔ چرکھاری کی طرف روانہ ہو چکا تھا لیکن مہارانی کو شاید اس کا کچھ علم نہ تھا۔

بعض مورخوں کا بیان ہے کہ جب مہارانی لکشمی بائی اپنی وفاداری کا یہ انجام دیکھ کر۔ اس طرح بگڑ اٹھیں۔ تو انگریز جھانسی کے نواح میں کھلم کھلا گئوہتیا کرنے لگے۔ جس سے رانی کو بہت دکھ پہونچا۔ اور انہوں نے بھی باغیوں کے مشہور سردار نانا صاحب پیشوا سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن ان کا یہ خیال محض قیاس آرائی ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ تاریخی شہادتوں سے یہ صاف ظاہر ہے کہ نانا صاحب مہارانی جھانسی کے اس طرح علم بغاوت بلند کرنے سے پہلے ہی میدان جنگ چھوڑ کر نیپال کی طرف چل دئے تھے۔ اس لئے یہ خط و کتابت نانا صاحب سے نہیں بلکہ ان کے بڑے بھائی راؤ صاحب سے ہوئی تھی۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔

اس کے بعد فوراً ہی مہارانی جی اپنے پشتینی وراثتی قلعے کی حفاظت کیلئے پوری پوری لگن کے ساتھ متوجہ ہوئیں۔ انہوں نے سب سرداروں کی جگہ جگہ نوکری لگا دی۔ قلعے کی سنگین فصیل کی جو ۱۶ سے ۲۰ فٹ تک چوڑی تھی ہر طرح مناسب مرمت کرا کے۔ اس کے تمام سر بفلک برجوں پہ توپیں چڑھا

دئے جانے کا حکم جاری کر دیا۔ ان برجوں میں "گرجن" نام کا برج بڑا عالیشان تھا۔ اس کی لمبائی چوڑائی ۲۰۰-۲۰ گز اور بلندی ۳-۴۲ گز کہی جاتی تھی۔ اس کے چاروں طرف کے مورچوں پر جھانسی کی مشہور تاریخی توپیں۔ بھوانی شنکر۔ کڑک بجلی۔ گھن گرجن اور نالدار سجوا دی گئیں۔ جو بڑی دور دور تک مار کرنے کے لئے مشہور تھیں۔

قلعے کے چاروں طرف جو خندق تھی۔ اسے پانی سے لبالب بھروا دیا گیا یہ خندق اتنی چوڑی تھی۔ کہ کوئی بھی جانباز فوج۔ قلعے سے برسائی جانے والی توپوں اور بندوقوں کی آگ میں اس خندق کو تیر کر پار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ پھر اس خندق میں جگہ جگہ زہر میں بجھے ہوئے بھالے گڑے رہتے تھے۔ جن سے اس کا عبور کرنا اور بھی ناممکن تھا۔

قلعے کی ان حفاظتی سرگرمیوں کے ساتھ ہی ساتھ۔ گولہ بارود اور دیگر سامان جنگ تیار کرنے والے کارخانوں میں۔ جو قلعہ کی چہار دیواری کے اندر ہی جگہ جگہ جاری تھے۔ دن رات کام ہونے لگا۔ اور قلعہ بند فوجوں کے لئے ہر طرف کے پوشیدہ رستوں سے سامان رسد کھچ کھچ کر آنے لگا۔ تاکہ قلعہ بند فوج زیادہ سے زیادہ عرصے تک دشمن کا مقابلہ کرتی ہوئی قلعے کی حفاظت کر سکے اور قلعے کو فتح نہ ہونے دے۔

ساتھ ہی اس کے راج محل میں جتنے بھی سونے چاندی کے زیور اور برتن تھے۔ ان سب کو گلوا گلوا کر روپے اور مہریں ڈھلوا لی گئیں۔ تاکہ روپیہ پیسے کی کمی سے کوئی کام نہ رُک جائے۔ لوہا۔ پیتل۔ کانسی۔ تانبہ۔ رانگ سیسہ وغیرہ جو بھی دھات کہیں ملی۔ سبھی کو جمع کر کے توپوں بندوقوں کی نالیوں اور گولے گولیوں کی شکل دی جانے لگی۔ فتح حاصل ہونے کیلئے مہالکشمی جی کے مندر میں

دوسرے پوجا ستھانوں میں۔ جپ۔ تپ۔ پوجا۔ پاٹھ۔ یگیہ ہوں۔ دعائیں اور مناجاتیں بھی ہونے لگیں۔

ان سب سرگرمیوں اور تیاریوں کا قلعے اور شہر کے باشندوں اور ان کے گرد و نواح میں رہنے والی شیردل پرجا پر ایک خاص جوش افزا اثر پڑا۔ جس کے زیر اثر سبھی تنومند نوجوان۔ ادھیڑ بلکہ بوڑھے بھی اپنی ہر دلعزیز مہارانی جی کی حفاظت اور حمایت میں اپنے لہو کا آخری قطرہ بھی بہا دینے کے لئے جوق در جوق آ کر مہارانی جی کی فوج میں بھرتی ہونے اور پورے پورے دلی جوش اور لگن کے ساتھ ہر طرح کی ضروری خدمات سرانجام دینے

---

(۲۲)

قلعہ پر خوفناک حملہ

سر ہیوز نے ۱۲ مارچ کی صبح کو ہی جھانسی کے قریب پہونچ کر ایک پہاڑی پر دوربین لگا دی۔ اور قلعہ و شہر کے چاروں طرف اپنی عقاب سی نظر دوڑا کر جدھر سے بھی کسی طرح کی کوئی مدد یا سامان قلعے یا شہر میں پہنچنے کا امکان دیکھا۔ ادھر ہی اپنی ناکہ بندی مضبوط کرنے کا انتظام کر دیا۔ اتنے ہی میں بریگیڈ پر جنرل سٹوارٹ بھی معہ اپنی پلٹن کے چندیری سے آ کر ان کے ساتھ مل گئے۔

جھانسی کے محاصرے میں اپنی فوج کی مناسب حفاظت کے لئے شہر

اور قلعے کی فصیل سے باہر جگہ جگہ خندقیں کھود لینے کا حکم دے دیا گیا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک خبریں پہونچانے کے لئے تار لگا دئے گئے۔ شہر اور قلعے کے سب اندرونی حالات معلوم کرنے کے لئے ایک مناسب اور بلند جگہ تلاش کر کے وہاں دُور بین نصب کر دی گئی۔ اور اپنی فوج کی حفاظت نیز جھانسی کی سرکش فوج اور باشندوں کی تباہی کے لئے سب تیاریاں جلد سے جلد مکمل کر لی گئیں

غرضیکہ طرفین میں جو کسی وقت ایک دوسرے کے دلی خیراندیش اور وفادار دوست بن رہے تھے۔ ایک دوسرے کی زیادہ سے زیادہ تباہی و بربادی کے لئے حتے الوسع کسی بھی کوشش میں کوئی کسر باقی نہ رکھی گئی۔

۲۳ مارچ کی صبح کو سورج نکلتے ہی۔ بگل کی آواز چاروں طرف گونجنے لگی۔ فتح اور ملک گیری کے نشے میں سرمست سرہیوز کی عظیم الشان اور کثیرالتعداد فوج ۔ قلعہ جھانسی کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اس کے اندر پناہ گزیں مختصر سی۔ لیکن بہادر۔ جری ہمت اور وطن پرست فوج کو نیست و نابود کر ڈالنے کی نیت سے فوجی باجوں کے جوش افزا نعروں کے ساتھ ہی ساتھ قدم اٹھاتی آگے ہی آگے بڑھنے لگی۔ قریب پہونچتے ہی اس زبردست فوج نے چاروں طرف سے قلعے پر" دنادن دنادن" گولہ باری شروع کر دی۔ اور ان توپوں کے پس پردہ ہی پیدل اور سوار سپاہی بھی۔ ایک باقاعدہ صف بندی کے ساتھ ہر طرف قلعے اور شہر کی طرف بڑھنے لگیں۔

اُدھر قلعے میں محصور وطن پرست۔ سرکف سورما بھی بے فکر نہ تھے۔ وہ رات بھر سب اپنے اپنے مورچوں پر ڈٹے ہوئے نہایت ہی مصمم اور مستقل ارادے کے ساتھ دُشمن کا مناسب سوا گت کرنے کے لئے بیقرار تھے۔ چنانچہ

انگریزی فوجوں کے۔ قلعہ پر چاروں طرف نصب توپوں کی زد میں آتے ہی۔ جانباز مہارانی لکشمی بائی کا اشارہ پاتے ہی۔ ان پر ہر طرف سے ایک ایسی زبردست اور خوفناک گولہ باری شروع ہو گئی کہ ان گرانڈیل توپوں کی مجموعی خوفناک آواز سے زمین اور آسمان کانپ اٹھے۔ اور دشمن فوج کے سورما۔ بھڑبھونجے کی کڑاہی میں پڑے ہوئے چنوں کی مانند بھُن بھُن کر کال کرال کے بھیانک منہ میں سمانے لگے۔ سواروں کے گھوڑے اس بھیانک آتشبازی کی تاب نہ لاکر۔ سواروں کے قابو سے باہر ہو کر پیدل فوجوں کو کچلتے ہوئے ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ جس کے باعث آخر ان میں بھگدڑ مچ گئی۔

انگریز افسروں کو اگرچہ یہ خیال تو ضرور تھا۔ کہ جھانسی کے سنگین قلعے پر آسانی سے قبضہ نہ ہو گا۔ اور اسی لئے اُنہوں نے زبردست لاؤ لشکر سے اس پر حملہ بھی کیا تھا۔ تاکہ جیسے بھی ہو سکے۔ قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا جائے اور پھر اس پر یکدم حملہ کر کے قلعے کی دیواروں کے اتنا قریب پہنچ جائیں۔ کہ قلعہ بند محصور فوجیں۔ انہیں کسی طرح بھی قلعہ سر کرنے سے نہ روک سکیں۔ کیونکہ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ اگر اس کوشش میں ہمیں پوری پوری کامیابی ہو گئی۔ تو پھر ہم اپنی کثیر تعداد اور اعلےٰ جدید ترین قسم کے تباہ کن سامانِ جنگ کی مشترکہ طاقت سے قلعہ یا شہر میں گھس جانے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر یہ بات شاید ان کے خواب و خیال میں بھی نہ گذری ہو گی۔ کہ شیر دل مہارانی نے اندر ہی اندر ان کے مقابلے کی ایسی زبردست تیاریاں کر رکھی ہیں۔ کہ ہمارے چاروں طرف سے قلعے اور شہر کی طرف قدم بڑھاتے ہی۔ ہر طرف سے انکی گرانڈیل اور خوفناک توپوں کی ایسی "دنا دن" شروع ہو جائے گی۔ کہ ہمارا کسی بھی طرف سے فصیل تک پہنچنا دو بھر ہو جائیگا

اور ہمارے بہادروں کو میدانِ جنگ سے بھاگ کر ہی جان بچانی پڑیگی ۔ اسی دوران چنانچہ پہلے دن قلعے کی توپوں کی اس زبردست مار سے گھبرا کر گھوڑوں اور ان کے بے بس سواروں کے اس طرح بھاگ اُٹھنے کے باعث اپنی اس ابتدائی کوشش میں انہیں جو ناکامیابی ہوئی تھی۔ اس سے بچنے کے لئے اب اُنہوں نے زیادہ ہوشیاری اور دور اندیشی و احتیاط سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور رات کے اندھیرے میں راتوں رات چپکے چپکے قلعہ اور شہر کی فصیل سے کوئی ۳۰۰ گز کے فاصلے پر اُنہوں نے کئی ایک پہاڑیوں اور ٹیلوں پر اپنے مورچے مضبوط کر لئے اور ان پر توپیں بھی چڑھادیں۔ بس پھر کیا تھا، اگلے روز دن نکلتے ہی قلعے پر پھر گولہ باری شروع ہو گئی۔ اور گولے قلعہ کے اندر جا جا کر گرنے لگے۔ انگریزی توپوں کی اس مار سے شہر میں ہاہاکار مچ گئی۔ اور شہریوں نے ان کی مار سے بچنے کے لئے گلی کوچوں میں پھرنا بند کر دیا۔

مشکل یہ ہوئی کہ ان کے مقابلے میں قلعہ کی توپیں چونکہ زیادہ اُونچے برجوں پر نصب تھیں۔ اس لئے ان سے چھوٹے ہوئے گولے اکثر انگریزی مورچوں کے اوپر سے گذر کر دُور جا گرتے تھے ۔ اور انہیں کچھ بہت زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ مگر ماہرِ فن جھانسی کے توپچی افسر سردار غلام غوث خاں نے یہ صورتِ حال فوراً ہی تاڑ کر اپنی توپ "گھن گرجن" کی نشست ٹھیک کر لی۔ اور پھر انگریز فوج پر وہ گولہ باری کی کہ وہ بھی گھبرا اُٹھی ۔ اس توپ میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ اس سے نکلنے والے گولے پہلے دھوآں نہیں چھوڑتے تھے ۔ اس لئے باہر پڑے ہوئے دشمنوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ گولے کا رُخ کدھر کو ہے۔ اور وہ آسانی سے اس کی زد سے نہیں بچ سکتے تھے

اس کے بعد قلعے کی اور بھی توپوں کی نشستیں بھی جلد ہی ٹھیک کر

لی گئیں ۔ اور ہر طرف سے انگریزی فوجوں پر گولے برسنے شروع ہو گئے جس سے
سر ہیوز کو فکر پڑی کہ کسی طرح قلعے کی توپوں کو ٹھنڈا کیا جائے ۔ تاکہ ہماری
فوجیں آسانی سے اپنے حملے جاری رکھ سکیں ۔ اس لئے انہوں نے ہر طرف
ایسی جگہ تلاش کرانی شروع کی جہاں سے قلعے کی توپوں پر پُر اثر مار کی جا
سکے ۔ بدقسمت غلام قوموں میں خود غرض قومی غداروں کی کہیں بھی کمی
نہیں ہوتی ۔ جو اپنی سی تھوڑی سی خود غرضی کے جال میں پھنس کر دیش اور
جاتی کا بڑے سے بڑا نقصان کرنے سے بھی نہیں چوکتے چنانچہ ایک ایسے ہی واقف
راز قومی غدار نے سر ہیوز کو یہ واقفیت بھی بہم پہنچا دی ۔

اگلے ہی روز یعنی ۲۴ مارچ کو انگریزوں نے قلعہ کی مغربی بلندی پہ
چار نئے مورچے بنا کر وہاں توپیں لگا دیں ۔ اور ان سے ۳۰-۳۰، ۲۵-۲۵
سیر کے وزنی گولوں کی بارش قلعے کے اندر شروع کر دی گئی ۔ ایک ایک گولے
کی مار سے درجنوں ڈیر ڈھیر ہونے لگے ۔ بہت سے گولنداز بھی کام آئے ۔ اور
انہیں اپنی اپنی توپوں کا سنبھالنا مشکل ہو گیا ۔ انگریزوں کی "کرنالی" توپوں
کے گولوں میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ جس عمارت کی چھت پر جا گرتے
تھے ۔ اس کی سبھی منزلوں کو چھید کر کے تحس نحس کر ڈالتے تھے ۔ اور آخر میں
پھٹ کر آس پاس کے سبھی آدمیوں کا خاتمہ کر ڈالتے تھے ۔ کیونکہ ان گولوں
کے اندر چھوٹے چھوٹے چاقو ۔ چھریاں ۔ سوئے ۔ کانٹے وغیرہ بھرے رہتے تھے
جو اچھٹ اچھٹ کر بہت سے آدمیوں کو ہلاک یا زخمی کر دیتے تھے ۔ ان کی
اس زبردست مار سے قلعے کی بہت سی توپیں جلد ہی بیکار ہو گئیں ۔ کیونکہ
ان کے سبھی توپچی اپنی اپنی جان بچانے کے لئے محفوظ جگہ تلاش کرنے کے
لئے مجبور ہو گئے ۔

یہ بھیانک خبر سنتے ہی پہلے تو شیر دل مہارانی گھبرا سی گئیں۔ لیکن جلدی ہی سنبھل کر بہادر غلام غوث خاں کو ساتھ لے کر کمال بے خوفی سے خود اس موقع پر جا پہونچیں۔ جہاں یہ قیامت نازل ہو رہی تھی۔ انہوں نے فوراً ہی سب صورت حال تاڑ کر یہ حکم دیا کہ مغربی برج سے 'کڑک بجلی' نامی مشہور تاریخی توپ اتار کر۔ اسے ایک ایسی جگہ لگادیا جائے۔ جہاں سے یہ گولے برسانے والے مورچوں پر سیدھی مار کر سکے۔ یہ توپ وہی تھی جس کی مار سے گھبرا کر نتھے خان کی زبردست فوج بھی بھاگ نکلی تھی۔

بہادر غلام غوث خاں نے فوراً 'کڑک بجلی' توپ کو ٹھیک ٹھکانے منگوا کر جمادیا۔ اور اپنی دوربین کی مدد سے انگریزی مورچوں کا پتہ لگا کر سیدھے ان پر ہی گولے برسانے شروع کر دیئے۔ جن کی مار سے جلدی ہی سب توپیں بیکار ہو کر یا تو ان کے توپچی بھی ٹھکانے لگ گئے۔ یا انہیں بھی ادھر اُدھر بھاگ کر اپنی جان بچانی پڑی۔

غرضیکہ اسی طرح یہ محشر خیز جنگ برابر چھ دن تک جاری رہی۔ اس عرصے میں انگریزی فوج نے کئی بار قلعے یا شہر کی چہار دیواری تک پہنچ کر اندر گھسنے کی کوشش کی مگر مار مار کر واپس بھگادی گئی۔ ان ہولناک دنوں میں نگر کے بڑے بڑے گھروں کی دیویوں تک نے گولے بارود وغیرہ بنانے اور دوسرے ضروری فوجی کاموں میں مہارانی جی کو ہر طرح بڑی بیش قیمت امداد دی۔

قلعے اور شہر کو آسانی سے سر ہوتا ہوا نہ دیکھ کر چھٹے دن یعنی ۲۹ مارچ کی رات کو انگریزوں نے اپنی پوری طاقت سے قلعے اور شہر پر خوفناک گولہ باری شروع کر دی۔ اور ۵۰۔۵۰، ۶۰۔۶۰ سیر کے گولے برسانے لگے۔ گولوں کی

اس خوفناک بارش سے گھبرا کر جھانسی کے سبھی شہری اپنے اپنے گھروں میں چھپ گئے۔ لیکن تب بھی ان کی زندگی محفوظ نہ تھی۔ اور ہر طرف سے عمارتوں کے دھڑام دھڑام گرنے کی خوفناک آوازیں آ رہی تھیں۔ جن سے خوف زدہ ہو کر بہت سی حاملہ نازنینوں کے حمل گر گئے۔ مختلف کارخانے بھی اس گولہ باری سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اور وہاں کام کرنے والے بہت سے مرد عورت بھی زخمی ہو گئے۔ لیکن اس خوفناک گولہ باری سے خوف زدہ ہونے کی بجائے شیر دل مہارانی لکشمی بائی جی کا کشاتر تیج اور تریا ہٹ اور بھی جاگ اٹھے۔ اب تک اگرچہ ان کے بہت سے شور ویر سردار اور سپاہی کام آ چکے تھے۔ مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری اور پہلے سے بھی زیادہ جوش کے ساتھ اپنے بہادر سپاہیوں کے حوصلے بڑھانے لگیں۔ ان کی یہ غیر معمولی ہمت و جرأت دیکھ کر ان کے ویر سپاہیوں کا جوش بھی روز بروز بڑھتا ہی گیا۔ اور انہوں نے ۳۱ مارچ تک کسی بھی دشمن کو قلعے میں قدم نہ رکھنے دیا۔

اس دن غروب آفتاب کے قریب اچانک ہی قلعہ جھانسی کے مغربی برج پر لگی ہوئی ٹیڑھی توپ کی گولہ باری کی آواز یک دم بند ہو گئی۔ یہ خبر سن کر مہارانی جی کو بڑی تشویش ہوئی۔ کیونکہ اس مورچے پر اس وقت انگریزوں کی طرف سے بڑی سختی کے ساتھ گولے برسائے جا رہے تھے۔ اس لئے گولہ اندازوں کو وہاں ٹھیرنا مشکل ہو رہا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہؤا۔ کہ اس زبردست گولہ باری کی بدولت وہ مورچہ تقریباً ٹوٹ گیا ہے۔ مہارانی سر ہتھیلی پر رکھ کر وہاں پہنچ گئیں۔ اور اپنے بہادر سپاہیوں سے رات کے اندھیرے اور کالے کمبلوں کے پردے میں اس مورچے کی مرمت شروع کرا دی اور تب تک وہاں سے ہٹنے کا دھیان تک بھی اپنے من میں نہ آنے دیا۔ جب تک مورچہ

ہر طرح محفوظ نہ ہوگیا۔ اور پھر وہاں سے ایسی زبردست گولہ باری شروع کرائی کہ انگریزی فوجیں بھی دنگ رہ گئیں۔

ان دنوں کی ایسی ایسی زبردست گولہ باریوں کو دیکھ کر ہی انگریز مورخ ڈاکٹر لوے نے اپنی اس زمانے کی مشہور تصنیف "سنٹرل انڈیا" (وسط ہند) میں یہ لکھا ہے کہ :۔

" ۲۸ مارچ کو ہم نے قلعے کی توپوں کو کئی کئی بار بیکار کر کے خاموش کر دیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد انہوں نے پھر پہلے سے کہیں زیادہ زبردست گولہ باری شروع کر دی گئی۔ اسی اثنا میں ایک مرتبہ بڑے زبردست دھماکے کی آواز بھی سنی گئی اور مختلف جگہ آگ کے شعلے بھی اٹھتے ہوئے دیکھے گئے۔ لیکن پھر بھی جنگ اسی زور و شور سے جاری رہی ہاں ! ۲۹ مارچ کو دوپہر کے وقت تک شاید ہی دشمن کی طرف سے کوئی گولی چلائی گئی ہو۔ لیکن بعد دوپہر ۲/۱ ۳ بجتے ہی ہر روز کی مانند ہمارے اوپر گولے گولیوں کی نہایت ہی سخت بارش پھر شروع ہو گئی۔ تقریباً ہر روز ہی ۲/۱ ۳ بجے دوپہر کے بعد سے شام تک یہی حال رہتا ہے۔ ہمارے غریب سپاہی یہ وقت بڑے ہی خوف زدہ ہو کر گذارتے ہیں۔ باغ کے توپ خانے اور دروازہ قلعہ کی توپیں تو ہمیں بہت ہی تنگ کرتی ہیں۔ لیکن ادھر باغ توپ خانے کے نزدیک ہی ہم بیسیوں آدمیوں کو درختوں کے سایہ میں ایسے اطمینان سے گھومتے پھرتے دیکھتے ہیں۔ گویا کہ ہر روز کی مانند معمولی کاروبار ہو رہا ہے۔ حالانکہ ہماری طرف سے بھی ان پر برابر گولے برسائے جاتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کا ان پر کچھ بھی اثر

نہیں پڑتا۔ ۳۰۔۳۔۱۸۵۸ کو بھی گولہ باری اور فصیل کی توڑ پھوڑ برابر جاری رہی۔ دشمن بھی ہم پر خوف انگیز آتش باری کرتا رہا۔ اگرچہ ہم نے بھی انکے قلعے اور فصیل کے مورچوں کو سخت نقصان پہونچایا۔ مگر ان کی نگرانی اور مقابلہ جاری رکھنے کے مصمم ارادے میں ذرہ بھر بھی فرق نظر نہیں آتا۔ بلکہ برخلاف اس کے یہ معلوم ہوتا ہے۔ گویا ہر ایک خطرہ ان کے ہمت اور حوصلے بڑھانے والا ثابت ہو رہا ہے "

آٹھویں دن یعنی ۳۱ مارچ کی صبح کو انگریز افسروں نے اپنی دُوربینوں کے ذریعے قلعے میں پانی کے تالابوں کے قریب پنہاردں کی بھیڑ بھاڑ دیکھ کر۔ ان غریب غیر مسلح لوگوں پر بھی گولے برسانے کا حکم دے دیا۔ جس سے کئی ایک کہار ہلاک ہوئے اور بہت سے زخمی۔ یہ حال دیکھ کر مہارانی جی کو بہت دُکھ ہوا۔ لیکن پھر انہوں نے غضب ناک ہو کر یہ حکم دے دیا کہ "مغربی مورچوں پر جتنی بھی توپیں ہیں۔ سب سے ایک دم گولہ باری شروع کر دی جائے "

یہ حکم پاتے ہی قلعہ کی توپوں سے وہ زبردست گولہ باری شروع ہوئی کہ انگریزی توپیں جلدی ہی ٹھنڈی ہو گئیں۔ اور پنہاردں نے پھر اپنا کام شروع کر کے جلد ہی سب ٹنکیاں پانی سے لبالب بھر دیں۔

کچھ دیر بعد انگریزوں کی طرف سے بھی ایک نہایت ہی زبردست گولہ چلایا گیا۔ جو بدقسمتی سے مہارانی جی کے میگزین کے قریب ہی آ کر پھٹا اور اس کی چند چنگاریاں گولہ بارود کے کارخانے تک بھی جا پہونچیں۔ بس پھر کیا تھا، وہ ہیبت خیز دھماکہ ہوا۔ جس کی خوفناک آواز سے آس پاس

کے لوگوں کے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ اس کے فوراً ہی بعد آگ کے شعلے اُٹھ اُٹھ کر آسمان کی خبر لانے لگے۔ اس واقعہ سے کارخانے میں کام کرنے والے ۳۰ مرد اور ۸ عورتیں ہمیشہ کی نیند سو گئے۔ اور ۴۰-۵۰ آدمی زخمی ہوئے۔

اس غیر متوقع حادثے کا بھی ہمت اور استقلال کی زندہ مورتی مہارانی لکشمی بائی پر کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ وہ پہلے سے بھی بہت بڑھی چڑھی سرگرمی اور جوش کے ساتھ۔ اپنے بہادر سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانے اور انہیں مرنے مارنے پر آمادہ کرنے لگیں۔ ان کی اس شاندار مثال نے سب جانباز افسروں اور سپاہیوں پر جادو کا اثر کرتے ہوئے۔ انہیں بھی اپنے جینے مرنے کی طرف سے لاپرواہ بنا دیا اور وہ سر بکف ہو کر جنگ میں حصّہ لینے لگے۔

عین اسی وقت مہارانی جی کو یہ خبر ملی کہ ان کا سندیسہ پاکر پیشوا جی کی فوج کے ویر سیناپتی تانتیا ٹوپی بھی ۱۵ ہزار فوج ساتھ لئے جھانسی کے قریب ہی پہونچ چکے ہیں۔ اس خوشخبری نے جہاں ایک طرف مہارانی اور ان کی قلعہ بند فوج کا حوصلہ بڑھا دیا، وہاں سر ہیوز کو بہت ہی فکر مند کر دیا۔ کیونکہ آج قلعے پر ۹ دن سے لگاتار۔ بلکہ اکثر دن رات حملہ ہو رہا تھا۔ مگر قلعہ بند فوج کے دم خم برابر قائم تھے۔ اور ان کے مقابلے میں انگریزی فوج کے حوصلے اس دن رات کی مارا مار سے کچھ ڈھیلے پڑتے جا رہے تھے۔ لیکن انہوں نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری۔ اور نہ قلعے کے محاصرے میں ہی بظاہر کچھ بہت زیادہ فرق پڑنے دیا۔ بلکہ قلعہ پر اپنی گولہ باری اور بھی تیز کر دی۔ اور شہر کی طرف ناکہ بندی کو اور بھی سخت کر دیا۔

ساتھ ہی اس کے سر ہیوز نے پہلی بریگیڈ کے جری حوصلہ سپاہیوں

کو راتوں رات کالپی کی طرف روانہ کر کے۔ ادھر کی سڑک پر ایک موزوں جگہ منتخب کر کے ۲۴ پونڈ کا وزنی گولہ پھینکنے والی دو خوفناک توپیں بھی نصب کرادیں۔ جنہوں نے وقت پر خوب کام دیا۔ یکم اپریل کی صبح کو ہی تانتیا ٹوپی کی فوج سے انگریزی فوج کی مٹھ بھیڑ ہوگئی۔ جس میں تانتیا ٹوپی کو شکست ہوئی۔ حالانکہ اس وقت اس کے ساتھ ریاست گوالیار کی کنٹنجنٹ فوج کا وہ حصّہ بھی تھا۔ جس نے کانپور کے میدان میں کرنل ونڈھم کی فوج کو نیچا دکھایا تھا۔

اس جنگ میں تانتیا جی سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنی فوج کے ایک بڑے حصّے کو بیتوا ندی کے کنارے جنگل میں آرام کرنے کا حکم دے دیا۔ اور ایک چھوٹے سے دستے کو دوسری طرف کا حال جاننے کے لئے ہراول دستے کے طور پر آگے بھیج دیا۔

ادہر ہوشیار اور تجربہ کار جرنیل سرہیوزروز نے جو فوج جھانسی کے محاصرے سے ہٹا کر کالپی کی طرف روانہ کی تھی۔ اس کا کچھ حصّہ تو وہیں توپوں کے مورچے کے بالمقابل کپتان پرمیئ کی ماتحتی میں سڑک کے کنارے جنگل میں چھپ گیا اور کچھ حصہ تانتیا کی فوج کی خبر لینے کے لئے آگے بڑھا۔ تانتیا کی فوج کے ہراول دستے نے اسی حصّے سے انگریزی فوج کی طاقت کا غلط اندازہ لگا کر اس پر حملہ کر دیا اور اس دستے کی ارادی پسپائی کو ہی اپنی زبردست فتح سمجھ کر اس کے تعاقب میں بے فکر آگے بڑھتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ اپنی اس حماقت کی وجہ سے وہ موت کے اس جال میں جا پھنسا جو ہوشیار انگریز جرنیل نے اس کی تباہی کے لئے بچھا رکھا تھا۔

غرضیکہ جب یہ دستہ سرہیوز کی لگائی ہوئی توپوں کے قریب پہنچا۔

تو ایک طرف سے کپتان پریٹی جان کے سپاہیوں نے اس پر گولیاں برسانی شروع کیں۔ اور دوسری طرف سے توپیں اسے بھوننے لگیں۔ اس دو طرفہ آتش بازی سے گھبرا کر اس دستے کے سارے ہی باقیماندہ سپاہی۔ جدھر جس کا منہ اٹھا بھاگ گئے۔

دوسری طرف تانتیا ٹوپی کی باقی فوج اس جگہ سے قریباً دو میل کے فاصلے پر۔ بیتوا ندی کے کنارے والے جنگل میں آرام سے ان سپاہیوں کی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔ اور سرہیوز نے اپنے جاسوسوں سے اس فوج کی خبر پاکر اِرّیگیولر ٹروپ کی چار توپیں اور فیلڈ بیٹری کا ایک دستہ کپتان لائٹ فٹ کی ماتحتی میں اس کی طرف روانہ کر دیا۔ تانتیا ٹوپی کو اس انگریزی لشکر کی خبر اس وقت ملی۔ جب کہ یہ بیتوا ندی کے دوسرے کنارے کے قریب ہی پہنچ گیا

جب اس کے جاسوسوں نے، انگریزی فوج کے اس طرح ندی کے کنارے آپہونچنے کی خبر دی تو تانتیا جی نے اسطرف کے جنگل میں جدھر انگریزی فوج تھی۔ آگ لگوادی۔ اور اپنی توپوں سے ندی پار گولے برسوانے شروع کر دئے۔ مگر انگریزی فوج کی پیش قدمی اس سے بھی نہ رکی۔ اور وہ گولے برساتی نیز پیشوائی فوج کی گولہ باری کا ترکی بہ ترکی جواب دیتی ہوئی۔ بڑی ہمت اور جانبازی سے ندی پار کر ہی گئی۔

اپنی اس کامیابی سے سرمست ہوکر اس نے تانتیا کے لشکر پر ایسا زبردست حملہ کیا۔ کہ اس کے پاؤں نہ جم سکے۔ بلکہ اس بھگدڑ میں وہ ندی کے کنارے لگی ہوئی اپنی بھاری بھاری توپیں بھی ساتھ نہ لے جاسکے کیونکہ ان کے پہیئے ریت میں اتنے دھنس گئے تھے۔ کہ جلدی میں ان کا

بلاتا بھی دوبھر تھا۔ اس جنگ میں تانتیا ٹوپی کے پندرہ سو جوان کھیت رہے۔

غرضیکہ ۲۱ مارچ سے ۳ اپریل تک مہارانی جھانسی کے مقابلے میں سرہیوز کی جو کرکری ہوئی تھی۔ اس کی کسر تانتیا ٹوپی پر یہ شاندار فتح حاصل ہوکر کسی قدر پوری ہوگئی۔ اور تانتیا ٹوپی کی اس شکست سے انگریزی فوج کا پست ہوتا ہوا حوصلہ بھی دوبالا ہوگیا۔ اب وہ نئے جوش وخروش سے جھانسی پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوگئی۔ اس لئے سرہیوز نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصے کو میجر گال کی سرکردگی میں قلعے کے مغربی محاذ پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھایا۔ اور دوسرے کو لیفٹیننٹ کرنل ڈیپل نیز کپتان رابنسن اور بریگیڈیر سٹوارٹ کی ماتحتی میں قلعے کے دائیں طرف۔ اور تیسرے کو لفٹیننٹ کرنل لوتھ اور میجر شوارٹ کے زیرحکم، بائیں طرف حملہ کرنے کا حکم دیا۔

یہ سب مجموعی حملے اسی دن تقریباً تین بجے شروع ہوگئے۔ ان میں سے پہلی فوج توجوں توں کرکے قلعے کی فصیل تک پہونچ کر سیڑھیوں کے ذریعے اندر داخل ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ دوسری اور تیسری نے بندوقوں اور تلواروں سے لڑائی چھیڑ کر دونوں طرف سے قلعے میں داخل ہونا چاہا۔

مہارانی جی کے خبر رسانوں نے۔ جو قلعے کے برجوں پر بیٹھے ہر طرف نظر دوڑا دوڑا کر صورت حال کی خبر دیتے رہا کرتے تھے۔ جب اپنی اپنی ترئی بجا بجا کر اس تین طرف سے ہونے والے زبردست حملے کی خبریں نہایت بیتابی کے ساتھ دینی شروع کیں۔ تو مہارانی جی نے بھی اپنی بلندہ دن کی متواتر لڑائی سے تھکی ہوئی۔ خستہ حال فوج کو فوراً اکٹھا ہو جانے کا حکم دے

دیا۔ حالانکہ وہ آئے دن کی لڑائی میں کٹتی چھنٹتی مختصر سے مختصر تر ہوتی جا رہی تھی۔ اور تانتیا ٹوپی کی شکست کی خبر سے اور بھی پست حوصلہ ہو گئی تھی۔ مگر پھر بھی اس میں ایک نیا جوش پیدا کرنے کے لئے مہارانی جی نے فرمایا "ساویر یودھاؤ! آپ سب یہ نہایت اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ ہم نے یہ خوفناک لڑائی پیشوا جی یا کسی اور کی مدد کے بھروسے پر ہرگز شروع نہیں کی۔ بلکہ اپنا دھرم جان کر بھگوان کے بھروسے صرف اپنی آزادی و عزت بچانے کے لئے شروع کی ہے۔ اس لئے اب سمے آگیا ہے کہ ہم اس پوتر مقصد کے لئے اپنا آخری بلیدان دینے کے لئے بھی تیار ہو جائیں۔ اور اس کی تکمیل میں کسی بھی اور خیال کو کبھی حارج نہ ہونے دیں۔"

اس مختصر سی تقریر کے بعد مہارانی جی نے اپنی اس مختصر سی فوج کو ہی تین حصوں میں تقسیم کر کے تین جانباز سرداروں کی ماتحتی میں تینوں طرف بھیج دیا۔ ان سرداروں کا حوصلہ اور بھی بڑھانے کے لئے مہارانی جی نے انہیں اپنے خاص زیورات میں سے سونے کے کڑوں کی ایک ایک جوڑی انعام دے کر بڑے پریم اور اُتساہ سے رخصت کیا۔ اور خود اپنے خاص جانباز دستے کو ساتھ لے کر ہر محاذ پر ان کی نگرانی کرنے اور بر وقت ضرورت انہیں پوری پوری مدد دینے کے لئے تیار ہو گئیں۔

مہارانی جی کا اشارہ پاتے ہی دیر غلام غوث خان اور ان کے ماتحت توپچیوں نے بھی اپنے اپنے مورچوں سے دشمن پر پے در پے گولے برسانے شروع کر دیئے۔ چند ہی لمحوں میں بندوقوں اور توپوں کی خوفناک آوازوں سے تمام فضا ایک دفعہ پھر گونج اٹھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد سر کیف قلعہ پر [illegible]

ساتھیوں کی ہمت بڑھانے لگے۔ اور ان نعروں کے جواب میں انگریزی فوج کی طرف سے بھی "ہپ ہپ ہرے" کے انگریزی نعرے بلند ہونے لگے۔

اس وقت جنگ کی حالت عجیب ڈانواں ڈول تھی۔ کبھی ایک پلّہ بھاری دکھائی دینے لگتا تھا۔ کبھی دوسرا۔ یقینی طور پر یہ دعوے کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کہ فتح اُسے ہی نصیب ہوگی؟ ایک طرف اگر قلعے سے برسنے والے گولے گولیاں محاصرہ کرنے والی انگریزی فوجوں کا سنہار کئے ڈالتی تھیں۔ تو دوسری طرف انگریزی فوج کے حملے اور گولہ باری بھی کچھ کم ہلاکت آفرین اور تباہی خیز نہ تھے۔ ان کی پے در پے مار سے قلعے اور شہر کی فصیلیں آہستہ آہستہ چھلنی ہوتی جا رہی تھیں۔ اور شہر کی عالیشان عمارتیں مسمار ہو ہو کر کھنڈروں کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھیں۔

مثال کے طور پر شہر میں شری گنیش جی کا ایک نہایت خوبصورت اور عظیم الشان تاریخی مندر تھا۔ جو "آرسی محل" کے نام سے مشہور تھا۔ اس میں ہر طرف اس کی اندرونی اور بیرونی دیواروں پر۔ فرش پر۔ چھت پر۔ گنبدوں پر۔ مینا روں پر۔ دروازوں اور کھڑکیوں پر شیشے ہی شیشے جڑے ہوئے تھے ہر سال یہاں ہی گنیش جی کی پوجا کا اُتسو منایا جاتا تھا۔ اور جس میں شہر کی تمام پرجا۔ اونچ نیچ۔ اعلےٰ ادنےٰ۔ نر ناری کی سب تمیز د تخصیص بھلا کر دلی خوشی اور اُتساہ کے ساتھ حصہ لیا کرتے تھے۔ انگریزی فوجوں کی اس خوفناک بم باری سے وہ بھی نہ بچا اور چور چور ہو گیا۔

اس پوتر اور یادگار روزگار مندر کی یہ حسرتناک تباہی دیکھ کر پہلے تو مہارانی جی کی آنکھوں میں دلی دُکھ اور رنج سے آنسو بھر آئے لیکن پھر وہ فوراً ہی غضبناک ہو اٹھیں۔ جن آنکھوں میں ابھی ابھی آنسو ڈبڈبا رہے

تھے ۔ انہیں سے اب جوش اور غصے کی افراط سے شرارے نکلنے لگے ۔
حکم دیا کہ گھن گرج ۔ کڑاک بجلی ۔ مہاکالی ۔ بھوانی شنکر وغیرہ سبھی توپوں کو
فوراً شہر کے صدر دروازے پر لا کر دشمن کی فوج پر گولہ باری شروع کر دی
جائے ۔ کیونکہ اس وقت اسی جگہ انگریزی حملے کا سب سے زیادہ زور تھا ۔
اور وہ ایک طوفانی سمندر کی لہروں کی مانند اُمنڈ اُمنڈ کر اسی دروازے کی طرف
بڑھتی چلی آ رہی تھیں ۔

اس نظارے کا نقشہ "سنٹرل انڈیا" نامی تاریخی کتاب کے انگریز مصنف
ڈاکٹر لو نے ان الفاظ میں کھینچا ہے :۔

"جونہی کہ ہماری فوجوں نے اس سڑک کا رُخ کیا جو شہر کے صدر
دروازے کی طرف جاتی تھی ۔ فوراً تمام فضا دشمن کے فوجی بگلوں
کی آوازوں سے گونج اُٹھی ۔ اور اس کے ساتھ ہی فصیل پر
سے گولے ۔ گولیوں ۔ تیروں ۔ بھالوں ۔ جنگی ہوائیوں کی وہ زبردست
طوفانی بوچھاڑ ہمارے سروں پر شروع ہوئی ۔ جس کا منشاء و مقصد
ہماری مکمل تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا ۔ اسی
ہلاکت خیز بارش میں ہمیں دو سو گز سے کچھ زیادہ فاصلہ طے
کرنا تھا ۔ جو ہمارے بہادر حملہ آور سپاہیوں نے آخر مرتے
مارتے طے کر ہی لیا ۔ اور انہوں نے فصیل پر تین جگہ اپنی
سیڑھیاں بھی لگا لیں ۔ لیکن فصیل پر سے توپوں اور بندوقوں
کی حشر خیز آوازوں اور سپاہیوں کی چیخ و پکار کے درمیان
گولے ۔ گولی ۔ تیر ۔ برچھی ۔ بھالے ۔ اینٹ ۔ پتھر ۔ جنگی پٹاخے ۔
اور ہوائیاں ہمارے جاں نثار سپاہیوں کے سروں پر برابر برس

برس کران کے حوصلے پست کرنے اور ادھر اُدھر جہاں کہیں
بھی سر چھپانے کو جگہ ملے۔ وہاں ہی بھاگ جانے کے لئے"
انہیں مجبور کرنے لگیں۔ مگر پھر بھی ہماری بہادر سفرمینا
پلٹن کے جوان چونکہ فصیل پر سیڑھیاں لگانے میں کامیاب
ہو چکے تھے۔ اس لئے ان سورماؤں کی روشن مثال سے
جانبازی کا سبق حاصل کر کے ہمارے بہادروں نے سر سے
کفن لپیٹ کر ان سیڑھیوں پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اور اس
پھرتی اور کثرت سے وہ ان سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔ کہ
تھوڑی سی ہی دیر میں یہ تینوں سیڑھیاں۔ ان بے شمار
جوانوں کا بوجھ برداشت نہ کر سکنے کے باعث یک دم یکے بعد
دیگرے ٹوٹ گئیں۔ اور وہ سب کے سب ایک دوسرے کے
اوپر دھڑام دھڑام زمین پر آگرے۔ مجبوراً عین اسی وقت
بگل بجا اور ہمارے سب یوروپین بہادروں کو واپسی کا حکم
مل گیا"

اپنی فوج کو عین موقع پر اس طرح پسپا ہوتے اور بھاگتے دیکھ کر
سیمر براک ہم بہادری کے جوش میں مہارانی کی فوج میں جا گھسے اور داد
شجاعت دینے لگے۔ دوسری طرف بریگیڈیر سٹوارٹ اور کرنل لوتھ اپنی ۲۵
ویں اور ۸۶ ویں پیدل پلٹن کی سرکردگی میں اورچھا دروازے کی طرف بڑھے
جھانسی کے ویروں کی تعداد اگرچہ نسبتاً بہت کم رہ گئی تھی۔ مگر پھر بھی انہوں
نے خوب ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا۔ لیکن آخر دشمن کی تعداد کثیر کے سامنے
انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ جنوبی محاذ کی انگریزی فوج نے پھر ہمت کر کے سیڑھیوں

کے ذریعہ قلعے کی فصیل پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اس مرتبہ بندیلے بہادروں نے ان کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور اپنی راجپوتی تلوار کے خوب جوہر دکھائے مگر کثرت تعداد کے سامنے آخر ان کی بھی پیش نہ گئی۔ اور تھوڑی سی دیر میں ہی سینکڑوں گورے اور دوسرے سپاہی فصیل پر چڑھ کر قلعے میں داخل ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ دولاجی بندیلہ نامی ایک قومی غدار سردار نے انگریزوں کو اس محاذ پر سیڑھی لگا کر اندر داخل ہو سکنے کا راز بتا کر قلعہ سر کرلنے میں بہت مدد دی۔ اور اسی خدمت کے معاوضے میں انگریزوں نے اسے ۰۰ دگاؤں کی جاگیر بخش دی۔

اورچھا دروازے پر قبضہ ہوتے ہی سر ہیورز نے مہارانی جی کے محل پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر کے ادھر کا رُخ کیا۔

اس وقت اپنے پورے بارہ دن کی مسلسل اور پیہم جانفشانیوں کو اس طرح بیکار جاتے ہوئے دیکھ کر شیر دل مہارانی لکشمی بائی کے دل پر جو کچھ گزر رہی تھی! زبانِ قلم میں یہ یارا کہاں؟ جو اسے کچھ بھی بیان کر سکے! مگر ان کا یہ بارِ غم معمولی کمزور دل عورتوں کی مانند آنسو بہا لینے سے تو کسی طرح ہلکا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس لئے چند منٹوں کے لئے تو وہ گھبرا کر بے سدھ سی ہو گئیں اور کچھ نہ سوچ سکیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں؟ مگر پھر دور سے ہی شہر میں اپنے سپاہیوں اور پران پیاری پرجا کو ڈر کر بھاگتے ہوئے اور انگریزوں نیز ان کے دیسی سپاہیوں کو ان کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھ کر۔ ان کا چہرہ فرطِ غضب سے سرخ ہو گیا۔ آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ جوشِ بہادری سے مضطرب و بیقرار خون۔ ایک غیر معمولی تیزی کے ساتھ ان کی نس نس میں دوڑنے لگا۔ فوراً دل میں یہ خیال آیا کہ "آخر میں اس

طرح بیکسی و بیچارگی کی حالت میں یوں کھڑی۔ یہ سوچ فرسا نظارہ کب تک دیکھتی رہوں گی؟ جب میرے پہلو میں تلوار ہے۔ تو میں یوں کائروں اور بزدلوں کی مانند بیکار کھڑی۔ یہ سب کچھ کیوں دیکھتی رہوں؟ کیوں نہ اپنی تیغ تیز سے پورا پورا کام لوں۔ اور اپنی پران پیاری پرجا کی مصیبت میں مدد کرتی کرتی ہی اپنے پران تیاگ دوں؟

یہ خیال دل میں آتے ہی اُنہوں نے اپنی تلوار سونت لی۔ اور اپنے جانباز محافظ جسم سواروں کو۔ جو انہیں اس طرح بیکس و مجبور سی دیکھ کر تصویر حیرت بنے ان کا منہ تک رہے تھے۔ للکار کر بولیں "ویرو! اب زیادہ سوچ وچار کا وقت نہیں! آخری بار داد مردانگی دیتے ہوئے مرنے کا وقت آگیا ہے بہادروں کی مانند لڑتے لڑتے ویر گتی پاکر سورگ سدھارو! دشمنوں کے سامنے سے بھاگ کر پیٹھ پر زخم کھاتے ہوئے نرک کا راستہ لینے۔ یا ان کے پنجے میں پھنس کر قید ہونے یا پھانسی پر لٹکائے جانے کی نسبت یہ ویر مرتیو ہزار درجہ بہتر ہے۔ بزدلوں کی طرح بے شرمی یا بدحالی سے زندہ رہ کر۔ ایڑیاں رگڑتے رگڑتے موت کا انتظار کرنا کسی بھی شیر مرد کی شان کے شایاں نہیں! آؤ! آگے بڑھو! شیروں کی مانند اپنی چھاتیوں اور چہروں پر زخم کھاتے اور دشمنوں کو خاک و خون میں ملاتے ہوئے امر جیون پراپت کر جاؤ۔ تاکہ تمہارے سب دوست و دشمن شاعر کے ان الفاظ میں تمہاری بہادری کے گیت گاتے ہوئے یہ کہنے کو مجبور ہو جائیں کہ ؎

شکست و فتح ہے قسمت کے ہاتھ ورنہ امیرؔ
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

مہارانی لکشمی بائی کے ان بہادرانہ اور جوش بھرے الفاظ نے۔ ان

کے سب بہادر سپاہیوں پر۔ رجو انہیں اس طرح گرجتے ہوئے دیکھ کر ان کے گرد جمع ہو گئے تھے) جادو کا سا اثر کیا۔ اور ان کے دلوں میں حب الوطنی اور جوش مردانگی کی ایک نئی روح پھونک دی۔ ان کی اس تقریر کے دوران میں ہی ادھر اُدھر سے پروانوں کی مانند کھنچ کھنچ کر آتے ہوئے ان ویروں کی تعداد لمحہ بہ لمحہ دُگنی اور چوگنی ہوتی گئی۔

آخر میں اپنی یہ شجاعت بھری پُر زور تقریر ختم کرتے ہی مہارانی جی۔ دیوی بھوانی کی مانند اپنی کڑکتی بجلی کی طرح جگمگاتی تلوار ہلاتی۔ دشمنوں کو للکارتی اور اپنے جانباز دوستوں کے حوصلے بڑھاتی ہوئی انگریز فوج کے ایک زبردست دستے پر ٹوٹ پڑی۔ جو اس وقت سامنے سے ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ ان کے شور ویر محافظ جسم دستے کے جانباز بندیلے اور سربکف مرہٹے سپاہی بھی ان کے پیچھے پیچھے داد شجاعت دیتے اور دشمنوں کی صفیں چیرتے آگے بڑھے اور ان کی دیکھا دیکھی ۔ ہزاروں ویر "ہر ہر مہادیو" کے نعرے لگاتے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے

مگر انگریزی فوج بھی اب ہر طرف سے شہر میں گھستی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ اس کی تعداد بھی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی۔ تھوڑی سی ہی دیر میں مہارانی جی کی فوج سے کئی گنی ہو گئی۔ لیکن حب الوطنی کے نشے میں سرمست۔ جان سے ہاتھ دھو کر لڑنے مرنے والے ان جانبازوں کو اس کی پرواہ ہی کیا تھی کہ ان کے مقابلے میں کتنے جوان مرنے مارنے کو تیار ہیں؟ وہ سبھی دیوانہ وار اپنی مارا ماری میں مصروف تھے۔ اور ایک ایک شور ویر دس دس بلکہ بیس بیس دشمنوں کو مار مار کر جام شہادت نوش کر رہا تھا۔

انگریزی فوج کی اس لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر۔ ایک

سن رسیدہ۔ تجربہ کار فوجی سردار نے مہارانی کو یہ مشورہ دیا کہ "اس طرح کھلے میدان میں جان دینے کی نسبت تو یہ بدرجہا بہتر ہوگا۔ کہ قلعے کے کسی محفوظ حصے کی طرف قدم بڑھایا جائے۔ اور وہاں پہونچ کر کچھ دیر دم لینے کے بعد پھر قسمت آزمائی کی جائے"

اس ہولناک خونریزی سے مہارانی جی کا جوشِ غضب بھی کچھ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ اور تلوار چلاتے چلاتے ان کے بازو بھی شل ہونے لگے تھے۔ اس لئے انہیں اپنے بہادر سردار کا یہ مشورہ بہت پسند آیا۔ آخر اُنہوں نے قلعے کی طرف رُخ بدلا۔ اور اسی طرح قدم قدم پر دُشمنوں کا خون بہاتی اور ان کے ہاتھوں چرکے پر چرکہ کھاتی اپنے باقیماندہ سرِیکف بہادروں کے ساتھ وہ آہستہ آہستہ وہ قلعے کی طرف بڑھنے لگیں۔ اور آخر بمشکل تمام سب نے ایک محفوظ مقام میں پہونچ کر کچھ دیر وہاں ہی قیام کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر مہارانی جی کو چین کہاں؟ راج محل کی طرف گولہ باری کی آوازیں سُن کر وہ فوراً ادھر روانہ ہو گئیں۔

ادھر سر ہیوزروز ادرچھا دروازہ فتح کرتے ہی کرنل لونڈ اور ان کی ۸۶ ویں پلٹن کے ساتھ مہارانی جی کے راج محل پر اپنا قبضہ جمانے کے لئے جا پہونچے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید مہارانی جی سے وہیں مُٹھ بھیڑ ہو جائے مگر مہارانی جی تو۔ جیسا کہ ہم ظاہر کر چکے ہیں۔ دوسرے ہی محاذ پر مصروف پیکار تھیں۔ اس لئے مہارانی جی کی غیر حاضری میں ان کے سرِبکف شوربیر سرداروں اور سپاہیوں نے مناسب جرأت اور دلاوری سے جرنیل صاحب اور ان کے ساتھیوں کا بہادرانہ سواگت کرتے ہوئے ناممکن کو ممکن بنانے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں سینکڑوں سورما یکے بعد دیگرے امر پد پراپت کرنے لگے۔

غرض اسی وقت مہارانی جی بھی اپنے محافظ دستے سمیت وہاں پہنچ گئیں ۔ لیکن وہ اس سے پہلی لڑائیوں میں ہی کافی سے بہت زیادہ تھک کر زخمی ہو چکی تھیں۔ اس لئے ان کے پتا جی اور دوسرے مشیروں نے انہیں لڑائی میں حصّہ نہ لینے دیا۔ بلکہ کچھ دیر کے لئے اپنے دیوان خانے میں جاکر آرام کرنے کے لئے مجبور کر دیا۔

اگرچہ اپنے خیر اندیش مشیروں کے مشورے پر کاربند ہو کر مہارانی جی کچھ دیر آرام کرنے کے لئے دیوان خانے میں تو پہنچ گئیں۔ مگر جنگ کے اس شور وشر میں انہیں چین کس طرح پڑ سکتا تھا؟ آخر جب راج محل کی جانباز محافظ فوجوں کو خاک و خون میں ملاکر۔ اور ان کی اس جانبازانہ جرأت سے غضب ناک ہو کر سر ہیوز نے راج محل میں آگ لگوادی۔ تو مہارانی تڑپ کر اُٹھ بیٹھیں اور دیوانہ وار دیوان خانے کی چھت پر جا چڑھیں ۔ وہاں پہونچ کر انہوں نے کمال حسرت بھری نظروں سے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ اور صرف اپنے راج محل میں ہی نہیں۔ بلکہ شہر میں بھی ہر طرف آگ کے شعلے اُٹھتے ہوئے دیکھے۔ بہادروں کی مار مار اور دین دُکھی پرجا کی چیخ وُپکار کی بلند ہوتی ہوئی آوازوں کو سُنا۔ اس سے ان کے ہمدرد دل کو جو صدمہ پہنچا۔ اس کا صحیح صحیح اندازہ کون لگا سکتا ہے؟

قریباً آدھ گھنٹے تک وہ وہیں کھڑی اپنی پران پیاری پرجا کی اس دین ہین سنکٹ بھری دشا پر۔ ایک پریم بھری ماتا کے سمان دُکھ اور شوک کے آنسو بہاتی رہیں۔ وہاں ہی انہیں صدر دروازہ قلعہ کے محافظ اعلیٰ کنور خدا بخش اور جھانسی راجیہ کے مشہور توپچی سردار غلام غوث خاں کی جانبازانہ شہادتوں کی خبر ملی۔ جس سے ان کی رہی سہی اُمیدوں پر بھی

پانی پھر گیا۔ اسی مایوسی کے عالم میں انہوں نے دیوان خانے میں پہونچ کر اپنے سبھی خیر اندیش مشیروں اور باقی ماندہ سر بکف فوجی سرداروں کی ایک کونسل بلائی۔ اور ان سب کی سچی حب الوطنی۔ بے لوث وفاداری اور خلقی جانبازی و جاں نثاری کی تعریف کرتے ہوئے سب سے یہ کہا" جاں نثار ساتھیو! اب چونکہ کسی طرح بھی قلعے اور شہر کو دشمن کی دستبرد سے محفوظ رکھ سکنے کی کوئی امید نہیں رہی۔ اس لئے جیسے بھی ممکن ہو۔ آپ سب اپنی اپنی جانیں بچا کر یہاں سے بھاگ جائیں۔ اور اپنی بیش قیمت زندگیاں ہرگز فضول برباد نہ کریں!

" رہی میری بات! سو میں یہ فیصلہ کر چکی ہوں کہ گولہ بارود سے بھرے ہوئے میگزین میں جا کر خود اپنے ہاتھ سے اس میں آگ لگا دوں اور وہیں بھسم ہو جاؤں۔ تاکہ میری لاش کا بھی ظالم دشمنوں کو پتہ نہ لگے اور وہ اپنے ناپاک ہاتھوں سے اسے چھو کر اپوتر نہ کر سکیں"

شیر دل صف شکن مہارانی کا یہ جانبازانہ فیصلہ سن کر سب شوروبیر سرداروں کی آنکھوں سے زار زار آنسو بہنے لگے۔ اور سب نے یکزبان ہو کر کہا کہ" فخر وطن مہارانی جی! ہم آپ کو ایک منٹ کے لئے بھی اکیلا نہ چھوڑیں گے۔ جیئیں گے تو آپ کے ساتھ جیئیں گے اور مریں گے تو سب آپ کے ساتھ مریں گے۔ اگر قلعے سے بھاگنا ہی ہے تو سب اکٹھے ہی بھاگیں گے۔ اور مرتے مارتے دشمنوں کی صفوں کو مردانہ وار چیرتے ہوئے ان کے نرغے سے بچ نکلنے کی کوشش کریں گے۔ ورنہ سب یہیں آپ کے ساتھ اور آپ کی نظروں کے سامنے لڑتے لڑتے شہید ہو جائیں گے"

مہارانی جی کو مجبوراً اپنے جیون مرن کے ان سب ساتھی مہا دیر یودھاؤں کے اس بے غرضانہ اور جاں نثارانہ فیصلے کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ اور اب یہ جانباز قافلہ۔ اپنے مایۂ ناز اور محبوب وطن دیر بھومی جھانسی اس کے سنگین اور مشہور تاریخی قلعے اور شہر کی مزید حفاظت کے لئے۔ اپنے آپ کو بالکل ناقابل پاکر۔ اسی عالم یاس میں اس امر کے لئے آمادہ و کمر بستہ ہو گیا۔ کہ اپنے دل پر ہر طرح جبر کرکے۔ جننی جنم بھومی جھانسی سے ہمیشہ کے لئے جبری لیکن ارادی جلاوطنی اختیار کرلے۔ اور اس کے سنگین قلعے کی جن فولادی دیواروں کی حفاظت میں وہ اب تک۔ سب اپنا خون پانی کی طرح بہاتے رہے ہیں۔ انہیں ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر۔ کھلے میدان میں دشمن کی لاتعداد محاصرہ کن فوجوں کی صفوں کو شیران ببر کی مانند چیرتے ہوئے۔ یا تو کالپی میں پڑی ہوئی پیشوائی فوجوں کے ساتھ جا ملیں اور پھر ان کی امداد سے اپنی مادر وطن کو اغیار کی غلامی سے آزاد کرانے کی جانبازانہ کوششیں کرتے رہیں۔ یا انہیں کوششوں میں قومی اور ملکی غداروں اور دشمنوں کے ساتھ آخری دم تک لڑتے بھڑتے سورگ کو سدھار جائیں۔

(۲۲)

سرکف قافلہ

یہ جانبازانہ ارادہ اپنے دلوں میں پختہ و مضبوط کر کے مہارانی جی نے پہلے تو اپنے ہوشیار جاسوسوں کو یہ پتہ لگانے کے لئے بھیج دیا۔ کہ شہر کے کس دروازے پر محاصرہ کن انگریزی فوج کی کتنی کتنی طاقت موجود ہے؟ اور پھر اپنے سب سرکف ساتھیوں میں خوب جی کھول کر انعام و اکرام تقسیم کیا۔ اور انہیں حکم دیا کہ اور بھی جو کچھ زر و جواہر یا بیش قیمت ہلکا سامان ان کے پاس موجود ہو۔ اسے اپنے اپنے گھوڑوں کی خورجیوں اور میانیوں میں بھر لیں اور اپنی اپنی کمروں سے مضبوط باندھ لیں۔ تاکہ دیس پردیس میں جہاں کہیں بھی وہ جائیں۔ ان کے کام آئے۔ اسی طرح خود بھی اپنا بہترین مردانہ لباس زیب تن کر کے اور گراں ترین لعل و جواہر اپنے گھوڑے کی میانیوں اور خورجیوں میں بھر کر۔ نیز کمر سے لپیٹ کر باقی ماندہ خزانے میں سے دوسری سب نہایت قیمتی اور یادگاری چیزیں ایک ہاتھی کے ہودے میں بھروا کر اپنے پوجیہ پتا تانبے جی کے سپرد کر کے کئی معتمد ترین شیر دل سرداروں کو اس ہاتھی کی خاص محافظت پر مامور کر دیا۔ پھر اپنے بہترین اور تیز ترین وفادار گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے پرانے متبنے مہاراج کمار دامودر گنگا دھر راؤ کو۔ جن کی عمر اس وقت ۸-۱۰ سال کے قریب تھی۔ اپنی پیٹھ پر خوب مضبوطی کے ساتھ کس کر بندھوا لیا۔

اتنے ہی میں سب جاسوسوں نے ہر طرف سے آ آ کر خبر دی کہ ہر ایک

دروازے کی مفصل رپورٹ مہارانی جی کو آ سنائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ شہر کے شمالی دروازے کے سوا باقی سبھی طرف انگریزوں کا محاصرہ نہایت ہی سخت اور ناقابل گذر ہے۔ کیونکہ ہر طرف لاتعداد فوج مرنے مارنے کے لئے تیار کھڑی ہے۔ اس لئے آخر شمالی دروازے سے ہی کالپی کی طرف روانہ ہونے کا فیصلہ کیا گیا۔

جب یہ جانباز سرِ بکف قافلہ۔ اپنے زر و جواہر اور جھانسی راجیہ کی پشتہا پشت سے جمع کی ہوئی بہترین اور عزیز ترین یادگاری اشیاء پیچھے دے ہوئے ریاست کے سرمایہ ناز ہاتھی کو چاروں طرف سے گھیرے۔ اپنے برچھی بھالے سنبھالے۔ تیز ننگی تلواروں کو ہاتھوں میں اٹھائے جھانسی کو دائمی خیرباد کہنے کے لئے تیار ہوا۔ اس وقت سورج بھگوان بھی ان کی اس آخری وداعگی کے پُردرد نظارے کو دیکھنے کی تاب نہ لاکر اپنی مغربی آرام گاہ میں جا چھپے تھے۔ جھانسی کے وفادار شہریوں میں سے جس بھی نرناری نے اس دلدوز نظارے کو دیکھا۔ وہی اوروں کو اس کی اطلاع پہونچانے کے لئے سرپٹ بھاگ گیا۔ اور اس طرح آناً فاناً ہزاروں مردوں عورتوں کا ایک جمِ غفیر اپنی فخرِ روزگار شیر دل مہارانی جی اور ان کے جانباز ساتھیوں کے آخری درشنوں کے لئے شاہی سڑک پر دو رویہ جمع ہونے لگا۔ جب مہارانی جی اور ان کا یہ سرِ بکف جانباز قافلہ اس مجمع میں سے ایک طوفانی تیزی کے ساتھ اپنی تلواریں ہلاتا اور نعرے لگاتا ہوا گزرا۔ تو سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ مہارانی جی نے اپنی پران پیاری پرجا کے اس ماتمیہ پریم کو آنسو بھری پُردرد احسانمندانہ نگاہوں سے دیکھا۔ لیکن وقت کی نزاکت کا اندازہ لگاتے ہوئے خون کا سا گھونٹ پیئے۔ کمال خاموشی اور اداسگی فرض سے پیدا ہوئے دلی

اطمینان کے ساتھ اپنے برق رفتار گھوڑے پر سوار۔ ان کے درمیان سے گذرتی ہوئی چلی گئیں۔ راستے میں جس بھی مخالف نے انہیں اور ان کی اس سربکف دلیر جماعت کو روکنا چاہا۔ وہی خاک و خون میں تڑپتا ہوا نظر آیا۔

قلعے کے دروازے سے باہر نکلتے ہی۔ مہارانی جی نے آزادی اور اطمینان کا ایک گہرا اور لمبا سانس لے کر اپنے پُر درد دل میں ایسی خوشی اور مسرت محسوس کی۔ جیسی کہ کوئی سالہا سال سے پنجرے میں بند چڑیا۔ اپنے پنجرے سے آزاد ہو کر آسمان کی بلندیوں پر پھدکتی اور پرواز کرتی ہوئی محسوس کر سکتی ہے۔ اگرچہ آیندہ درپیش آنے والے خطرات سے بھی وہ بالکل بے خبر اور لاعلم نہ تھیں۔ لیکن جو شوروسر اپنی جان سے ہاتھ دھو چکے ہوں۔ انہیں پھر کسی مشکل یا خطرے کا کیا خوف ہو سکتا ہے۔ بقولیکہ ؎

اب کیا رہا ہے جس پہ رقیبوں کا ڈر کریں
ہم تو بروں کی جان کو پہلے ہی رو چکے

مگر پھر فوراً ہی دروازے کے باہر۔ ہر طرف دور دراز تک پڑی ہوئی انگریزی فوجوں کی چھاونی۔ اور اپنی اس تازہ حاصل کردہ آزادی کا رستہ روکنے والے دشمن کے دستوں کا خیال دل میں آتے ہی فرط غضب سے ان کا چہرہ لال ہو گیا۔ آنکھوں سے چنگاریاں جھڑنے لگیں۔ اور وہ شہر کے خاموش ماتم زدہ بازاروں میں اس تیزی کے ساتھ گھوڑا دوڑاتی ہوئی آگے بڑھیں کہ ان کے بہت سے ساتھی ساتھ نہ دے سکے۔ اور بہت پیچھے رہ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت صرف دس بارہ سوار۔ ایک سائیس اور ایک داسی ان کے ساتھ تھی۔ اور انگریزوں کا ایک لشکر جرار ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔

جیسے ایک وسیع سمندر کی مانند تیر کر۔ انہیں اپنی آیندہ آزادی یا موت کا رستہ صاف کرنا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کی شمہ بھر بھی پرواہ نہ کی۔

مہارانی لکشمی بائی جی کی اس دشوار ترین جانبازانہ مہم کا ذکر کرتے ہوئے انگریز مورخ کرنیل میڈوز ٹیلر لکھتے ہیں :۔

" آخر جب کہ ابھی بہت سی رات باقی تھی۔ تو شہر کے ایک سنسان حصے کی سنگین فصیل میں ایک دروازہ خاموشی کے ساتھ کھلا۔ اور اس میں سے ایک مغموم اور افسردہ دل قافلہ باہر نکلا۔ جس میں رانی اور اس کی بہن یا سہیلی مردانہ پوشاک پہنے۔ اپنے چند منتخب ساتھیوں سمیت شامل تھی۔ وہ سب چپ چاپ اس دروازہ میں سے گذر کر۔ باہر کی وسیع تاریکی میں غائب ہو گئے۔ اور ان میں سے آخری جوان کے باہر ہوتے ہی دروازہ پھر بند ہو گیا۔ اس رات کی یہ مہم ان سب کے لئے بڑی جان جوکھوں کی مہم تھی۔ کیونکہ ۱۴ ویں ڈریگون نامی انگریز رسالے اور حیدرآباد کنٹنجنٹ فوج کے گشتی دستے ہر طرف نہایت ہوشیاری سے گشت کرتے ہوئے پہرہ دے رہے تھے۔ اور کسی بھی جگہ ان کا سامنا ہو جانا۔ ان سب کے لئے یقینی موت کا باعث ثابت ہو سکتا تھا۔ یہ جانباز جماعت ان کی آنکھوں میں کس طرح دھول جھونک کر صاف نکل گئی۔ یہ ایک ایسا راز ہے۔ جو اب تک کوئی بھی حل نہیں کر سکا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ رانی کے رہنما اپنے کام کے مکمل ماہر تھے۔ اور رانی بھی ایک نہایت عمدہ تربیت شدہ سوار تھیں اس لئے وہ بڑی ہی تیز رفتاری کے ساتھ اس میدان کی طرف بڑھتی

چلی گئیں۔ جس کے پار ہی ان کے لئے بہترین حفاظت کی کوئی اُمید ہو سکتی تھی۔

جرنیل سرہیوز روز کو جب اس طرح مہارانی جی کے صاف بچ کر نکل بھاگنے کی خبر ملی۔ تو وہ اپنے ماتحت افسروں کی طرف۔ جو یہ تعجب انگیز اور ناقابلِ یقین خبر لائے تھے وفورِ حیرت سے اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ گویا انہیں کسی طرح بھی اس خبر کی صداقت کا یقین نہ آرہا تھا۔ لیکن جب اُنہوں نے بار بار اپنے بیان کے۔ ایک امرِ حقیقت ہونے پر اصرار کیا۔ تو سرہیوز اپنے دانتوں میں اُنگلی دباتے ہوئے بے تحاشہ یہ کہہ اُٹھے "بلاشک و شبہ رانی ایک بہترین اور بہادر ترین فوجی لیڈر رہے"۔

یہ کہتے ہی پہلے تو سرہیوز کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی۔ مگر پھر اُنہوں نے فوراً ہی سنبھل کر مہارانی جی کا سخت سے سخت تعاقب کئے جانے کا نادر شاہی حکم چڑھا دیا۔ لیکن کمان سے نکلا ہُوا تیر۔ اور بندوق کی نالی سے نکلی ہوئی گولی۔ کب کسی کے ہاتھ آئی ہے؟ جو ان کے سوار ہی مہارانی جی کو پا سکتے۔ اُنہوں نے ۲۰۔۱۲ میل تک نہایت برقی تیزی کے ساتھ ان کا تعاقب کیا۔ مگر کسی کو ان کی گرد تک بھی نہ ملی۔

لیکن مہارانی جی کے ساتھ جو اور سورما مہادیر سر سے کفن لپیٹ کر قلعے سے چلے تھے۔ ان سب کا کیا حشر ہُوا؟ ان میں سے اکثر کے بارے میں تو اس سے زیادہ اور کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ اس دوڑ دھوپ میں مہارانی جی سے الگ ہو کر وہ سبھی۔ کہیں نہ کہیں دُشمنوں کے ساتھ لڑتے بھڑتے دیر گئی کو پراپت ہو گئے۔ کیونکہ جب ایک ایک سورما کا۔ لاتعداد مخالفوں سے سامنا پڑ جائے۔ اور وہ میدانِ جنگ میں مر مٹنا ہی اپنا سب سے پہلا اور سب

سے بڑا فرض سمجھ بیٹھا ہو۔ تو اس کا انجام اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے؟

البتہ مہارانی جی کے پوجیہ پِتا مورو پنت تانبے جی کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ جب وہ اپنے گِنے چُنے ساتھیوں کی ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ۔ جو اس زرد جواہرات اور دیگر بیش قیمت اشیاء سے لدے ہوئے ہاتھی کی حفاظت پر تعینات تھے۔ قلعے سے چلے۔ تو رستے میں اس چھوٹے سے جانبازانہ اور فرض شناس قافلے کا کئی جگہ دشمن کے مخالف دستوں کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ اور ان میں تانبے جی کے سوا۔ ان کے سب ساتھی ایک ایک کر کے کام آ گئے۔ اس جانبازانہ جنگ و جدل میں اگرچہ تانبے جی کا بھی زندہ بچ نکلنا حیرت انگیز ہے۔ مگر پھر بھی وہ کسی نہ کسی طرح زخمی ہو کر بھی دُشمنوں کے نرغے سے صاف نکل گئے۔ اور جھانسی راجیہ کی حدود سے باہر دتیا ریاست کے علاقے میں پہونچ کر وہاں کسی تنبولی کے گھر جا کر پناہ گزیں ہوئے۔ مگر راجہ دتیا کو کسی نہ کسی طرح ان کے وہاں پہونچنے کی خبر مل گئی۔ اور اس نے انہیں معہ ہاتھی کے گرفتار کر کے۔ ہاتھی پر لدا ہوا سارا خزانہ تو اپنے قابو میں کر لیا۔ اور تانبے جی مہاراج کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

مہارانی لکشمی بائی جی کے۔ اس طرح پنجرے سے نکل جانے پر حیران و پشیمان ہو کر سر رابرٹ ہملٹن پولیٹیکل ایجنٹ نے جب تانبے جی کی گرفتاری کی خبر سنی تو وہ بہت خوش اور مطمئن ہوئے۔ اور آخر انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کر کے اگلے ہی دن انہیں جھانسی لا کر دوپہر کے ڈھائی بجے راج محل کے سامنے پھانسی دے دی۔ اور اس طرح مہارانی لکشمی بائی کے خلاف

جو انتقام کی زبردست پیاس ان کے دل میں تھی۔ وہ ان کے پتا جی کے خون سے بجھائی۔

لیکن افسوس وہ خوفناک آگ اس خون ناحق سے بجھنے کی بجائے شاید اور بھی بھڑک اٹھی۔ اور اسے شانت کرنے کے لئے انہوں نے بدقسمت جھانسی کی ابھاگی پرجا کے ساتھ جو کچھ کیا۔ وہ مشہور بدنام زمانہ نادر شاہ نے بھی بدنصیب دہلی کی بدنصیب رعایا کے ساتھ نہ کیا تھا۔ کیونکہ نادری قتل عام اور لوٹ کھسوٹ تو ہر ایک تاریخ ہند کی رو سے صرف تین پہر یعنی ۹ گھنٹے تک ہی جاری رہی۔ مگر بدقسمت جھانسی اور وہاں کی بدقسمت پرجا کی راج لکشمی تو۔ جیسا کہ پریمی پاٹھک آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ انگریز افسروں کے حکم سے ان کی انگریز اور دیسی۔ بلکہ مختلف ماتحت ریاستوں کی امدادی فوج کے سپاہیوں کے ہاتھوں بھی برابر ساٹھ دن تک قتل ہوتی اور لوٹی جاتی رہی۔ جس کی شہادت کئی انصاف پسند انگریز مصنف اپنی مختلف تصانیف میں زبان حال سے دے رہے ہیں۔ اور حشر تک دیتے رہیں گے۔ وائے برحال ما!

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!\
تفو بر تو اے دور دوراں تفو!

یا ہندی کوی کے الفاظ میں

دھک دھک کال چکر کی گتی پر\
دھک دُربھاگیہ اور دُرمتی پر

نوٹ (ترجمہ) اس دور زمانہ کی چال پر لعنت ہے۔ اس بدقسمتی اور بدعقلی پر بھی لعنت ہے۔ جو اشرف المخلوقات انسان سے ایسی بے رحمی اور سنگدلی کے کام کرایا کرتی ہے۔

(۲۴)

سات روزہ لوٹ اور قتل عام

ابھاگی جھانسی کی اس بدقسمتی اور بدنصیبی کی مفصل داستان۔ مہاراشٹر کے مشہور مورخ شری چِنتامنی ونائک وشدیہ نے اپنی مشہور مرہٹی تصنیف "ماجھا پرواس" یعنی "ہماری جلاوطنی" کے نام سے نہایت دردناک الفاظ میں لکھی ہے۔ ان کا یہ سب بیان محض قیاسی یا مختلف متضاد باتیں پیش کرنے والی۔ تاریخی کتب پر مبنی نہیں۔ بلکہ ان کے اپنے دعوے کے مطابق مختلف قابل اعتماد اور مستند تاریخوں اور مختلف تاریخی مقامات کی پُرتفتیش سیر و سیاحت کے دوران میں کی ہوئی ذاتی تحقیقات کے آدھار پر ہے۔ ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ محاصرہ جھانسی سے لے کر اس کے اس پُردرد انجام تک۔ جھانسی میں شری گوڑسے بھٹ نامی ایک ودوان برہمن رہتے تھے۔ اُنہوں نے اس سلسلہ کے کچھ اپنے چشمدید واقعات قلمبند کیے تھے۔ انہیں کی بنا پر شری یت وشیدیہ جی نے اپنی متذکرہ بالا تصنیف میں یہ سب کچھ لکھا ہے۔ جس کا لب لباب درج ذیل ہے:۔

"تسخیر جھانسی کے بعد فوجی گورے گولیاں چلاتے اور تلواریں نچاتے شہر کے چاروں دروازوں سے اندر گھس آئے۔ اور دیوانہ وار اس بدقسمت شہر کے بازاروں اور گلی کوچوں میں قتل عام اور لوٹ مار کرتے ہوئے گھومنے لگے۔ اس وقت ان کے انتقام کی پیاس اس قدر بھڑکی ہوئی تھی۔ کہ اُنہوں نے اسے بجھانے کے لئے نہ تو کسی اسی برس کے بوڑھے کو بخشا اور نہ کسی پانچ

سال کے بچے کو۔ جو بھی اپنی بدقسمتی سے ان کے سامنے آگیا۔ اسے ہی انہوں نے ٹھکانے لگا دیا۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ ساتھ ہی اس کے انہوں نے اس بھاگے نگر میں جگہ بجگہ آگ بھی لگانی شروع کر دی۔

"اس آتشزدگی کے سلسلے کا "شری گنیش" حلوائی پورے سے ہوا۔ جس کی بدولت قدرتاً سبھی نگر نواسیوں کو اپنی اپنی جانیں بچانے کے لئے گھروں سے باہر نکلنا پڑا۔ اس سے ان خون کے پیاسے ہتیارے دل کو۔ اپنی خون کی پیاس جی بھر بھر کر بجھانے کا۔ اور بھی خوب موقع مل گیا۔ اس وقت جھانسی نواسیوں نر ناریوں۔ بوڑھوں اور بچوں کی حالت بالکل ویسی ہی تھی جیسی کہ بھیڑوں اور بکریوں کے اس ریوڑ کی ہو سکتی ہے۔ جس پر ایکدم اور اچانک ہی بیشمار بھیڑیوں نے حملہ کر دیا ہو۔

"جھانسی شہر میں شرمیان بھڈے نامی ایک مہاراشٹر سردار کا ایک باغ تھا۔ بہت سے بدنصیب نر ناری اپنی جانیں بچانے کے لئے وہاں جا چھپے۔ مگر کچھ دیر بعد ہی یہ خونخوار اور غضبناک وحشی درندے وہاں بھی جا پہونچے۔ انہیں دیکھ کر ان بھاگے مردوں اور عورتوں کی خوف کے مارے جو بری حالت ہوئی ہوگی اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔ ان پناہ گزینوں کی بدحالی اور منت سماجت سے۔ اس سفاک گروہ کے افسر کا دل بھی کچھ پسیج گیا۔ اور اس میں انسانیت اور بہادری کا جذبہ پیدا ہوا۔ کھلاس طرح اس ویر نے ان سبھی ناکردہ گناہ مظلوموں کی جاں بخشی کرا کے۔ انسانیت کی تاریخ میں اپنا گمنام تاحشر کیلئے سنہری حروف میں لکھوا لیا۔ اس نے اسی وقت اس باغ کے دروازوں کو مقفل کرا کے وہاں مسلح پہرہ لگا دیا۔ تاکہ کوئی اور جماعت آکر انہیں پریشان نہ کر سکے۔

اس ایک واقعہ سے انگریزی فوج کے شاندار ڈسپلن کا صحیح طور پر اندازہ لگ سکتا ہے۔ ورنہ اس بھڑکی ہوئی اور حریص جماعت کثیر کے سامنے۔ ایک افسر کی۔ خواہ وہ کتنا بھی بلند پایہ کیوں نہ ہو۔ کیا مجال و طاقت ہو سکتی تھی؟ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر اس نیک دل انگریز افسر نے بیس ہزار کے قریب معصوم مردوں عورتوں اور بچوں کی۔ ان خون کے پیاسے بھیڑیوں سے جاں بخشی کروائی۔ پربھو اس کی ٹینیہ آتما کو سدگتی پردان کریں۔

لیکن یہ صرف شہر کے ایک چھوٹے سے حصے کی حالت تھی۔ باقی تمام شہر میں جو قیامت برپا ہو رہی ہوگی۔ اس کا اندازہ ناظرین خود ہی با آسانی لگا سکتے ہیں۔ اس کشت و خون کے ساتھ ہی لوٹ مار کا بازار بھی ہر طرف گرم تھا۔ طمع اور لالچ سے دیوانے ہوئے سپاہی۔ بے خوف و خطر۔ ہر طرح کے بیش قیمت سے بیش قیمت ساز و سامان سے بھرے پڑے خالی مکانوں میں گھس گئے۔ اور وہاں سے سونے چاندی ہیرے جواہرات وغیرہ سے لے کر معمولی سے معمولی سامان تک جو بھی ان کا جی چاہا۔ اور جتنا بھی وہ لے جا سکے۔ بے روک ٹوک لوٹ کر لے گئے۔ جس کسی نے بھی ان کی لوٹ کھسوٹ میں مداخلت کرنی چاہی۔ اسے ہی اپنی جان دے کر اس غلطی کی تلافی کرنی پڑی۔ جہاں کہیں پہلے لوٹ مار ہو چکنے کے باعث۔ بعد میں اسی غرض سے آنے والے لیٹروں کے پلے کچھ نہیں پڑا۔ اُنھوں نے ان بدقسمت مظلوموں کا خاتمہ کر کے ہی اپنا غصہ ٹھنڈا کر لیا۔ جو اس وقت انہیں اپنی اس بدقسمتی پر آنسو بہاتے ہوئے وہاں مل گئے۔

یہ ضرور ہے۔ کہ اس افراتفری اور خون خرابے کے عالم میں بھی۔ ان

سپاہیوں کے ہاتھوں حیوانی شہوت رانی کی کوئی خاص شکایت نہیں سُنی گئی۔ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ بہت سی دیویوں نے اپنی عزت و حرمت خطرہ میں محسوس کر کے۔ خود ہی کسی کنوئیں وغیرہ میں کود کر۔ یا اپنے پتی دیو کو کسی سفاک کی گولی یا خون آشام تلوار کا نشانہ بننے سے بچانے کی کوشش میں۔ اپنی جان شیریں قربان کر دی ہو۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر ہندوستانی دیویاں خلقی طور پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔ اور اپنی جان کے لئے کسی بڑے سے بڑے خطرے کو بھی کچھ نہیں سمجھتیں۔

اس سلسلہ میں یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ انگریز افسروں نے پیش بندی کے طور پر۔ ایک ایک گورے سپاہی کے ساتھ دو دو ہندوستانی سپاہیوں کی نوکری صرف اس لئے لول دی تھی۔ کہ وہ اس لوٹ کھسوٹ میں کسی طرح حارج نہ ہوتے ہوئے بھی۔ اگر یہ دیکھیں کہ کوئی گورہ سپاہی کسی عورت کی بے حرمتی پر آمادہ ہے۔ تو اسے فوراً گولی مار دیں۔ ان کے خلاف کوئی داد فریاد نہ سُنی جائے گی۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو اس سے بھی انگریزی افسروں کے اس پہلو میں اعلیٰ اخلاق کی تعریف کرنی پڑتی ہے۔

غرضیکہ تین دن تک فوجی گورے اسی طرح جھانسی کی پرجا کے دھن سمپتی کو خوب جی بھر بھر کر لوٹتے رہے۔ ان کی اس سفاکانہ لوٹ کھسوٹ کی قیمت کا جو بھی اندازہ لگایا جائے۔ وہ کم ہی ہوگا۔ کہتے ہیں کہ دو دن اس طرح بار بار لوٹ مار کرنے سے بھی جب ان لوبھی گوروں کی سیری نہ ہوئی تو تیسرے دن انہیں راج محل لوٹ لینے کا بھی حکم مل گیا۔ جہاں صرف پیشواؤں کے زمانے سے ہی نہیں۔ بلکہ بندیل کھنڈ کے قدیم فرمانرواؤں کے وقت کی بھی بے شمار اور بے اندازہ دولت اور بیش قیمت اشیاء انبار در انبار جمع تھیں

اور جس میں ریاست پنّا کی ہیرے کی کان کے نمونوں کی بھی کچھ کمی نہ تھی۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اس لاانتہا دولت کا کچھ حصّہ تو مہارانی لکشمی بائی نے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور کچھ اپنے ہاتھی کے ہودے میں بھر کر ساتھ لے لیا تھا۔ لیکن پھر بھی جو باقی رہ گیا تھا۔ وہ بھی کچھ کم نہ تھا۔

صرف یہی نہیں بلکہ ریاست جھانسی کے شاہی کتب خانے کو بھی۔ جس میں صدیوں سے طرح طرح کی علمی اور مذہبی کتابوں کے بے شمار قلمی نسخوں کا ایک بیش بہا ذخیرہ موجود تھا۔ تباہ وبرباد کر دیا گیا۔ ہمارے بھارت ورش کا یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ جس کی کسی طرح بھی کوئی تلافی نہیں ہو سکتی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پستکالیہ اتنا بڑا اور اتنا مشہور تھا۔ کہ بھارت بھر سے وِدوان پنڈت ۳۴ کہ۔ بروقت ضرورت یہاں اپنی علمی پیاس بجھایا کرتے تھے۔

مندروں اور دوسری عبادت گاہوں میں جمع شدہ دولت کا بھی۔ جو اس لوٹ کی نذر ہوئی اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ ان مندروں کی ان خوبصورت اور بیش قیمت مورتیوں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ جو یہ لیٹرے اس لوٹ کی تاریخی یادگاروں کے طور پر اٹھا اٹھا کر لے گئے۔ اور جواب بھی ان کی اولاد کے "ڈرائنگ رومز" کی شوبھا بڑھا رہی ہونگی۔

کئی انگریز مورخوں نے تو اپنی تصنیفات میں اس شرمناک لوٹ کھسوٹ قتل اور غارتگری کا ذکر بالکل ہی چھوڑ دیا ہے۔ مگر "سنٹرل انڈیا" نامی مشہور تصنیف میں مسٹر ہنری سلورسٹن صاحب اپنے عجیب مذاق آمیز پیرایہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"لڑائی ختم ہوتے ہی افسروں اور سپاہیوں نے اپنی حیرت مٹانے

کی غرض سے اِدھر اُدھر کھوج اور تلاش شروع کی۔ اور وہ ہر ایک گھر میں گھس گھس کر اس کے تاریک سے تاریک کونوں تک کی بھی تلاشیاں لینے لگے۔ جہاں کہیں انہیں کچھ شبہ ہوا وہاں اُنہوں نے دیواریں تک گرا دیں۔ لیکن کسی لوٹ کی نیت سے ایسا نہیں کیا گیا۔ بلکہ صرف تجسس۔ تلاش اور رفع حیرت کی غرض سے!...... مگر میری نظروں میں ایک طرح کی چیزوں کی لوٹ۔ ان میں سے حد درجہ دیانت دار انسان کی نظر میں بھی ایک جائز و معقول لوٹ تھی۔ اور وہ چیزیں تھیں ان دیوتاؤں کی مورتیاں جو ان مندروں میں ملتی تھیں ۔"

ہندوستانی مؤرخ کا بیان ہے کہ "وہ مہالکشمی کے مندر میں بھی پہنچے۔ جو اب کھنڈر کی صورت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کے سب دھن سمپتی کو اُنہوں نے اس طرح لوٹا کہ دیوی بھگونی کے بیش قیمت کپڑے اور زیورات تک بھی نہ چھوڑے۔ چونکہ انہیں یہ معلوم تھا۔ کہ اگلے دن ہی ان کے لئے اس لوٹ مار کی ممانعت کر دی جائے گی۔ اس لئے اُنہوں نے اس روز کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مندر۔ دھرم شالائیں۔ شمشان بلکہ پاخانے تک بھی چھان مارے اور جہاں بھی کوئی قسمت کا مارا چھپا ہوا مل گیا۔ اسی کا سر اُتار ڈالا۔ کوشٹی پورے میں اتنی ہتیا کی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور خون کی نالیاں بہ نکلیں ۔"

تین دن کی اس لوٹ مار کے بعد جب "بھدّے باغ" میں پناہ پانے والے۔ خوش قسمت یا بد قسمت مردوں عورتوں کو ——— سمجھ میں نہیں

آتا کہ انہیں "خوش قسمت" لکھا جاوے یا "بد قسمت"۔ بالفرض خوش قسمت تو اس لئے کہ وہاں محفوظ و محبوس رہنے سے (خواہ وہ بھوکے پیاسے ہی کیوں نہ رہے ہوں) ان کی جانیں تو صحیح سلامت بچ گئیں۔ اور بد قسمت اس لئے کہ وہ ناکردہ گناہ اس تمام ظلم و ستم کا شکار بنائے گئے تھے ۔ باغ سے باہر جا کر اپنے اور اپنے عزیزوں کی خوراک کا کچھ انتظام کر لانے کی اجازت دی گئی ۔ تو بیچارے بھاگے بھاگے گئے ۔ اور اس پاپی پیٹ کی دوزخ بھرنے کے لئے شہر کے کھنڈروں میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے لگے ۔ ان کی اس قابل رحم حالت کا کسی قدر اندازہ لگا لینا۔ کسی کے لئے کچھ بہت مشکل نہ ہوگا۔

لیکن اب بھی ان کی اس مصیبت کا خاتمہ نہیں ہوا۔ گوروں کی یہ لوٹ کھسوٹ بند کر کے ۔ فیاض طبع سر ہیوز نے " حلوائی کی دوکان اور داداجی کا فاتحہ " کے مصداق ۔ بڑی فیاضی سے اپنی مدراسی فوج کے جوانوں کو شہر کا باقی ماندہ مال لوٹ لینے کی اجازت دے دی ۔ انہوں نے یہ حکم پاتے ہی اور کوئی چیز ہاتھ نہ لگنے پر غریب شہر والوں کے کھانا پکانے اور دوسرے ۔ تانبے ، پیتل ، کانسی وغیرہ کے برتنوں اور دیگر ساز و سامان کو ہی غنیمت سمجھا۔ بقولیکہ " گندم اگر بہم نرسد بھس غنیمت است ! " یہاں تک کہ مندروں کے ڈھول نقارے غرضیکہ دھات کی بنی ہوئی جو بھی کوئی چیز جہاں پائی ۔ وہی ڈھو ڈھو کر لے گئے ۔

پانچویں دن حیدرآبادی فوجوں کے جوانوں کو سر ہیوز کی اس عدیم المثال فیاضی میں حصہ ملا ۔ اور شہر میں من مانی لوٹ مار مچانے کی اجازت دے دی گئی ۔ انہیں اور کچھ نہیں ملا ۔ تو انہوں نے بیچارے قسمت کے

مارے شہریوں کے کپڑوں پر ہی ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا۔ سوتی، اُونی ریشمی۔ پہننے اوڑھنے بچھانے غرضیکہ جس طرح کے بھی کوئی کپڑے ان کے ہاتھ لگے۔ وہی لوٹ لے گئے۔ دری۔ خیمے۔ قنات وغیرہ بھی کہیں نہ چھوڑے۔ غرضیکہ بدنصیب شہریوں کے تن پر جو کپڑے تھے۔ وہ بھی اگر کسی کے چھوڑ دیئے ہوں۔ تو عین عنایت سمجھی گئی ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ اسی طرح سرہیوز کی مختلف فوجیں پورے سات دن تک بدنصیب جھانسی اور اس کی بدقسمت رعایا کو لوٹتی رہیں۔ اور انھوں نے ان بیچاروں کے پاس نہ تو پیٹ بھرنے کے لئے اناج ہی چھوڑا۔ اور نہ تن ڈھانپنے یا اوڑھنے بچھانے کے لئے کپڑے ہی۔ کسی اور بیش قیمت چیز کا تو ذکر ہی کیا ہے؟

آٹھویں دن انگریز سرکار نے کمال مہربانی سے شہر میں امن و امان کا اعلان کردیا۔ اور جگہ جگہ ڈھنڈورا پٹوا دیا۔ بدقسمت شہری مرد و عورت جو جان کے خوف سے کہیں نہیں جاکر چھپ گئے تھے۔ ڈرے اور سہمے ہوئے سے۔ اپنے اپنے گھروں کو لوٹے۔ جو اب کھنڈروں کے سوا کچھ نہ رہ گئے تھے۔ اور انہیں ہی جیسے تیسے پھر صاف ستھرے کرکے ان میں رہنے کی فکر کرنے لگے۔ اس وقت بھوک پیاس سے ان پر جو گذری ہوگی۔ ان کا اندازہ لگانا شاید مشکل نہ ہوگا۔ مگر سوائے برداشت کے اور چارہ ہی کیا تھا؟ قدرت کا نیم ہی کچھ ایسا ہے کہ ؏

برسر فرزند آدم ہرچہ آید بگذرد

"سنٹرل انڈیا" کے مصنف کا بیان ہے کہ جھانسی کی لوٹ کھسوٹ کا سامان گورے اور دیسی سپاہیوں اور افسروں کے پاس اتنا جمع ہوگیا تھا۔ کہ

ان کے لئے اسے ڈھونڈھو کر لے جانا بھی مشکل تھا۔ اب انہیں اس کے ٹکڑے کرنے کی سوجھی۔ اور آئے دن۔ ان لوٹی ہوئی چیزوں اور ساز و سامان کی فروخت کے لئے مینا بازار لگنے لگا۔ ارد گرد کے باشندے آ آ کر انہیں نقد داموں سے خرید خرید کرکے جانے لگے۔ بہت سا فوجی کارآمد سامان گوالیار کے راجہ نے اپنے آدمیوں کے ذریعے خرید لیا۔ شاید اور دیگر ریاستوں نے بھی ایسا ہی کیا ہو بمصداق "کسی کا گھر جلے اور کوئی آگ تاپے" اس بے رحم دنیا کا ہمیشہ سے یہی دستور چلا آیا ہے۔

جھانسی کے اس زبردست محاصرے اور خوفناک جنگ میں انگریزوں کا جو نقصان ہوا۔ اس کے بارے میں اگرچہ انگریز مورخوں کا بہت کچھ اختلاف ہے۔ مگر پھر بھی ان کا کم از کم اندازہ یہ ہے کہ اس معرکے میں ان کے ۳۶ افسر اور ۳۰۷ سپاہی مارے گئے۔ اور جھانسی والوں کا جانی نقصان ۵ ہزار کے قریب ہوا۔ ہندوستانی مورخ یہ اندازہ اس سے کئی گنا زیادہ لگاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ پچھلے سات دنوں کے قتل و عام اور لوٹ مار میں پہلے کے نسبت بہت زیادہ آدمی مارے گئے۔ مال و متاع جو لوٹا گیا۔ اس کی قیمت کا اندازہ لگانا تو بالکل ہی بعید از قیاس ہے۔

"سنٹرل انڈیا" کے مصنف ڈاکٹر لو لکھتے ہیں کہ "جھانسی میں ہم نے جن لاشوں کو جلایا یا دبایا۔ ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہو گی لیکن اگر تاریخ محاصرہ سے شروع ہو کر جو جنگ و جدل آخر تک برابر جاری رہا۔ اور بیتوا ندی کے کنارے جو لڑائی ہوئی۔ اسے بھی اگر خیال میں رکھا جاوے تو یہ کہنا بہت زیادہ غلط نہ ہوگا۔ کہ ہم نے دشمن کے تین ہزار آدمی مارے۔"

اسی سلسلے میں مسٹر مارٹن اپنے ایک مضمون میں اس طرح لکھتے ہیں:۔
کہ" ۴ر اپریل کو قلعے اور شہر کے باقی ماندہ حصّے پر بھی ہماری فوجوں نے قبضہ کر لیا اور وہ ایک خوفناک قتل و عام کی مرتکب ہوئیں جس میں جھانسی کے اندر یا بھاگتے ہوئے ۵ ہزار سے کم آدمی نہ مارے گئے ہونگے۔ اور جو مال لوٹ میں حاصل کیا گیا۔ اس کا اندازہ بھی بہت ہی کیا جاتا ہے گویا اس سے پہلے لڑائی میں جو آدمی مارے گئے۔ وہ ۵ ہزار کے علاوہ ہوں گے۔

× × × × × ×

گردش زمانہ کے زبردست چکر میں پھنسی ہوئی شیر دل مہارانی لکشمی بائی۔ قلعے سے نکل کر بے تحاشہ گھوڑا دوڑاتی ہوئی۔ اگلے دن یعنی ۵ر اپریل کو ریاست گوالیار کی سرحدی گاؤں بھانڈیر میں جا پہونچیں۔ وہاں اُنہوں نے ایک محفوظ مقام میں ضرو دیات اور اپنے نت نیم سے فارغ ہو کر اپنے راجکمار کو کچھ ناشتہ کرایا۔ لیکن ابھی اپنے اس خوفناک سفر کے بعد وہ کچھ دیر بھی آرام نہ کر پائی تھیں۔ کہ انہیں انگریزوں کے فوجی دستے آپہونچنے کی خبر ملی۔ اس لئے وہ فوراً ہی اچھل کر گھوڑے پر جا بیٹھیں۔ اپنے راجکمار کو بھی اُنہوں نے پھر پہلے کی مانند اپنی پیٹھ پر کس کر مضبوط باندھ لیا۔ اور ایک ہاتھ سے تلوار گھماتیں۔ دوسرے سے گھوڑے کی لگام سنبھالے۔ وہاں سے نو دو گیارہ ہو گئیں۔ انگریز افسر اور اُن کے سواروں نے ہر چند اُن کا پیچھا کیا۔ لیکن وہ ان کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔

مسٹر مارٹن اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب "برٹش انڈیا"

میں لکھتے ہیں :۔

"لفٹیننٹ باؤکر نے رسالے کے ایک دستے سمیت مہارانی کا تعاقب کیا۔ اور جھانسی سے ۱۲ میل کے فاصلے پر انہیں تقریباً جا گھیرا۔ یعنی وہاں انہیں ایک خیمہ نظر آیا۔ لیکن جب وہ خیمے کے اندر پہونچے۔ تو وہاں صرف تھوڑا سا ناشتہ ہی پھیلا ہوا ملا۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ رانی ابھی ابھی ناشتہ کرتی کرتی غائب ہو گئی ہے۔ لفٹیننٹ باؤکر نے پھر تعاقب شروع کیا۔ اور کچھ فاصلے پر رانی کو چار ہمراہیوں سمیت بے تحاشا گھوڑا دوڑاتے ہوئے دیکھا۔ لیکن چونکہ وہ اس تعاقب میں سخت زخمی ہو چکے تھے۔ اس لئے مجبوراً انہوں نے پیچھا کرنا چھوڑ دیا۔ اور واپس ہو لئے۔"

اس طرح شیر دل مہارانی اپنی عدیم المثال بہادری۔ جرأت اور جانبازی کا اظہار کرتی بھیڑیوں سے گھری ہوئی ایک خوبصورت ہرنی کے مانند۔ ندی نالے کودتی پھاندتی دشمنوں کا مقابلہ کرتی ہوئی ۲۴ گھنٹے میں ۱۲۰ میل کی سخت مسافت طے کر کے آدھی رات کے قریب۔ جمنا کے کنارے پر آباد مشہور تاریخی شہر کالپی کے قریب ایک محفوظ مقام پر جا پہونچیں۔ جہاں پیشوا نانا صاحب کے بڑے بھائی راؤ صاحب اس وقت اپنی باغی فوجوں سمیت چھاؤنی ڈالے پڑے تھے۔ اس لئے یہ مقام اب تک انگریزوں سے محفوظ تھا۔

مہارانی جی نے یہاں پہونچ کر کچھ دیر دم لینے اور آرام کرنے کے بعد صبح کے وقت راؤ صاحب کو اپنی آمد کی اطلاع بھیجی۔ جیسے

پانتے ہی راؤ صاحب حیران رہ گئے۔ اور انہوں نے فوراً ہی اپنے مشہور سیناپتی تانتیا ٹوپی اور دوسرے سرداروں کو مہارانی جی کو مناسب عزت و احترام کے ساتھ کالپی لے آنے کے لئے روانہ کر دیا۔

---

(۲۵)

مہارانی جی اور راؤ صاحب

پنیہ سئی جمنا جی کے پچھمی کنارے پر کالپی کا مشہور تاریخی شہر آباد ہے جس کا ان صفحات میں پہلے بھی کئی جگہ ذکر آچکا ہے۔ اسی کنارے پر ایک سنگین قلعہ بھی واقع ہے۔ جسے تین طرف سے نہایت مضبوط اور سنگین فصیلوں سے گھیر کر غیر معمولی طور پر محفوظ کر دیا گیا ہے۔ چوتھی طرف خود جمنا جی ہی اپنی زبردست لہروں سے دن رات قلعے کی حفاظت کیا کرتی ہیں۔ اس قلعے سے آگے کے وسیع میدان میں ہی کالپی نگر آباد ہے۔

یہ نگر نہایت قدیم ہے۔ اس لئے یہاں بڑے بڑے کاروباری سیٹھ ساہوکار رہتے ہیں۔ اسلامی عہد حکومت میں بھی اس شہر نے خاص شہرت حاصل کی تھی۔ کیونکہ یہاں کئی معرکتہ الارا جنگ ہوتے رہے ہیں۔ جو صفحات تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ اسی لئے اس شہر کے اندر گرد۔ ان اسلامی سورماؤں کے مقبروں کی بھی کچھ کمی نہیں جو اس میدان جنگ میں کام آتے رہے ہیں۔ اور اب بھی اس شہر کی قدیم عظمت

ثروت کا ثبوت زبانِ حال سے پیش کر رہے ہیں۔ ان مقبروں کے عالیشان گنبدوں کی تعداد چوراسی ہے۔ اسی لئے اس میدان کا نام ہی "چوراسی گنبد" پڑ گیا ہے۔ ممکن ہے کہ اب امتداد زمانہ سے یہ تعداد کچھ کم رہ گئی ہو۔

قدیم زمانے میں شہر کالپی اپنی چینی اور مصری کی تجارت کے لئے ہندوستان بھر میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ لیکن پچھلی صدی میں انگریزی حکومت کی برکت سے یہ تمام صنعت و تجارت ہندوستان میں تباہ و برباد ہوکر جاوا۔ بورنیو۔ مارشیش وغیرہ انگریزی اور یوروپین نوآبادیوں میں منتقل ہوگئی تھی۔ مگر اس صدی میں پھر گذشتہ عالمگیر جنگوں کی بدولت یہ ہندوستان میں منتقل ہوتی جا رہی ہے۔ اگرچہ پھر بھی اتنی نہیں ہو سکی کہ کنٹرول کے بغیر گذارہ ہو سکے۔ مصری تو تقریباً مفقود ہی ہو چکی ہے اور گڑ شکر بھی کنٹرول سے آزاد ہونے کے باعث کنٹرول شدہ چینی کی نسبت زیادہ گراں قیمت پر فروخت ہو رہے ہیں۔ اگرچہ آزادی سے ہر جگہ اور کھلی مقدار میں مل ضرور جاتے ہیں۔ اور لوگ اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں۔

اس شہر کے تاریخی حالات کے سلسلے۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے۔ اتنا ہی بتا دینا یہاں کافی ہوگا۔ کہ پیشوا باجی راؤ اول کے حکم سے یہاں گووند راؤ بندیلے کی حکومت قائم ہونے کے بعد۔ کچھ عرصے تک یہ حکومت انہیں کے خاندان میں رہی۔ لیکن ۱۸۰۶ء میں جب انگریزوں کا جالون راجیہ کے ساتھ صلح نامہ ہو گیا۔ تو ریاست جالون کے ساتھ ہی کالپی کی حکومت بھی انگریزوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ مگر ۱۸۲۱ء میں دیباکہ

پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے) ویر نانا پنڈت نے بغاوت کر کے پھر اسے انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرالیا تھا۔

اس وقت جھانسی کے صوبیدار راجہ رام چندر راؤ یعنی مہارانی لکشمی بائی جی کے پتی دیو مہاراجہ گنگا دھر راؤ جی کے بھتیجے انگریزوں کے آڑے آئے اور ان کی بروقت مدد سے کالپی پر پھر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ ان کی ان اور ایسی ہی دوسری شاندار خدمات کے صلہ میں انگریزوں نے ۱۸۳۲ء میں ایک شاندار دربار منعقد کر کے راجہ رام چندر جی کو "مہاراج ادھیراج" کے خطاب سے نیز فدوی بادشاہ جان انگلستان" کے معزز خطاب سے بھی ممتاز فرمایا۔ لیکن بعد میں ان مہاراج ادھیراج رام چندر جی کے جانشین مہاراجہ گنگا دھر راؤ کے متبنٰی اور ان کی ہر دلعزیز مہارانی کو کس ڈھینگا دھینگی سے اسی راج کے قبضے سے محروم کر دیا گیا۔ یہ سب حالات گزشتہ صفحات میں مفصل طور پر ہدیہ ناظرین کئے جا چکے ہیں۔

۱۲ جون ۱۸۵۷ء کو جھانسی میں غدر کے شعلے بلند ہوئے تھے کے بعد۔ کانپور کی فاتح بلوائی فوجیں بھی جھانسی کی فوجوں کے ساتھ جا ملیں۔ ان دونوں نے مشترکہ طور پر کالپی پر حملہ کر دیا۔ اور وہاں کے نائب کلکٹر منشی شو پرشاد کا خاتمہ کر کے۔ اس شہر پر اپنا قبضہ جما لیا۔ تب سے یہ شہر باغی سرداروں کے قبضہ میں ہی تھا۔ اور نانا صاحب پیشوا ان کے سب سے بڑے سرغنہ تھے جن کا کچھ ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔

جب ان کے بھائی راؤ صاحب بھی باغیوں میں شامل ہو گئے۔ تو نانا صاحب نے راؤ صاحب اور اپنے مشہور سینا پتی تانتیا ٹوپی کو باغیوں کی رہنمائی کے لئے بھیج دیا اور اس وقت سے وہی یہاں کے حاکم اعلیٰ بنے رہے

۶ اپریل ۱۸۵۸ء کو جب مہارانی لکشمی بائی جی پیشوائی دربار میں راؤ صاحب کے سامنے پہونچیں۔ تو دونوں کی آنکھوں میں۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر آنسو ڈبڈبا آئے۔ پھر مہارانی جی کے چہرے پر اپنی بدحالی کے خیال سے شرم و حیا کی سُرخی دَوڑ گئی۔ اور وہ چند منٹ تک۔ ایک بے جان مُورتی کی مانند۔ وہاں کی وہیں کھڑی رہیں۔ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکیں۔

ان کی آنکھوں کے سامنے۔ اپنے بچپن کا زمانہ۔ سینما کی ایک نہایت ہی پُراثر فلم کی مانند۔ بڑی تیزی سے پھر گیا۔ جبکہ وہ معصوم بچپن کے زمانہ میں ان دو بھائیوں کے ساتھ ہر طرح کے کھیل کود اور سیر و شکار میں کامل بے تکلفی اور پاکیزہ دلی کے ساتھ۔ ایک ماں جائی سگی بہن کی مانند شریک ہؤا کرتی تھیں۔ اس وقت بچپن کی اس پرم پوتر یاد سے ان کے دل میں۔ جذبات کا جو زبردست طوفان اُٹھ رہا تھا۔ اس کا کچھ بھی خاکہ کھینچنے کی طاقت کس میں ہے؟

اپنی بچپن کی ساتھن منو بائی عرف چھبیلی کو۔ مہارانی لکشمی بائی بن جانے پر بھی۔ اتنی مُدت کے بعد اس قابل رحم حالت میں دیکھ کر۔ راؤ صاحب کے دل کی بھی جو حالت ہوئی۔ اس کا اندازہ لگانا کچھ آسان نہیں۔ دونو چند لمحے تک۔ صم بکم۔ تصویر حیرت بنے۔ اپنے طلاطم خیز جذبات کے طوفان میں پھنسے ہوئے۔ ایک دوسرے کا مُنہ دیکھتے رہے۔ آخر مہارانی لکشمی بائی جی نے اپنی تیز تلوار۔ جس پر دُشمنوں کا خون سُوکھ کر جم گیا تھا۔ راؤ صاحب کے سامنے رکھتے ہوئے کہا "بھائی! یہ تلوار۔ جو اب تک مجھ جیسی انجان۔ ابلا کے ہاتھوں میں رہتے ہوئے بھی۔ میری عزت و جان کو دُشمنوں کے زبردست ہاتھوں سے ہر طرح بچاتی رہی ہے۔ اب میں آپ کے سپرد کرتی ہوں۔ یہ تلوار آپ کے پُوجیہ

بزرگوں نے۔ ہمارے مانیہ پوروجوں (بزرگوں) کو اپنے پرتی ندھی روپ سے (نمایندے کے طور پر) عطا فرمائی تھی۔ اس کا استعمال ہمارے بزرگوں نے اور ان کے بعد میں نے بھی آپ کے پُنیہ پرتاپ سے اب تک یتھا شکتی (حتی الوسع) نیائے پوروک (انصاف کو مدِ نظر رکھ کر) کیا ہے۔ لیکن اب نہ تو شریان کی ہم پر کچھ کرپا ہی ہے اور نہ ہی ہمیں آپ سے کچھ سہایتا ملتی ہے ایسی حالت میں ہم نہ تو آپ کے پرتی ندھی ہونے کی عزت ہی برقرار رکھ سکتے ہیں اور نہ آپ کی پردان کی ہوئی اس نشانی کو ہی آیندہ محفوظ رکھنے کی شکتی اپنے میں پاتے ہیں۔ اس لئے اب میں اسے اپنے پاس رکھنا مناسب نہ سمجھ کر آپ کی نذر کرتی ہوں۔"

یہ پُردرد الفاظ کہتے کہتے بہادر مہارانی کی آواز بھرا اٹھی۔ گلا رُک گیا۔ اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

راؤصاحب بھی زیادہ دیر تک یہ برداشت نہ کر سکے۔ ان کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔ اور انھوں نے جلدی سے مہارانی کے پاس پہنچ کر۔ بڑی عزت سے وہ تلوار اٹھاتے ہوئے دلی جوش سے بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔ "نہیں! پیاری بہن! نہیں! تم سچ مچ ویر رمنی ہو! تم نے ہمارا اور ہمارے مہاراشٹر نیز بھارت ورش کا سر سنسار بھر میں اونچا کر دکھایا ہے۔ جس بہادری اور جانبازی سے تم ایسے زبردست اور تجربہ کار۔ دشمنوں اور ان کی ہر طرح کے بہترین سامانِ جنگ سے مسلح کثیر التعداد بہادر فوج کا۔ اپنے مٹھی بھر ویر یودھاؤں کی سہایتا سے مقابلہ کرتی رہی ہو۔ اسے دیکھ دیکھ کر سنسار دنگ رہ گیا ہے۔ اور بلاشک وشبہ تمہاری وہ بے مثال بہادری رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔ اور تمہارے من میں اپنے پراچین گورو (عظمت) اور دیش

بھگتی کی جو لگن ہے۔ وہ ہمیشہ اس اسار سنسار میں تمہارا شبھ نام امر رکھیگی۔ سچ مچ تم نے آج جگت میں بھارت کی سبھی ستونتر تا پریمی پوجنیہ دیویوں کا سر اونچا کر دیا ہے۔ اور اپنی اس غیر معمولی ویرتا سے بہت سے مردوں کی مونچھیں بھی نیچی کر دکھائی ہیں۔ بہن! تم دھنیہ ہو! تم دھنیہ ہو!! تم دھنیہ ہو!!!"

یہ الفاظ کہہ کر راؤ صاحب پوتر برادرانہ پریم کے ساتھ اپنے رومال سے مہارانی کی آنکھوں سے بہتے ہوئے۔ پریم ملے دُکھ بھرے آنسو پونچھنے لگے مہارانی نے کہا "ویر بھائی! مجھے اس بات کا بڑا ہی دُکھ ہے کہ تم جیسے ویر شرومنی بھائیوں کے ہوتے ہوئے۔ اور اپنے راج کے دُشمنوں کے ساتھ گھور یُدھ کرنے پر بھی۔ میں اپنے خاندانی ورثے یعنی جھانسی کے راجیہ کو نہ بچا سکی اور مجھے اپنی پران پیاری پرجا کو بے رحم سنگدل دُشمن کے رحم پر چھوڑ کر اس بے سرو سامانی کے ساتھ وہاں سے بھاگنا پڑا۔ اگر میں وہاں ہی جھانسی پرجا کی رکشا کرتے کرتے ہی اپنا انگ انگ کٹوا کر مر مٹتی۔ تو شاید مجھے یہ دکھ نہ ہوتا........"

راؤ صاحب نے مہارانی جی کی بات بیچ میں ہی کاٹ کر ان کی تلوار پھر انہیں واپس کرتے ہوئے نہایت پُر درد لہجے میں کہا "بہادر بہن! مجھے بھی اس بات کا دلی دکھ ہے کہ اس کٹھن سمے میں میں تیری پوری پوری مدد نہیں کر سکا۔ جو فوج میں نے تیری مدد کے لئے بھیجی وہ بھی اپنے بہادر افسروں کی غلطی* سے

---

* جس غلطی کی طرف یہاں راؤ صاحب نے اشارہ کیا ہے۔ اس کے سلسلے میں بعض مورخوں کو اس بات پر بڑا تعجب ہے کہ جب انگریزی فوج قلعہ (باقی اگلے صفحے کے نیچے)

تیری پوری پوری مدد نہ کر سکی۔ اور دکھ بھاگیہ سے اسے بھی شکست کھا کر رن بھومی سے بھاگنا پڑا! لیکن پھر بھی گھبرانے کی کوئی بات نہیں! بھگوان نے چاہا تو اس کی اپار کرپا سے ہم پھر تیری جھانسی کے اُدھار اور سوتنترتا کے لئے ایک بار ضرور پریتن کریں گے۔ اور اس میں کامیاب ہو کر تجھے پھر جھانسی کی راج گدی پر براجمان دیکھیں گے۔ اس مرتبہ میری اور تیری مشترکہ طاقت کے سامنے کوئی بھی دشمن میدان میں نہ ٹھہر سکے گا۔"

(صفحہ ۲۴۴ سے آگے) جھانسی پر حملہ کر رہی تھی۔ تب راؤ صاحب نے اپنی کثیر التعداد فوج سے اس پر کیوں حملہ نہیں کر دیا اور جب پیشوائی فوج انگریزوں سے لڑ رہی تھی۔ تو قلعہ جھانسی کی توپیں ایک دم کیوں خاموش ہو گئیں؟" رانی" نامی انگریزی کتاب کے انگریز مصنف مسٹر گلی برن نے اس واقعہ پر ایک مکالمے کی صورت میں روشنی ڈالی ہے۔ اس میں تانتیا ٹوپی نے مہارانی سے کہا ہے:-
"مہارانی جی! جب ہم انگریزوں سے لڑ رہے تھے تو آپ کے قلعہ کی توپیں کیوں خاموش رہیں؟ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم ہرگز نہ ہارتے۔" مہارانی جواب دیتی ہیں کہ "بھیا! اس وقت لالتا دادی نامی ایک برہمن حوالدار نے یہ کہہ کر بمباری گولہ باری بند کرا دی۔ کہ پیشوائی فوج انگریزوں کو ہرا کر اس لئے گولیاں چلا رہی ہے کہ ہم قلعے سے باہر آ کر اس کا سواگت کریں۔ اس لئے ہمیں اپنے مِتروں پر گولیاں نہیں چلانی چاہیئں"۔ مگر ہمیں اپنی یہ غلطی جلدی ہی معلوم ہو گئی اور ہم ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی کرنے سے بچ گئے۔" اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت قلعے میں یا تو سخت غداری ہو رہی تھی یا وہ لوگ ایک نہایت زبردست بھول فہمی اور غلط فہمی کا شکار ہو رہے تھے۔ اس خیال کی تائید سر ہیو روز (باقی اگلے صفحہ پر)

ان پریم بھرے اور حوصلہ افزا الفاظ کا مہارانی پر بہت اثر پڑا۔ اُنہوں نے راؤ صاحب سے اپنی تلوار پھر سے لی۔ اور نہایت ہی پُرجوش انداز میں اسے نیام سے کھینچ کر راؤ صاحب اور سب حاضرین دربار کو مخاطب کر کے مصمم ارادے اور استقلال بھرے لہجے میں کہا۔" بہادر بھائی اور ویر یودھاؤ! میں آپ سب کو اور سرب انتریامی بھگوان کو ساکشی کر کے آج یہ پرن کرتی ہوں۔ کہ جب تک میرے اس فانی شریر میں پران ہیں۔ دماغ میں کچھ سوچنے اور سمجھنے کی طاقت ہے جسم میں ایک بوند بھی خون ہے۔ دل میں سُکھ دُکھ کا احساس اور مزاج میں خودداری موجود ہے۔ تب تک یہ تلوار دُشمن کا خُون پینے اور ملک و قوم کی عظمت و عزت بلند کرنے میں ہرگز نہ رُکے گی۔"

مہارانی لکشمی بائی جی کے اس پُرجوش اور حب الوطنی بھرے عہد سے متاثر ہو کر ان سب بہادر یودھاؤں نے جو وہاں موجود تھے۔ بے ساختہ

(صفحہ ۲۴۵ سے آگے) کے دوست اور مددگار ڈاکٹر سیولیٹر صاحب کی تصنیف "وسط ہند کی مہم" سے بھی ہوتی ہے۔ وہ بھی یہی لکھتے ہیں کہ "یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب پیشوا کی فوجیں قلعے میں محصور فوجوں کی امداد کے لئے جنگ کر رہی تھیں۔ تو قلعے والوں نے بھی ہم پر حملہ کر کے ہمارا توپ خانہ کیوں برباد نہیں کر دیا؟ اس صورت میں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو جاتی کہ وہ ہم پر فتح پانے میں ضرور کامیاب ہو جاتے۔ چاہے ہماری پیدل فوج اور ہمارے توپچی کتنے بھی وفادار کیوں نہ رہتے۔"

"مہارانی لکشمی بائی کی جے" اور "بھارت ماتا کی جے" کے نعرے بلند کئے۔ راؤ صاحب تو ۔۔ بے خود ہو کر ۔ اپنی آنکھوں سے پریم کے آنسو بہاتے ہوئے۔ پیچھے برادرانہ جوش سے اپنی دھرم بہن کے قدموں کی طرف جھک گئے۔ مہارانی جی نے فوراً اپنے دونوں ہاتھوں پر انہیں سنبھال کر۔ سچے بھگنی پریم (خواہرانہ محبت) سے اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ یہ پُر درد اور جانفزا نظارہ دیکھ کر۔ پھر سب حاضرین دربار نے جوش مسرت سے نعرے بلند کئے "مہارانی لکشمی بائی اور پیشوا بہادر راؤ صاحب کی جے" اور ان آوازوں سے دربار کے در و دیوار گونجنے لگے۔

---

(۲۵)

کالپی پر حملہ

مہارانی لکشمی بائی کے کالپی پہونچ جانے کی خبر سے۔ جہاں ایک طرف انگریز فوج اور اس کے افسروں میں ایک طرح کے فکر اور تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ وہاں ملک بھر کی باغی فوجوں میں جہاں جہاں یہ خبر پہنچی ۔ وہاں ہی خوشی اور مسرت چھا گئی ۔ کیونکہ انگریزوں نے تو یہ سمجھا کہ مہارانی لکشمی بائی جیسی بہادر اور سورما ماہر جنگ جرنیل کے پیشوا راؤ صاحب سے جا ملنے کے باعث ۔ اب ان پر فتح پانا اور کالپی کو سر کرنا بھی ۔ جھانسی کی فتح کی مانند بدرجہا زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔

اس کے خلاف باغیوں نے یہ سوچا۔ کہ مہارانی جھانسی کے راؤ صاحب کے ساتھ آ ملنے سے ۔ اب راؤ صاحب اور تانتیا ٹوپی دونو ہی مہارانی جی کے

قدرتاً میجر گال کی اس پسپائی کے بعد جنرل سر ہیوز کی پیش قدمی بھی رُک گئی۔ مگر ۵ مئی کو ۷۱ ویں پلٹن اور دوسرے بریگیڈ کی کچھ فوجیں بھی ان کے ساتھ آملنے سے سر ہیوز کو بہت اطمینان حاصل ہؤا لیکن پھر بھی انہیں کونچ کی مورچہ بند باغی فوجوں پر فتح پانا کچھ آسان نہ معلوم ہؤا۔ بلکہ اُنہوں نے اس کھلے میدان میں زیادہ عرصے تک اپنی فوجوں کو بھی غیر محفوظ سمجھا۔ اس لئے اُنہوں نے یہ سوچا کہ اگر کونچ کے پاس ہی اگر کوئی اور قلعہ قابو میں آجائے۔ تو وہاں سے باغیوں پر حملہ کرنے میں بہت سہولیت ہوگی۔

چنانچہ اُنہوں نے اِدھر اُدھر اپنے جاسوس دوڑائے۔ تو انہیں معلوم ہؤا کہ کونچ سے کوئی دس میل کے فاصلے پر مرہٹوں کا تعمیر کرایا ہؤا لوہاری نام کا ایک قلعہ پٹھان فوجیوں کی ایک مختصر سی جماعت کے قابو میں ہے۔ جس پر قبضہ پا لینا کچھ مشکل نہ ہوگا۔ اس لئے اُنہوں نے میجر گال کی سرکردگی میں انگریزی پلٹن کا ایک زبردست دستہ بھیج کر۔ اسے اس قلعہ پر اچانک ہی حملہ کر کے۔ قبضہ کر لئے جانے کا حکم دے دیا۔ بہادر پٹھانوں نے انگریزی فوج کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور جب تک ایک ایک سورما کٹ نہیں مرا۔ اپنے قلعے پر انگریزی قبضہ نہ ہونے دیا۔

اس قلعہ پر قبضہ پا لینے کے بعد سر ہیوز نے جلد ہی کونچ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ باغی فوجوں کے طریق جنگ سے تو وہ اچھی طرح واقف ہو ہی چکے تھے۔ اگلے ہی دن اُنہوں نے اپنی فوج کے ایک حصے کو۔ کونچ سے کوئی ۱۴ میل کے فاصلے پر ایک محفوظ مقام میں مورچہ بند کر دیا۔ دوسرے کچھ دستے رنگپورہ گاؤں میں بھیج دیئے۔ اسی طرح دوسرے بریگیڈ کے پیدلوں کی چومیر گاؤں میں نوکری بول کر۔ اس کے دائیں طرف والے ایک مقام پر میجر

اور کی سرکردگی میں حیدرآبادی فوج کو تعینات کر دیا۔ اور اس طرح کوچ کی کئی طرف سے ناکہ بندی کر لی۔

ادھر تانتیا ٹوپی اور نواب باندہ گوالیار سے آنے والی فوج کی انتظار میں کوچ سے کسی قدر فاصلے پر ہی رک گئے تھے۔ ان کی جو فوج کوچ میں تھی۔ اس نے جو انگریزی فوج کو سامنے سے اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ تو اس پر گولے برسانے شروع کر دئیے۔ اور باقی کسی طرف بھی کچھ توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ سرہیوروز کی وہ چال کامیاب ہو گئی۔ انہوں نے کئی طرف سے کوچ کو گھیر رکھا تھا۔ اب ان کے پہلے سے ہی تعینات کردہ دستوں نے آہستہ آہستہ ہر طرف سے کوچ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اور قریب پہنچ کر اسے اپنی چوطرفہ مار میں لے لیا۔

اس روز سخت گرمی ہونے کے باعث انگریز فوج کو بھی کچھ کم مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ دھوپ کی سخت تپش سے گھبرا کر خود سرہیوروز کو بھی چار پانچ بار اپنے گھوڑے کو سایہ میں لے جانا پڑا۔ مگر پھر بھی اس تپتی دوپہر میں قریباً ایک گھنٹہ تک۔ خوب ڈٹ کر جنگ ہوتی رہی۔ جس میں کئی بار انگریزوں کا اور کئی بار باغی فوجوں کا پلڑا بھاری ہؤا۔ مگر آخر کئی طرف سے گھر جانے کے باعث۔ باغی فوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں اور ان کی آٹھ توپیں اور بہت سا گولہ بارود و دیگر سامانِ جنگ انگریزوں کے ہاتھ لگا۔

کہا جاتا ہے کہ اپنی تعداد کے لحاظ سے باغی فوج بیس ہزار سے کم نہ تھی مگر پھر بھی ان میں قواعدداں اور آزمودہ کار سپاہیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لئے وہ زیادہ دیر تک اپنا ڈسپلن قائم نہ رکھ سکی۔ اور آخر بھیڑ بکریوں

فوجی مشوروں سے مستفید ہو کر انگریزی فوجوں کا زیادہ عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں گے۔ اور عین ممکن ہے کہ ان پر فتح پانے میں بھی کامیاب ہو جائیں۔ اسی خیال سے بان پور کے راجہ۔ باندہ کے نواب۔ اور آس پاس کیا بلکہ سو سو پچاس پچاس کوس کے سبھی باغی زمیندار اور سردار بھی اپنی اپنی فوجیں اور سامان جنگ ساتھ لے کر کالپی میں جمع ہونے لگے۔ اور ان سب کے حوصلے پہلے کی نسبت بدرجہا بلند ہو گئے۔

ادھر انگریزوں نے جب یہ سنا کہ کالپی میں باغی فوجوں کی تعداد اور طاقت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ تو انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ جتنی بھی جلدی ہو سکے کالپی پر حملہ کر دیا جائے۔ ورنہ اس حملے میں جتنی بھی دیر لگے گی۔ اتنی ہی مشکلات بڑھتی جائیں گی۔ کیونکہ وہ مہارانی لکشمی بائی اور تانتیا ٹوپی کی ہمت و جرأت اور کوہ شکن مستقل مزاجی سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ اور ان پر فتح پانا کوئی ہنسی کھیل نہ سمجھتے تھے۔

اس لئے سر ہیوز نے جھانسی کی حکومت اور نگرانی کے ساتھ ہی ساتھ کالپی پر پورے زور و شور کے ساتھ حملہ کرنے کی۔ اپنی سب تیاریاں بھی جلد سے جلد مکمل کر لیں۔ اور ۲۵ اپریل کو ہی اپنے لاؤ لشکر سمیت کالپی کی طرف کوچ بول دیا۔ اسی دن انہیں یہ خبر ملی کہ "مہارانی لکشمی بائی بھی جھانسی کو پھر فتح کرنے کی غرض سے پیشوائی فوجوں سمیت جھانسی کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ اور تانتیا ٹوپی۔ راجہ بان پور اور نواب باندہ وغیرہ سبھی آس پاس کے باغی سردار اپنی اپنی فوجیں لئے ان کے ساتھ ہیں۔" پھر ایک دوسرا جاسوس یہ خبر لایا کہ "اب یہ باغی فوج کوچ گاؤں سے چند میل کے فاصلے پر رہ گئی ہے۔"

اس خبر سے جہاں ایک طرف سر ہیوز کو بڑی حیرت ہوئی۔ وہاں تشویش

بھی کچھ کم نہ ہوئی۔ مگر پھر انہیں فوراً ایک چال سوجھ گئی۔ اور اُنہوں نے اپنی فوج میں سے ۲۵ ویں اور تیسری پیدل پلٹنوں کو۔ جو سب سے زیادہ بہادر اور جنگ آزما سمجھی جاتی تھیں۔ میجر گال کی سرکردگی میں روانہ کرکے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ باغیوں کے کونچ پہنچنے سے پہلے ہی پہلے وہاں اپنے مورچے جما لیں۔

جب میجر گال قلعہ کونچ کے پاس پہونچے۔ اس وقت وہاں باغیوں کے صرف پانچ سو ہی جوان موجود تھے۔ اُنہوں نے کچھ دیر تک تو میجر گال کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن آخر ان کے پیر اُکھڑ گئے اور اس طرح میجر گال نے آسانی سے کونچ اور اس کے قلعے پر قبضہ کرکے۔ بتنوا ندی کی طرف قدم بڑھایا۔ رستے میں میجر اور کی فوجیں بھی ایک اور رستے سے آکر ان کے ساتھ مل گئیں۔ ان کی زبانی میجر گال کو معلوم ہوا کہ شہزادگرڈھ اور بان پور کے باغی راجاؤں کی کچھ فوجیں بھی کونچ کی طرف بڑھتی چلی آرہی ہیں۔ اس لئے میجر گال کو کچھ تشویش ہوئی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ آخر کوٹرا گاؤں کے قریب ان دونوں فوجوں سے بھی ان کی ٹکر ہو گئی۔ عین اسی وقت ڑگی کے راجہ بھی اچانک اپنی فوجوں سمیت باغیوں کے ساتھ آملے۔ اب میجر گال کے لئے اس مشترکہ فوج کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گیا۔ اور آخر انہیں کونچ کی طرف پسپا ہوکر سر ہیوز روز کی باقی فوج میں جا ملنا پڑا۔ جو کہ کونچ سے چند میل پرہ رہ گئی تھی۔

میجر گال کے پیچھے ہی پیچھے تانتیا کی فوجیں بھی دوسری باغی فوجوں کے ساتھ مل کر کونچ جا پہونچیں اور ان سب نے وہاں ہی اپنی چھاؤنی ڈال دی۔

قدرتاً میجر گال کی اس پسپائی کے بعد جنرل سر ہیوز کی پیش قدمی بھی رُک گئی۔ مگر ۵ مئی کو ۷۱ ویں پلٹن اور دوسرے بریگیڈ کی کچھ فوجیں بھی ان کے ساتھ آملنے سے سر ہیوز کو بہت اطمینان حاصل ہوا لیکن پھر بھی انہیں کونچ کی مورچہ بند باغی فوجوں پر فتح پانا کچھ آسان نہ معلوم ہوا۔ بلکہ انہوں نے اس کھلے میدان میں زیادہ عرصے تک اپنی فوجوں کو بھی غیر محفوظ سمجھا۔ اس لئے انہوں نے یہ سوچا کہ اگر کونچ کے پاس ہی اگر کوئی اور قلعہ قابو میں آجائے۔ تو وہاں سے باغیوں پر حملہ کرنے میں بہت سہولیت ہوگی۔

چنانچہ انہوں نے ادھر ادھر اپنے جاسوس دوڑائے۔ تو انہیں معلوم ہوا کہ کونچ سے کوئی دس میل کے فاصلے پر مرہٹوں کا تعمیر کرایا ہوا لوہاری نام کا ایک قلعہ پٹھان فوجیوں کی ایک مختصر سی جماعت کے قابو میں ہے۔ جس پر قبضہ پا لینا کچھ مشکل نہ ہوگا۔ اس لئے انہوں نے میجر گال کی سرکردگی میں انگریزی پلٹن کا ایک زبردست دستہ بھیج کر۔ اسے اس قلعہ پر اچانک ہی حملہ کر کے قبضہ کر لئے جانے کا حکم دے دیا۔ بہادر پٹھانوں نے انگریزی فوج کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور جب تک ایک ایک سور ما کٹ نہیں مرا۔ اپنے قلعے پر انگریزی قبضہ نہ ہونے دیا۔

اس قلعہ پر قبضہ پا لینے کے بعد سر ہیوز نے جلد ہی کونچ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ باغی فوجوں کے طریق جنگ سے تو وہ اچھی طرح واقف ہو ہی چکے تھے۔ اگلے ہی دن انہوں نے اپنی فوج کے ایک حصے کو۔ کونچ سے کوئی ۱۴ میل کے فاصلے پر ایک محفوظ مقام میں مورچہ بند کر دیا۔ دوسرے کچھ دستے نگپورہ گاؤں میں بھیج دیئے۔ اسی طرح دوسرے بریگیڈ کے پیدلوں کی چومیر گاؤں میں لوکری بول کر۔ اس کے دائیں طرف والے ایک مقام پر میجر

اور کی سرکردگی میں حیدرآبادی فوج کو تعینات کر دیا۔ اور اس طرح کونچ کی کئی طرف سے ناکہ بندی کر لی۔

ادھر تانتیا ٹوپی اور نواب باندہ گوالیار سے آنے والی فوج کی انتظار میں کونچ سے کسی قدر فاصلے پر ہی رک گئے تھے۔ ان کی جو فوج کونچ میں تھی۔ اس نے جو انگریزی فوج کو سامنے سے اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ تو اس پر گولے برسانے شروع کر دیئے۔ اور باقی کسی طرف بھی کچھ توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ سرہیوروز کی وہ چال کامیاب ہوگئی۔ انہوں نے کئی طرف سے کونچ کو گھیر رکھا تھا۔ اب ان کے پہلے سے ہی تعینات کردہ دستوں نے۔ آہستہ آہستہ ہر طرف سے کونچ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اور قریب پہنچ کر اسے اپنی چوطرفہ مار میں لے لیا۔

اس روز سخت گرمی ہونے کے باعث انگریزی فوج کو بھی کچھ کم مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ دھوپ کی سخت تپش سے گھبرا کر خود سرہیوروز کو بھی چار پانچ بار اپنے گھوڑے کو سایہ میں لے جانا پڑا۔ مگر پھر بھی اس تپتی دوپہر میں قریباً ایک گھنٹہ تک۔ خوب ڈٹ کر جنگ ہوتی رہی۔ جس میں کئی بار انگریزوں کا اور کئی بار باغی فوجوں کا پلڑا بھاری ہؤا۔ مگر آخر کئی طرف سے گھر جانے کے باعث۔ باغی فوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں اور ان کی آٹھ توپیں اور بہت سا گولہ بارود و دیگر سامانِ جنگ انگریزوں کے ہاتھ لگا۔

کہا جاتا ہے کہ اپنی تعداد کے لحاظ سے باغی فوج بیس ہزار سے کم نہ تھی مگر پھر بھی ان میں قواعددان اور آزمودہ کار سپاہیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لئے وہ زیادہ دیر تک اپنا ڈسپلن قائم نہ رکھ سکی۔ اور آخر بھیڑ بکریوں

کی مانند اِدھر اُدھر بھاگنے لگی۔ علاوہ ازیں باغی سرداروں میں نواب باندہ اور راؤ صاحب پیشوا کے سامنے تانتیا ٹوپی اور مہارانی لکشمی بائی جیسے جانباز اور ماہر جنگ سرداروں کی بھی کچھ نہ چلتی تھی۔ اس لئے وہ نہ تو جنگ میں پوری پوری دلچسپی ہی لے سکتے تھے اور نہ اپنی اپنی ماہرانہ قابلیت ہی ظاہر کر سکتے تھے۔

ان حالات میں کونچ گاؤں کے میدان جنگ میں انگریزوں کی فتح کوئی خاص تعجب خیز نہیں۔ مگر پھر بھی اس فتح کو فنون جنگ کے یکتا ماہر سر ہیوز روز کی دانشمندی اور ان کی فوجوں کے شاندار ڈسپلن کا کرشمہ ضرور ماننا پڑتا ہے۔ اس سے حوصلہ پاکر سر ہیوز روز نے فوراً ہی کالپی پر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ کیونکہ اس حملے کا سب پروگرام تو وہ پہلے ہی اپنے ذہن میں تیار کر چکے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے ادھر تو اپنی فوج کو سڑوئی اور ادوئی کے رستے کالپی کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ اور اُدھر کمانڈر انچیف صاحب کو یہ پیغام بھیج دیا کہ کچھ تازہ دم فوجیں صدر مقام سے براہ راست کالپی کی طرف روانہ کر دی جائیں۔ تاکہ اس امداد کی آمد سے ان کی فوجوں کا کچھ حوصلہ بڑھ جائے۔ جو سخت گرمی سے بیحد پریشان ہو رہی تھیں اور اس پیہم جنگ سے گھبرا رہی تھیں

ان کے اس پیغام کی تعمیل میں کرنل میکسویل۔ فوراً اُونٹوں کا ایک رسالہ نیز سکھوں کی ایک پیدل پلٹن اور ۸۸ ویں پلٹن کے دو پورے دستے ساتھ لے کر کالپی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جن کی بروقت آمد سے سر ہیوز روز اور ان کے افسروں نیز عام سپاہیوں کو بہت اطمینان و حوصلہ ہوا اور اُنہوں نے کالپی پہونچتے ہی شہر کو گھیر لیا۔

ادھر کوچ کی شرمناک شکست سے بھاگی ہوئی پیشوائی اور اس کی امدادی فوجیں کے کالپی پہونچنے پر۔ مہارانی لکشمی بائی جی نے کمال دکھی دل سے۔ لیکن پوری پوری آزادی اور صاف بیانی کے ساتھ۔ کسی لاگ لپیٹ کے بغیر۔ راؤصاحب سے صاف صاف الفاظ میں یہ کہہ دیا کہ " اگر آپ اپنی فوجوں کا ایسا ہی انتظام رکھیں گے۔ تو پرلے (روز قیامت) تک بھی آپ کو فتح نصیب نہیں ہو سکتی۔ اس میدان جنگ میں آپ کے پاس ۲۰ ہزار فوج تھی۔ اور سامان جنگ بھی کچھ کم نہ تھا۔ مگر انتظام اور انوشاسن (ڈسپلن) ٹھیک نہ ہونے کے باعث۔ انگریزوں نے آپ کی فوجوں کو مار کر بھگا دیا۔ اس لئے جب تک آپ اپنی فوجوں کو مناسب انوشاسن میں رکھ کر مضبوط نہ بنائیں گے اور ان کا ٹھیک ٹھیک انتظام کرکے۔ ان کی طاقت نہ بڑھائیں گے۔ نیز پوری مضبوطی سے مورچہ بند ہو کر جنگ نہ کریں گے۔ تب تک ماہر جنگ انگریز افسروں اور ان کی قواعد دان فوجوں کے مقابلے میں آپ کی کامیابی صرف محال ہی نہیں بلکہ صریحاً ناممکن بھی ہے"

مہارانی جی کی یہ سچائی بھری باتیں اور میٹھی جھاڑ سن کر راؤ صاحب نے شرم سے سر جھکا لیا۔ اور سچے دل سے اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ نیز آئندہ اپنی فوج کا مناسب انتظام کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن اس وعدے کا نباہنا اتنا آسان کام نہ تھا۔ اور نہ یہ ان کے بس کا روگ ہی تھا۔ کیونکہ ہاتھ میں آئی ہوئی طاقت کو ضرورت کے وقت۔ خود ہی چھوڑ کر کسی اپنے سے بہتر و برتر ہستی کے حوالے کر دینا۔ ان کی طاقت سے بہر طرح باہر تھا۔ اس لئے اپنی کمزوری اور نااہلی کو جانتے ہوئے بھی۔ وہ یہ حوصلہ

اور اتنی دور اندیشی و دانشمندی نہ دکھا سکے۔ کہ اپنی فوج کا سب انتظام مہارانی جی کے تجربہ کار ہاتھوں میں سونپ دیتے ـــ جو محاصرہ جھانسی میں اپنے جوہر خوب خوب دکھا چکے تھے۔ پھر ان کی خداداد قابلیت کا کرشمہ دیکھتے شاید اسی لئے بہادرِ تانتیا ٹوپی بھی۔ جو پوری آزادی سے اپنی فوجوں کی کمان کرتا ہوا۔ انگریزی فوجوں کے لئے ایک ہوّا سا بن بیٹھا تھا۔ راؤ صاحب کی موجودگی میں کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔

راؤ صاحب نے شاید ایک ابلا کہلانے والی ستری کی عظمت کے سامنے یوں سر جھکانا اپنی شان مردانگی کے خلاف سمجھا۔ اس لئے غالباً مہارانی جی کا دل رکھنے کے لئے۔ انہیں ڈھائی سَو سواروں کا ایک دستہ دے کر دریائے جمنا کے کنارے کی حفاظت کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ اور شہر کے ایک طرف کی حفاظت کا بار نواب باندہ اور ان کی فوج کو اور دوسری طرف کا روہیل کھنڈ کی روہیلہ پلٹن نیز بنگال نیٹو انفنٹری کے باغی سپاہیوں کو سونپ دیا۔ انگریزی فوج سے ٹکر لینے کے لئے بندیل کھنڈ کے بنا بلے دیر لگائے گئے۔ اور شہر نیز قلعہ کی فصیل میں بنے ہوئے مورچوں پر جگہ جگہ توپیں چڑھا کر۔ ان پر ہوشیار توپچیوں کی نوکری بول دی۔ غرضیکہ اس طرح اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق سب انتظام کر کے انہوں نے اپنی تمام فوج کی رہنمائی کی باگ ڈور پھر بھی اپنے ہی ہاتھوں میں رکھی۔ اور ایسے کٹھن سمے میں بھی اپنی پیشوائی شان کو بٹہ نہ لگنے دیا۔ مگر اسے ہمیشہ کے لئے ہی خطرے میں ضرور ڈال دیا۔ ہائے رے ابھیمان اور اہنکار! تیرے ہاتھوں ابھاگے بھارت کا کیسا کیسا سروناش ہؤا ہے۔ کوی نے سچ ہی کہا ہے ؎

اہنکار ابھیمان نے گھالے ویر انیک

انت جو راون کنس کا کبھی سکے نہ دیکھ
تکبر عزازیل را خوار کرد ! بزندان لعنت گرفتار کرد

بدقسمتی سے تانتیا ٹوپی بھی اس وقت راؤ صاحب کے ساتھ نہ تھے۔ وہ جھانسی کے قریب شکست کھا کر۔ ایک مرتبہ پھر اپنے پوجیہ پتا جی کے درشنوں کے لئے چرکھاری چلے گئے تھے۔ کیونکہ جھانسی پر انگریزوں کے حملے کی خبر پاتے ہی انہیں چرکھاری پہونچنے سے پہلے ہی جھانسی آجانا پڑا تھا۔ اور اب بھی وہ یہ خوب جانتے تھے۔ کہ انگریزوں سے یہ لڑائی جلد ہی ختم ہونے والی نہیں۔ اس لئے اُنہوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر یہی مناسب سمجھا کہ جیسے بھی ہو سکے اپنے پوجیہ پتا جی کے درشن کر آئیں۔ پھر نہ جانے اس آنی جانی دُنیا میں یہ موقع نصیب ہو یا نہ بقولیکہ سے

فضا لگائے ہوئے گھات ہر کسی پر ہے !
یہ ہوش باش کہ عالم روا روی پر ہے

۱۵ مئی کو انگریزی فوج کا ایک حصّہ جب کالپی سے ۲ میل کے فاصلے پر واقع۔ گلاولی گاؤں کے قریب پہونچا۔ تو کالپی کی فوج کے ایک سردار چھینے جی نے یہ خبر پاتے ہی اس پر حملہ کر دیا۔ اور اس میں بہت سے گورے اور دیسی سپاہیوں کو ہلاک اور زخمی کر کے بھگا دیا پھر تو زعم تو وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم نے تمام انگریزی فوج کو تخت بخت کر دیا۔ انہیں شاید یہ معلوم ہی نہ تھا۔ کہ انگریزی فوج ٹڈی دل کی مانند۔ ایسے ایسے بہت سے دسنوں اور حصّوں میں پھیلی ہوئی جگہ جگہ چھاؤنی ڈالے پڑی ہے۔ اس لئے وہ اپنی اس پہلی فتح پر ہی پھولے نہ سمائے۔ اور غرور میں بھر کر

انگریزی فوج کو بالکل ہیچ اور پوچ سمجھ بیٹھے۔ اور ان کا طرح طرح سے مذاق اُڑانے لگے۔

اگلے روز پھر انگریزوں کی دوسری بریگیڈ سے ان کی ٹکر ہو گئی۔ اسے بھی اُنہوں نے مار بھگایا۔ اور خوب ہی شیخی بگھاری۔

جب سرہیوز روز نے اپنے فوجی دستوں کی ان شکستوں کی خبر سُنی تو وہ غضب ناک ہو اُٹھے۔ اور فوراً ہی ایک زبردست فوج لے کر دیا اور گاؤں کے قریب جا پہونچے۔ وہاں پہونچتے ہی اُنہوں نے باغی فوج پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ چھکے چھوٹ گئے اور ان کی سب فوج کی ساری شیخی کرکری ہو گئی۔ اور انہیں بھاگتے ہی بن پڑی۔ بلکہ ایسے غائب ہوئے کہ کہ آیندہ کہیں ان کا ذکر تک نہیں آیا۔

مگر انگریزوں کی اس فتح کا کالپی پر کچھ اثر نہیں پڑا۔ کیونکہ کالپی ابھی یہاں سے کافی دور تھی۔ رستے میں جمنا جی لہریں مار رہی تھیں۔ اور ان کے دونوں کناروں پر واقع دشوار گذار وسیع میدانوں کو۔ بھاری بھاری گرانڈیل توپوں کے ساتھ عبور کرنا کچھ آسان کام نہیں تھا۔ ان مشکلات کا خیال کر کے ایک بار تو سرہیوز بھی چکر میں پڑ گئے۔ اور اُنہوں نے چند روز گلاولی میں ہی آرام کرنا مناسب سمجھا۔

اُدھر انگریز فوجوں کے ہاتھوں یہ شکست کھا کر باغی سرداروں اور فوجوں میں بھی غم و غصے کی ایک زبردست لہر پھیل گئی۔ اور کالپی پہونچتے ہی اُنہوں نے یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ جیسے بھی ہو سکیگا انگریزی فوجوں سے اپنی شکست کا پورا پورا بدلہ لیں گے۔ اور انہیں تباہ و برباد کئے بغیر ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ دوسری طرف انگریز افسروں کا بھی یہی

خیال تھا۔ جھانسی۔ کونچ اور دیا پور کی فتوحات سے ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ اس لئے برگیڈیر سٹوارٹ اور ان کے ساتھی افسروں نے کسی طرح کی بھی مشکلات کی کچھ پرواہ نہ کر کے اپنی فوجوں سمیت بلے دریغ کالپی کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

انگریزوں کو کالپی کی طرف اس طرح بلے خوف بڑھتے دیکھ کر۔ باغی سردار بھی غصے اور جوش سے اندھے ہو گئے ۔ کچھ آگا پیچھا سوچے بغیر وہ اپنی فوجیں مورچوں سے باہر نکال لائے اور انگریزوں پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن ان کی یہ حماقت انہیں بہت مہنگی پڑی۔ کیونکہ انگریزی توپ خانے اور انگریز فوجوں نے۔ انہیں اپنی توپوں اور گولیوں کی مار میں آتے ہوئے دیکھتے ہی۔ بھاڑ میں پڑے دانوں کی مانند۔ بھوننا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سیلاب میں آئی ہوئی ندی کی مانند اندھادھند بڑھتی ہوئی یہ باغی فوجیں اپنی ہیٹی قدمی قائم نہ رکھ سکیں اور جلدی ہی انگریزی فوجوں کی مار سے گھبرا کر بھیڑ بکریوں کی مانند بے تحاشہ ادھر ادھر بھاگنے لگیں۔

اپنی فوجوں کو بھاگتے دیکھ کر راؤ صاحب نے بھی حوصلہ چھوڑ دیا۔ اور بھاگنے کی سوچنے لگے۔ انہیں اس کشمکش میں پڑے دیکھ کر۔ مہارانی لکشمی بائی سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے تلوار سنبھال کر کہا "خبردار! جو ایک قدم بھی پیچھے ہٹایا! بھائی! تمہیں یہ شوبھا نہیں دیتا! مہاراشٹر ویر مرنے سے نہیں ڈرا کرتے۔ مردوں کی طرح آگے بڑھو۔ اور یا تو دشمنوں کو مار مار کر میدان سے بھگا دو۔ یا خود اسی کوشش میں کام آجاؤ۔ چلو میرے ساتھ اپنا گھوڑا بڑھاؤ!"

مہارانی کے یہ حوصلہ افزا الفاظ سن کر راؤ صاحب فوراً ہی سنبھل گئے۔

پھر مہارانی جی نے دوسرے بہادروں کو للکار کر کہا "ویرو! اگر تمہیں مرد ہو کر بھی۔ میدان سے اس طرح بھاگنا تھا اور خود موت سے بھی دو دو ہاتھ کرنے کی ہمت۔ تم میں نہ تھی تو لڑائی کے لئے میدان میں آئے ہی کیوں تھے؟ گھر میں ہی آرام سے کیوں نہیں بیٹھے رہے؟ اب آئے ہو تو مردِ میدان بنو! مردوں کے نام کو نہ لجاؤ! آؤ! میرے ساتھ۔ میدان جنگ میں آگے بڑھ کر اپنی بہادری کے جوہر دکھاؤ۔ اور باپ دادا کا نام روشن کرو"

یہ الفاظ کہتی ہوئی۔ مہارانی لکشمی بائی۔ اپنے دستے کے ڈھائی سَو جوانوں کو ساتھ لئے۔ بے تحاشہ انگریزی توپ خانے کی طرف بڑھتی چلی گئیں ان کی اس دلیری اور جرأت سے متاثر ہو کر دوسرے ویروں نے بھی جوش مردانگی سے بے خود ہو کر مردانہ وار قدم بڑھایا۔ اور دشمنوں کو کاٹتے چھانٹتے۔ مرنے جینے کی کچھ بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے۔ آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔ جس سے دم کے دم میں لڑائی کا رُخ بدل گیا۔

مہارانی کی اس دلیری اور جانبازی کو دیکھ کر انگریزی توپ خانے کے توپچی بھی عش عش کرنے لگے۔ اور تصویر حیرت بنے ان کی جنگ آزمائی کا تماشہ دیکھنے میں ایسے محو ہوئے کہ توپیں داغنا تک بھول گئے۔ آج مہارانی لکشمی بائی نے مہیشا سُر مردنی بھگوتی درگا کا رُوپ دھارن کر۔ اپنا تیج اور تیج شستر ودل میں ویسا ہی پرگٹ کر رہی تھیں۔ اور جو بھی ان کے سامنے پڑ جاتا تھا۔ اسے ہی گاجر مولی کی مانند کاٹ پھینکتی تھیں۔ ان کی اس مارا ماری کی تاب نہ لا کر ایک بار تو بہادر انگریزی فوجیں گھبرا اٹھیں اور انہوں نے پسپا ہونا شروع کر دیا۔

اس طرح جنگ کا نقشہ بگڑتا ہوا دیکھ کر۔ بریگیڈیر سٹوارٹ خود گھوڑا دوڑا کر۔ توپ خانے کے پاس پہونچے۔ اور اپنے طلسم زدہ توپچیوں کو حوصلہ دلا کر اور ہوش میں لا کر اُنہوں نے ان سے پھر گولہ باری شروع کرا دی۔

ادھر جب سر ہیوز نے مہارانی لکشمی بائی کی اس جانبازی کا حال سُنا۔ تو وہ جوش میں بھر کر خود اُونٹ سواروں کا ایک دستہ ساتھ لے کر ادھر ہی ٹوٹ پڑے جدھر باغی فوجوں نے مہارانی جی کی سرکردگی میں یہ کہرام مچا رکھا تھا۔ عین اسی وقت ۸۳ دیں اور ۲۵ ویں پلٹنیں بھی سر ہیوز کی مدد کو وہاں پہونچ گئیں۔ بس پھر کیا تھا؟ جنگ کا رنگ ایک بار پھر بدل گیا۔ اور وہ گھمسان کا رَن پڑا۔ کہ باغی فوجوں کے پیر اُکھڑ گئے۔ اور ایسے اُکھڑے کہ پھر نہ جم سکے۔

مہارانی جی نے ہر چند غیرت دلا دلا کر اور اُبھار اُبھار کر۔ انہیں روکنا اور آگے بڑھانا چاہا۔ لیکن ان کی ایک پیش نہ گئی۔ آخر اُنہوں نے اپنے آپ کو دُشمنوں کے نرغے میں پھنسی ہوئی اَور خطرے میں دیکھ کر۔ اپنے گھوڑے کی باگ موڑی۔ اور جیسے بجلی کی طرح لپکتی اور چمکتی دمکتی ہوئی وہ آگے آئی تھیں۔ ویسے ہی اب پیچھے ہٹتی چلی گئیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ تلوار چلاتی اور اپنا راستہ روکنے والے ہر ایک دُشمن کو خاک و خون میں ملاتی ہوئی۔ وہ اپنے مخالفوں کی صفوں میں سے صاف بچ کر نکل گئیں۔ کسی کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ ان کا راستہ روک کر انہیں گرفتار کرنے کا خیال تک بھی دل میں لا سکے۔ یا انہیں اپنی تیغ تیز کا شکار بنا سکے جس کسی نے یہ کوشش کی بھی۔ فوراً اپنی کرنی کا پھل پایا۔ اسی کا سر دھڑ سے الگ ہو کر۔ گیند کی مانند لڑھکتا ہوا نظر آیا۔ اور لاشہ زمین

پر تڑپتا دکھائی دیا۔

باغیوں کی بھگدڑ شروع ہوتے ہی۔ انگریزی فوجوں نے دُور تک ان کا تعاقب کرکے انہیں گاجر مولی کی مانند کاٹنا چھانٹنا شروع کر دیا۔ اس افراتفری میں سینکڑوں جوانوں نے جمنا جی میں کُود کُود کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی۔ اور بہت سے اسی کوشش میں کام آئے۔

---

(۲۶)

کالپی کی ہار اور اس کے بعد

میدانِ جنگ سے بھاگ کر آئے ہوئے باغی سرداروں اور ان کی فوج نے قلعے میں پہونچتے ہی۔ اپنے مورچے مضبوط کرنے شروع کر دئے۔ اور قلعے نیز شہر کے سب دروازے فوراً بند کرکے انگریزی فوج کے مقابلے کی تیاریاں کرنے لگے۔ لیکن ماہر جنگ تجربہ کار جنرل سرہیوز نے انہیں۔ ان تیاریوں کے لئے بھی پوری پوری مہلت نہ دی۔ اور ان کے توپخانے نے آتے ہی قلعے اور فصیل شہر پر گولے برسانے شروع کر دیئے۔ نیز ان کی ایک پیدل فوج نے شہر کالپی کے ایک دروازے پر نہایت زبردست حملہ کرکے شہر میں داخل ہونے کے لئے اپنا رستہ صاف کر لیا۔

پیشوائی فوج کے گولندازوں نے ہر چند انگریزی توپوں کو ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اور ان کی پیدل نیز سوار فوجوں نے بھی کچھ دیر تک جی توڑ کر تنومند انگریزی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن تابہ کے؟ آخر انہیں۔

یہاں سے بھی میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

انگریز فوجوں کو ایک کثیر تعداد میں شہر میں داخل ہوتے دیکھ کر پہلے تو باغی سرداروں۔ یعنی راؤ صاحب۔ نواب باندہ۔ اور مہارانی لکشمی بائی نے ہر طرف ان کا خوب مقابلہ کیا۔ مگر آخر وہ بھی موقعہ پاکر بھاگ نکلے۔ انگریزی فوجوں نے دُور تک باغی فوجوں کا تعاقب کرکے دوسرے بہت سے سامانِ جنگ کے علاوہ چار ہاتھی بھی ان سے چھین لئے۔ اور بہت سے جوانوں کو ہلاک اور زخمی کرکے آخر دن چھپنے کے قریب فتح مند انگریزی فوجیں واپس آکر ۸۴ گنبد والے میدان میں آرام کرنے لگیں۔ جہاں پہلے ہی ان کے لئے چھاؤنی ڈال دی گئی تھی۔ ۲۴ مئی کو سر ہیوز روز نے بغیر کسی روک ٹوک کے قلعہ کالپی پر بھی قبضہ کر لیا۔ وہاں انہیں وہ سب سامانِ جنگ کسی بھی خاص محنت اور تردد کے بغیر ہی بہ آسانی مِل گیا۔ جو پیشوا کے سپہ سالار تانتیا ٹوپی نے ڈیڑھ سال کی دوڑ دھوپ اور محنت و جانفشانی سے جمع کیا تھا۔ جس کا اندازہ صرف اتنے سے ہی لگ سکتا ہے کہ وہاں جو بارُود کا ذخیرہ ملا۔ اس کا ہی وزن ۶۰ ہزار پونڈ کے قریب تھا۔ اس تمام سامانِ جنگ کا ذکر کرتے ہوئے۔ سر ہیوز کے دوست ڈاکٹر سلوسٹر نے اپنی کتاب "وسط ہند کی مہم" میں لکھا ہے :۔

"قلعہ جھانسی کی مانند اس قلعے میں بھی سامان جنگ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ انگریزوں کے ہاتھ لگا۔ لیکن یہاں انہیں جو چیزیں ملیں۔ ان کا فنونِ جنگ سے بہت گہرا تعلق تھا۔ وہاں پندرہ کے قریب تو چھوٹی اور بڑی توپیں ہی تھیں۔ ان کے علاوہ ایک بہت بڑی مورٹر اور ایک ہوٹزر بھی ہاتھ لگی۔ انگریزی ساخت کے گاؤ دُم گولے گولیاں بھی وہاں ایک بہت بڑی

تعداد میں جمع ملے۔ کئی سائبان ایسے تھے۔ جن میں توپیں اور ہوٹنرز اور دوسرے اسلحہ تیار ہؤا کرتے تھے۔ یا مرمت کئے جایا کرتے تھے۔ کیونکہ وہاں اس کام کے بہت سے انگریزی ساخت کے اوزار مثلاً ہتوڑے۔ شکنجے۔ ریتیاں۔ بانکیں۔ زنبور۔ خراد وغیرہ کے علاوہ کئی بھٹیاں بھی مکمل موجود تھیں۔ کارآمد بندوقیں بھی ایک کثیر تعداد میں ہاتھ لگیں۔ پیتل کے بہت سے ٹوٹے ہوئے گولوں کی موجودگی سے کم از کم یہ ظاہر ہوتا تھا۔ کہ اس صیغہ اسلحہ سازی میں انہیں ابھی تک پوری پوری کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ اگرچہ وہ اس کے لئے کوشاں ضرور تھے۔ یہ سب گولے وہ مٹی کے سانچوں میں ڈھالتے تھے۔ جنہیں بعد میں ریتیوں سے ریت ریت کر صاف کر لیا جاتا تھا۔ غرضیکہ یہاں باغیوں کی اسلحہ سازی کا یہ سب سے بڑا کارخانہ تھا۔ اور اگر یہ قلعہ ایسی آسانی سے ہمارے ہاتھ نہ آجاتا۔ تو یہاں وہ مدت تک خوب ڈٹ کر ہمارا مقابلہ کر سکتے تھے۔"

فتح کالپی کی خوشخبری پاکر گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے ۲۴ مئی کو بذریعہ تار سر ہیوز روز کا شکریہ ادا کرکے ان کی بڑی تعریف کی۔ اور انہیں نیز ان کی فوجوں کو تہ دل سے مبارکباد پیش کی۔ جس کے وہ ہر طرح مستحق بھی تھے۔ کیونکہ اس فتح نے ایک بڑی حد تک وسط ہند میں باغیوں کی کمر توڑ دی۔ مگر پھر بھی وہ بد دل اور بے حوصلہ نہیں ہوئے۔ اور وہاں سے بھاگ کر کسی دوسری جگہ اپنا اڈہ بنانے اور اپنی منتشر فوجوں کو پھر جمع کرکے قسمت آزمائی کی کوششیں کرنے لگے۔

سر ہیوز روز بھی ان کئی مہینوں کی مسلسل جنگ و جدل کی دوڑ دھوپ سے تھک گئے تھے انہیں اپنی صحت بحال کرنے کے لئے کچھ عرصہ تک آرام

کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس لیے وہ چھٹی لے کر بمبئی چلے گئے۔ اور ان کے بعد کمانڈر انچیف سر کالون کیمبل نے انگریزی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصے کو تو جھانسی کی حفاظت کے لیے وہیں چھوڑا۔ اور دوسرے کو باغیوں کے تعاقب میں ریاست گوالیار کی طرف بھیج دیا۔ تاکہ وہ اس ریاست کو باغیوں کی ریشہ دوانیوں سے ہر طرح محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا رہے۔ اور انہیں پھر کہیں جمع ہو کر سر نہ اٹھانے دے۔

اس میں شک نہیں کہ باغی لیڈر اور ان کے سردار بھی ایک سے ایک بہادر تھے۔ لیکن ان میں دُور اندیشی۔ دانشمندی اور مستقل مزاجی کی بڑی کمی تھی۔ اس لیے وہ ایک معمولی سی فتح پا کر بھی خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ اور ذرا سی مار سے گھبرا کر جی چھوڑ بیٹھتے تھے۔ فرض شناسی اور اپنے فرض کی ادائیگی میں مر مٹنا تو شاید۔ ایک مہارانی لکشمی بائی کے سوا ان میں سے کسی کو آتا ہی نہ تھا۔ یہاں تک کہ تانتیا ٹوپی کو بھی شاید اس کا کچھ بہت زیادہ خیال نہ تھا۔ وہ بلاشک وشبہ بہادر تھا۔ حوصلہ مند تھا۔ چالاک اور چالباز بھی خوب تھا۔ وقت پڑے پر اسے خوب نئید ھ نئی سوجھتی تھی۔ اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ اور انہیں اپنا وفادار اور جاں نثار ساتھی بنا لینا بھی وہ خوب جانتا تھا۔ لیکن رجوگنی پردھان ہونے کے باعث ایک نہایت معمولی سی فتح سے پھول کر وہ آئندہ کا سب فکر چھوڑ بیٹھتا تھا۔ اور ایک معمولی سے مقابلے سے گھبرا کر بھاگ جاتا تھا۔ اسی لئے اس کی یہ کمزوری اس کے ساتھیوں اور ماتحت فوجیوں میں اور بھی نمایاں صورت حاصل کر گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ نہ تو وہ جھانسی کے میدان میں ہی نہ

وہ آخر تک اپنی وہ جرأت و جانبازی دکھا سکا جنہوں نے اس کی ابتدائی مہموں میں اسے انگریزوں کے لئے ہوّا بنا کر نزدیک و دور اس کی دھاک جما دی تھی اور انگلستان تک اس کی شہرت پھیلا دی تھی۔

مگر مہارانی لکشمی بائی جی نے اپنے تپ۔ تیاگ اور ویراگ ابھیاس سے۔ رجوگنی پردھان ستری شریر پاکر بھی۔ اس میں ستوگن کو اتنا پربل اور پردھان بنا لیا تھا۔ کہ اس سے ان کی سبھی ستریوں کی سی سوبھاوک (طبعی) اور پراکرتک (قدرتی) چنچلتا دب کر۔ ان کے مزاج اور ارادے میں وہ سنجیدگی۔ پختگی اور ضبوطی پیدا ہو گئی تھی۔ جو معمولی مردوں میں بھی بہت کم ملتی ہے۔ وہی صفات نہیں جلدی ہی بددل اور بے حوصلہ نہ ہونے دیتی تھیں۔ اور آخر وقت تک میدانِ جنگ میں ڈٹے رہ کر داد شجاعت دیتے رہنے کے لئے مجبور کرتی رہتی تھیں۔ اس لئے ان کے سب دوست و دشمن ان کی تعریف کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے تھے۔ اور انہیں کم از کم ان کی جرأت و جانبازی کی داد دیتے ہوئے تو یہی کہنا پڑتا تھا ؎

شکست و فتح ہے قسمت کے ہاتھ ورنہ امیر!
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا!

اس لئے اگر وہ کالپی کے میدان میں اپنی فوجی قابلیت کے وہ جوہر نہ دکھا سکیں۔ جو انہوں نے جھانسی کے معرکے میں دکھائے تھے۔ تو اس کی وجہ اس کے سوا کچھ بھی نہ تھی۔ کہ جھانسی کی لڑائی میں وہ پوری پوری آزاد اور خود مختار تھیں اور کالپی کی لڑائی میں ماتحت اور پرادھین اور وہ بھی بالکل ناقابل و نالائق لوگوں کے!

یہ ماتحتی اور پرادھینتا بھی دنیا میں ایک ایسی لعنت ہے۔ جو ہوشیار

سے ہوشیار۔ عقلمند سے عقلمند اور جانباز سے جانباز شخص کی بھی تمام ہوشیاری، عقلمندی اور جانبازی کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ اور وقت ضرورت پر بھی اسے اپنی پوری پوری ہمت و جرأت دکھانے کی اجازت نہیں دیتی۔ اسی لئے وہ اپنی اس بیکسی اور بے لبسی پر دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے۔ مگر کر کچھ بھی نہیں سکتا۔ اسی خیال سے انسانی خصلت کے بے مثال ماہر اور ہندی کے مایۂ ناز شاعر گوسوامی تلسی داس جی نے کمال پُر درد لہجے میں

'پرادھین سپنے ہُو سُکھ ناہیں

کہا ہے۔ یعنی کسی بھی غلام اور ماتحت انسان یا قوم کو۔ خواب میں بھی کوئی سُکھ نصیب نہیں ہو سکتا۔ اور وہ جتنا بھی ہوشیار۔ سمجھ دار، معاملہ فہم اور حقیقت شناس ہوتا جاتا ہے۔ اتنا ہی زیادہ بے چین و بے قرار رہتا ہوا تڑپ تڑپ کر دن رات یہی کہتا ہے کہ

یہ دردِ دل کا دور ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو

ایسی پُرحسرت اور دردناک حالت میں وہ بدقسمت ناستک تو۔ جو اپنی۔ اپنے دوستوں یا اپنی قوم کی محدود اور کمزوری مادی طاقتوں پر ہی بھروسہ رکھتا ہے۔ اپنی بے بضاعتی اور ناطاقتی سے پریشان و مایوس ہو کر جان پر کھیل جاتا ہے۔ خودکشی کر لیتا ہے۔ یا اور کسی طرح اپنی اس پر اذیت زندگی کا خاتمہ کر ڈالتا ہے۔ لیکن جس پر بھو بھکت کو اپنے سرب شکتیمان مہا پربھو کی لامحدود۔ اننت اور معلوم و نامعلوم طاقتوں کا بھروسہ ہوتا ہے۔ وہ اس دیا لو۔ کرپالو اور نیائے کاری پتا کی دیا۔

کرپا اور دیا سے کبھی مایوس نہیں ہونا۔ اور ہمیشہ یہی سوچتا اور کہتا رہتا ہے۔ کہ ؎

"اسے فضل کرنے نہیں لگتی بار نہ ہو اس سے مایوس اُمیدوار۔
کوشش کرو! کوشش کرو!! اور پھر کوشش کرو!!! اگر اب تک تمہیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ تو بھی ایک بار پھر کوشش کرو! عین ممکن ہے کہ اس کوشش میں کامیابی حاصل ہو جائے۔ اور یہی کوشش تمہاری آخری کوشش ثابت ہو۔ ؎

مرد باید کہ ہراساں نہ شود مشکلے نیست کہ آساں نہ شود

دیر دہی جو نہ وید سے اپنا سا لس اور شکتی ہارے!
نہیں کٹھنائی ایسی کوئی جو تہ سو گم ہو سکتی ہو!

غرضیکہ وہ مایوس ہونا جانتا ہی نہیں۔ اور اپنی ہر ایک ناکامیابی کو۔ آئندہ کامیابی کا پیش خیمہ سمجھتا ہے۔ کیونکہ اسے پربھو کی دیا اور کرپا کا سرب شکتیمان ہاتھ ہر جگہ۔ اپنی رہنمائی کرتا نظر آتا ہے۔ اور وہ اپنی ہر کامیابی و ناکامیابی کو پربھو کی دات سمجھتا ہوا شری گورو نانک دیو جی کے پوتر شبدوں میں یہی کہتا ہے۔ کہ

جو تُدھ بھادے سوئی بھلی پرکار۔ تو سدا سلامت نرنکار

بتِرا بھانا میٹھا لاگے ———— نام پدارتھ نانک مانگے

سُکھ دُکھ دو نو دات تمہاری دونو پر جاؤں ملیاری

دُکھ نت تمری یاد دلاتے ———— نام بھجن کی رُچی بڑھاتے

سُکھ تمری مہا ودیکاتے ———— بش کیرت جگ میں پھیلاوے

تِرا بھانا میٹھا لاگے نام پدارتھ نانک مانگے

اسی طرح ویر شرومنی مہارانی لکشمی بائی جی بھی پربھو اِچھا پر سر جھکاتی اور مصیبت پر مصیبت اٹھاتی۔ اپنے ارادے میں اٹل اور اچل بنی ہوئی اپنے ان الفاظ کو لفظ بلفظ ہی نہیں بلکہ حرف بہ حرف سچے ثابت کر رہی تھیں کہ "میں اپنی جھانسی ہرگز نہ دوں گی"

(۲۸)

شیرنی کی گرج

کالپی میں انگریزی فوجوں سے شکست کھا کر راؤ صاحب پیشوا اور ان کے سبھی ساتھی نیز ماتحت باغی سرداروں نے گوالیار سے قریباً ۴۶ میل کے فاصلے پر گوپال پور نامی ایک قصبے میں اپنا ڈیرہ جا جمایا۔ تانتیا ٹوپی ابھی تک اپنے پوجیہ پتا جی کے درشن کر کے واپس نہیں آسکے تھے۔ کالپی کی افسوسناک خبر ملتے ہی وہ فوراً روانہ ہو کر جتنی بھی جلدی ہو سکا گوپال پور پہونچ گئے۔

انہیں واپس آیا ہوا دیکھ کر۔ مایوس اور دل برداشتہ راؤ صاحب کی جان میں جان آئی۔ کیونکہ تانتیا جی کی غیر حاضری میں۔ وہاں جتنے بھی سردار موجود تھے۔ وہ سبھی اس آخری شکست سے بیحد بددل اور مایوس ہو رہے تھے۔ سوائے شیر دل مہارانی لکشمی بائی جی کے۔ وہ بیچاری ہرچند راؤ صاحب اور ان کے ساتھیوں کو حوصلہ بندھاتیں اور ڈھارس دیتی تھیں۔ مگر ان سے کچھ زیادہ بات چیت کرتے ہوئے سبھی ندامت

محسوس کیا کرتے تھے۔ اور انہیں آتے دیکھتے ہی ادھر ادھر کنی کترا کر کھسک جانے کی سوچتے تھے۔ وہ بھی اس لئے انہیں زیادہ نادم و پریشان کرنا نہ چاہتی تھیں۔ اس لئے تانتیا جی کے آنے سے انہیں بھی بے حد اطمینان ہؤا۔ انہوں نے یہ سوچا کہ اس بے ہمت و بے حوصلہ جماعت میں کم از کم ایک شخص تو اب میرا بھی ہمخیال اور ہمرائے آپہونچا ہے۔ اس لئے اب ہم دونوں مل کر وہ مشکل کام بہ آسانی سرانجام دے سکیں گے۔ جو میری اکیلی جان کے لئے پہاڑ سا بنا ہؤا تھا۔ بقول کسی فارسی شاعر کے

دو دل یک شود بشکند کوہ را
پراگندگی آرد انبوہ را!

تانتیا دیر کے گوپال پور پہونچتے ہی۔ سب سردار آہستہ آہستہ آکر پیشوا جی کے دیوان خانے میں جمع ہو گئے اور یہ مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا طریق عمل اختیار کیا جائے؟ سب سے پہلے راؤ صاحب نے خود ہی۔ تانتیا جی کے سامنے سب صورتِ حال پیش کرتے ہوئے کہا "ویرسینا پتی! آپ کی غیر حاضری میں۔ کالپی کے میدان میں ہمارے ساتھ جو کچھ بیتی۔ اس کا رونا رونا تو۔ اب بالکل فضول ہے۔ داناؤں نے کہا ہے

بیتی تاہے بسار دے آگے کی سدھ لے!

اس لئے ہمیں بھی اب یہ سوچنا ہے کہ آیندہ کیا کرنا چاہیئے؟"

نواب باندہ ۔ بے شک! اس وقت یہی سب سے ضروری اور اہم سوال ہمارے سامنے درپیش ہے۔ کیونکہ کالپی کا قلعہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد۔ ہم بالکل بے دست و پا رہ گئے ہیں۔ ہمارا سب سامان جنگ۔ جو قلعہ کالپی میں جمع تھا۔ اور جس سے شاید ہم مہینوں نہیں تو ہفتوں

تک تو۔ ضرور ہی دشمن کے ساتھ ٹکر لے سکتے تھے۔ اب دشمن کے قبضے میں پہونچ چکا ہے۔ ایسی بیکسی و بے بسی کے عالم میں ہم کیا کریں اور کیا نہ کریں؟ کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا!

راجہ بان پور۔ میری تو یہی رائے ہے کہ اب یہ جھگڑا ختم کر کے۔ چپ چاپ کہیں ٹل جانا چاہیئے۔ اور اپنی زندگی کے باقی دن جیسے بھی کٹیں کاٹنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

تانتیا ویر۔ لیکن ٹل کر کہاں جاؤ گے؟ انگریز ایسا نہیں جو تمہیں یونہیں۔ بغیر پوری پوری سزا دیئے کہیں ٹل جانے دے گا۔ یا کہیں آرام سے بیٹھ کر کہیں زندگی گذارنے دے گا۔ وہ کونہ کونہ چھان مارے گا۔ اور تمہیں پاتال سے بھی کھینچ لائے گا۔ دیکھتے نہیں! دہلی کے شہزادوں کو کہاں کہاں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر لایا گیا۔ اور پھانسی پر چڑھایا گیا ہے؛ پھر وہ زندگی بھی کیا کوئی زندگی ہوگی؟ میں تو موت کو اس سے ہزار درجے بہتر سمجھونگا۔ اور موت بھی ویر کشتری کی موت! جو میدان جنگ سے ہی سیدھا سورگ پہونچا دے!

راؤ صاحب۔ لیکن لڑنے مرنے کے لئے بھی تو فوج چاہیئے۔ سامانِ جنگ چاہیئے۔ اب ہمارے پاس رہ ہی کیا گیا ہے؟ جس کے بل بوتے پر لڑنے کی جرأت کر سکیں! اور کامیاب ہونے کی امید کو دل میں جگہ دے سکیں۔"

تانتیا۔ پیشوا جی! یہی تو آپ کی بھول ہے۔ (اپنی تلوار میان سے کھینچ کر) جب تک ایک ویر یودھا کے سر پر بھجائیں ہیں۔ اور ان میں تلوار پکڑنے کی شکتی ہے۔ تب تک اسے مرنے مارنے سے کون روک سکتا ہے

خصوصاً اس وقت جب فتح کی بھی کوئی اُمید اس کے دل میں نہ رہے۔ اور ایک شرمناک شکست کو منظور کرنے کی نسبت وہ موت کو ہزار درجے بہتر سمجھے!

تانتیا ویرہ کا یہ بہادرانہ جواب سُن کر مہارانی لکشمی بائی جی بہت خوش ہوئیں۔ اور سنجیدگی بھرے لہجے میں بولیں۔"لیکن مجھے تو یوں دلوش ہوجانے کی بھی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی۔ کیونکہ یہ حقیقت آپ میں سے کسی سے بھی کسی طرح چھپی ہوئی نہیں۔ کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا۔ جبکہ آپ کے پوجیہ بزرگوں نے سارے بھارت میں اپنی بہادری اور جانبازی کی دھاک جما رکھی تھی۔ اور بار بار شہنشاہ دہلی کی فوجوں کو میدانِ جنگ میں نیچا دکھا کر سلطنت مغلیہ کی جڑیں کھوکھلی کر دی تھیں۔ اُتر دشا میں سندھ دریا تک دھاوے مار مار کر اپنے ہندو سامراجیہ کی جڑیں مضبوط کی تھیں۔ کیا آپ نے کبھی یہ سوچا۔ کہ ان کے اس اموگھ (کبھی نہ دب سکنے والے) تیج اور پرتاپ کا اصلی کارن کیا تھا؟

راؤ صاحب۔ آپ ہی کرپا کر کے بتادیجئے۔

مہارانی جی۔ جہاں تک میں سمجھ سکی ہوں۔ ان مہاراشٹر ویروں کے اس تیج اور اس سپھلتا کا ایک ماتر کارن تھا۔ پراتہ سمرنیہ (علی الصباح کمال عزت و تعظیم سے یاد کئے جانے کے قابل) ہندو کُل بھوشن۔ مہاراشٹر سامراجیہ سنستھاپک (مرہٹہ سلطنت کے بانی مبانی) چھترپتی شواجی مہاراج کی یُدھ نیتی (فوجی طریق عمل) اور اس کی پوری پوری پیروی! ان کے نقش قدم پر ہی۔ قدم بڑھانے کی سچی لگن اور سچی کوشش! آپ نے بھی اپنے مہاراشٹر سامراجیہ کے اتہاس کو بغور پڑھا ہوگا۔ کیا اس سے آپ کو

یہ معلوم نہیں ہوا۔ کہ ویر شرومنی شواجی مہاراج نے جب سے ہوش سنبھالا یا یوں سمجھئے کہ جب سے پوجیہ دادا جی کونڈیو اور ویر پتنی ویر ماتا جیجا بائی جی کی پُنیہ مئی پوتر شکشا سے پربھاوت ہو کر۔ ان کے پوتر بال ویر من میں۔ ہندو سامراجیہ سنھاپن کا بیج پڑا۔ تبھی سے انہوں نے چھوٹے بڑے قلعوں پر قبضہ کرنے کو ہمیشہ ایک خاص اہمیت دی ہے۔ ان کے ویر جیون کا۔ تورن۔ چاکن۔ سنگھ گڑھ۔ رائے گڑھ وغیرہ بے شمار قلعوں سے گہرا تعلق رہا ہے۔ وہی ان کی تمام ملک گیری اور اس کامیابی کی بنیاد ہیں۔ انہوں نے مسلمان بادشاہوں سے ایک کے بعد دوسرے قلعے چھین چھین کر ہی تو وسیع ہندو راج کی سنھاپنا کی تھی۔ اور اپنی طاقت کو آہستہ آہستہ اتنا بڑھا کر ایک چھوٹے سے ماتحت جاگیردار کے پتر ہو کر بھی آخر میں چھترپتی مہاراجہ ادھیراج کا درجہ پایا تھا۔ اور اورنگ زیب جیسے پربھاوشالی سمراٹ کے سنگھاسن کو ایسا ڈانواں ڈول کر دیا تھا کہ وہ پھر کبھی سنبھلنے ہی نہیں پایا۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اب بھی۔ اگر آپ انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لئے۔ اپنی کچھ طاقت کہیں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تو سب سے پہلے سر ہتھیلی پر رکھ کر کسی قلعے کو قابو میں کرنے کی کوشش کیجئے یا اسی کوشش میں اپنے پران دے دیجئے! کسی کھلے میدان یا جنگل میں اس طرح ڈیرے ڈال کر۔ آپ انگریز کی طاقت سے کبھی محفوظ نہیں ہو سکتے۔ خود میری مثال پر ہی ذرا غور فرمائیے اگر میرے پاس جھانسی کا قلعہ نہ ہوتا۔ تو کیا میں۔ ایک دن کی تو بات ہی بہت بڑی ہے۔ چند منٹ بھی انگریز کے مقابلے میں ڈٹ سکتی تھی؟

مہارانی جی کی یہ پُرزور تقریر سن کر سب تصویر حیرت بن گئے مہارانی جی نے ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد پھر اپنا سلسلۂ تقریر شروع کرتے ہوئے کہا:

"اب بھی پربھو کی کرپا سے تانتیا جی جیسے ادّمیہ ساہسی رنا قابل فتح جری ہمّت) ویر آپ کے پاس ہیں۔ ان کے بل اور شکتی پر پورا پورا بھروسہ کیجیئے۔ اس مقصد کے لئے وہ جو کچھ بھی کرنا چاہیں۔ اس کی انہیں کھلی چھٹی دے دیجیئے۔ اور پھر دیکھئے کہ وہ کیسے ہتھیلی پر سرسوں جمانتے ہیں؟ اور اس بے سرو سامانی کی حالت میں بھی آپ کو کیا کر دکھاتے ہیں؟ ضرورت صرف یہ ہے کہ انہیں اس بارے میں اپنی سی۔ سب کچھ کر گذرنے کی پوری پوری آزادی ہو۔ اور ان پر ہر طرح پورا پورا وشواس کیا جائے! فرمائیے! کیا آپ سب اس کے لئے تیار ہیں؟

مہارانی جی نے اپنی اس پُرزور تقریر میں جب ویرتا نتیا ٹوپی کا ذکر کیا۔ تو پہلے تو تانتیا جی کا چہرہ کچھ سنجیدہ سا ہو گیا۔ لیکن پھر اپنی ہمت و جرأت۔ قابلیت و لیاقت کی تعریف سُن کر۔ ان کا مُکھ کمل جو پہلے کچھ مرجھایا ہؤا سا تھا۔ آہستہ آہستہ دلی مسرت اور شادمانی سے شگفتہ ہونے لگا۔ مہارانی جی کی تقریر ختم ہونے تک تو۔ اندرونی جوش سے ان کا چہرہ تمتما اُٹھا اور اس پر خلقی بہادری و تہور کا نور برسنے لگا۔

مہارانی جی کے کچھ خاموش ہوتے ہی۔ راؤ صاحب نے اُمید اور جوش بھرے لہجے میں کہا: "ہم اس بارے میں تانتیا جی کو ہر طرح پوری پوری آزادی دینے کے لئے تیار ہیں۔"

راؤ صاحب کے یہ الفاظ سُنتے ہی بہادر تانتیا جی نے بھی پورے جوش سے گرج کر کہا: "میں بھی اس کوشش میں اپنی جان تک لڑا دوں گا۔ فرمائیے مہارانی جی! آپ پہلے کون سے قلعے پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں۔ جھانسی پر یا کالپی پر؟"

ویرتانتیا نے مہارانی جی سے جو سوال کیا۔ اسے سن کر سب حیرت سے۔ کبھی مہارانی جی کا اور کبھی تانتیا ویر کا منہ تاکنے لگے۔ گویا نہایت اضطراب کے ساتھ یہ سوچ رہے تھے کہ دیکھئے! مہارانی اس سوال کا کیا جواب دیتی ہیں؟

مگر شیر دل مہارانی۔ تانتیا جی کے اس سوال پر مسکرا پڑیں اور بولیں۔ "نہیں! نہیں! جھانسی یا کالپی کا ابھی خیال تک بھی اپنے دل میں لانا۔ کال کے مکھ میں جانا ہوگا! کیونکہ ان دونوں قلعوں پر انگریزوں کا پورا پورا قبضہ ہو چکا ہے اس وقت ہمارے پاس وہ سامان جنگ اور اتنی زبردست فوج کہاں؟ جو انہیں پھر فتح کرنے کا وچار تک بھی اپنے من میں لا سکیں! اس لئے ابھی تو ہمیں اپنا ہی سر چھپانے کے لئے کسی اور قلعے کی تلاش کرنی پڑے گی۔ جہاں ہم اپنے قدم جما سکیں۔ اور آہستہ آہستہ سامانِ جنگ اکٹھا کر کے کچھ دیر تو آرام سے بیٹھ سکیں۔ اور اس بیچ میں اگر انگریز ہمارا پتہ لگا کر ہم پر حملہ بھی کر دیں۔ تو کچھ دیر تک تو خوب ڈٹ کر ان کا مقابلہ کر سکیں۔"

مہارانی جی کے اس معقول و مدلل جواب سے سب کی دلی حیرت دور ہو کر انہیں ایک گونہ اطمینان ہوا۔ مگر اب سب کے دل میں یہ تلاش پیدا ہوئی۔ کہ ایسا قلعہ کونسا ہو سکتا ہے۔ جہاں ہم انگریزوں کے حملے کی طرف سے۔ کچھ مدت تک کے لئے محفوظ بیٹھ کر آیندہ کی خاطر کچھ تیاری کر سکیں؟ اس لئے ہر طرف ایسا سناٹا چھا گیا۔ کہ اگر کہیں سوئی بھی گرتی۔ تو اس کی بھی آواز سنائی دیئے بغیر نہ رہتی۔

آخر ویرتانتیا جی کی آنکھوں میں وہ خاص چمک سی پیدا ہو گئی۔ جو دل ہی دل میں کچھ حوصلہ افزا فیصلہ کر لینے کے بعد ہر شخص کی آنکھوں میں جھلک آیا کرتی ہے۔ اور جس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر چھائی ہوئی

سب افسردگی اور پریشانی فوراً دور ہوکر۔ اس پر دلی مسرت اور خوشی کا نور سا برسنے لگتا ہے۔ انہوں نے اس مایوسی بھری خاموشی کو توڑتے ہوئے اپنی گرجتی ہوئی آواز میں کہا: "راؤ صاحب! مہارانی جی اور دوسرے بہادر سالاقبول! مہارانی جی کی ان ہمت۔ جوش اور بہادری بھری باتوں نے۔ میرے گوشۂ دل میں ایک ایسی خواہش کو پھر پیدا کردیا ہے۔ جو ایک عرصے تک مجھے اندر ہی اندر بہت کچھ بیقرار اور پریشان رکھ کر۔ خود بخود دب کر ہمیشہ کے لئے سو گئی تھی آج اپنے اس دلی راز کو۔ میں آپ سب کے سامنے ظاہر کرنے پر مجبور سا ہو گیا ہوں۔ تاکہ آپ سب بھی میری اس پرانی آرزو کو برلانے میں حتی الوسع ہر طرح میری مدد کے لئے تیار ہو جائیں۔ میں تو جیسا کہ پہلے ہی پرتگیا کر چکا ہوں اس کوشش میں اپنی جان لڑا ہی دوں گا۔"

یہ الفاظ کہہ کر تانتیا جی ایک لمحہ کے لئے خاموش ہو گئے۔ گویا کہ اس وقت وہ یہ اندازہ لگا رہے تھے۔ کہ ان کے ان الفاظ کا حاضرین پر کیا اثر پڑا ہے؟ انہوں نے دیکھا کہ سب پوری خاموشی اور توجہ کے ساتھ ہمہ تن گوش بنے ان کی باتیں سن رہے ہیں۔ اس سے حوصلہ پاکر تانتیا دیر پھر بولے "بات یہ ہے۔ کہ آج سے پانچ چھ مہینے پہلے میرے دل میں بھی کچھ ایسی ہی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ کہ کسی نہ کسی قلعے پر ضرور قبضہ کرکے اپنی طاقت بڑھائی جائے۔ اسی خواہش کے زیر اثر میں خفیہ طور پر گوالیار پہونچا۔ اور وہاں کے قلعے کو اپنے قابو میں لانے کے لئے جوڑ توڑ لگانے لگا۔ اس میں مجھے کامیابی بھی کافی ہوئی۔ یعنی گوالیار کی فوج میں بھی۔ ہمارے بہت سے ہم خیال سردار اور سپاہی پیدا ہو گئے۔ دہلی۔ میرٹھ اور کانپور جیسے شہروں میں ہماری شاندار کامیابیوں کی خبریں سن سن کر ان کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے۔ چنانچہ انہوں نے بھی ایک

سو موقع پاکر قلعہ گوالیار میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔ اور وہاں جو انگریز تھے۔ ان میں سے کئی ایک کو ٹھکانے لگا دیا۔ لیکن چونکہ گوالیار نرش جیاجی راؤ سیندھیا انگریزوں کے پرم بھگت ہیں۔ اس لئے انہوں نے باقی انگریزوں کو باغی فوج سے بچانے کے لئے جلدی ہی بڑی حفاظت سے قلعہ آگرہ میں پہونچا دیا۔ اس وقت گوالیار کی باغی فوج کے دم خم اتنے بڑھ رہے تھے کہ انہوں نے جیاجی راؤ سیندھیا کو بھی اپنے ساتھ ملا کر قلعہ آگرہ پر حملہ کر دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن انگریز بھکت جیاجی راؤ ان کے ساتھ متفق نہ ہوئے۔ اگر وہ مان جاتے اور اپنی فوج نیز سامان جنگ سے ہمیں پوری پوری مدد دیتے۔ تو آج ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ بلکہ شاید اس زبردست بغاوت کی طوفانی لہریں اتری بھارت سے گذر کر دکن میں رامیشورم تک جا پہونچتیں۔ مگر جیاجی راؤ مہاراج نے انگریزوں کی ان سب چالبازیوں کو بھول کر جن کے چکر میں پھنس کر انہیں ۱۸۴۴ء میں انگریزوں کے ساتھ صلح کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا تھا۔ انگریز کی اس غلامی سے آزاد ہونے کا یہ سنہری موقعہ ہمیشہ کیلئے ہاتھ سے کھو دیا۔ اور اپنے انگریز بھکت خودغرض چالباز دیوان دنکر راؤ کے جال میں پھنسے۔ اس کی ہی انگلیوں پر ناچتے رہے۔ اور ہمارے ساتھیوں کو باتوں ہی باتوں میں ٹالتے رہے۔ آخر انگریزوں کا پاسہ بھاری ہوتے دیکھ کر ان سے کھلم کھلا مل گئے۔ اسی لئے اس وقت ہمیں پوری پوری کامیابی نہیں ہو سکی۔ لیکن اب بھی وہاں ہمارے ہم خیال لوگوں کی کچھ کمی نہیں۔ اس لئے مجھے آشا ہے کہ وہاں ہم آسانی سے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھوپال۔ مالوہ اور اندور کی فوجوں میں بھی ہمارے ساتھیوں اور حمائتیوں کی کچھ کمی نہیں۔ قلعہ گوالیار پر قبضہ کرنے میں۔ ان سے بھی ہمیں اچھی مدد مل سکیگی۔

راؤ صاحب۔ یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ پھر کیوں نہ اس کام میں کچھ مدد دینے

کے لئے جیاجی راؤ کو ہی لکھا جاوے
مہارانی جی ۔ مجھے تو ان سے کچھ امید پڑتی نہیں ۔ اگر وہ کچھ مدد کرنے والے ہوتے ۔ تو ان دنوں بھی یوں چپ چاپ نہ بیٹھے رہے ہوتے ۔ جب کہ ہم جھانسی اور کالپی میں انگریزوں سے لڑ رہے تھے ۔ اور کم سے کم ہماری مدد کے لئے جھانسی یا کالپی تو ضرور جا پہونچتے ۔ اگر کچھ ہمت کر سکو ۔ تو اچانک ہی جا چڑھو اور قلعے پر قبضہ کر لو ۔"

راجہ بان پور ۔ مگر پھر بھی اپنے آدمیوں کو تیار رہنے کے لئے ضرور لکھ دینا چاہیئے ۔ اس میں کیا ڈر ہے ؟

نواب باندہ ۔ میری بھی یہی رائے ہے ۔ کیونکہ اس سے ہمیں وقت پر خوب مدد مل سکے گی ۔

مہارانی جی ۔ مگر اس میں معاملہ پھوٹ جانے کا بھی تو ڈر ہے ۔ اس سے ہماری کامیابی میں رکاوٹ بھی تو بہت پڑ سکتی ہے ۔ آگے جیسی آپ کی رائے ہو "

آخر یہی قرار پایا کہ اپنے خاص آدمیوں کی معرفت گوالیار کے راجہ جیاجی راؤ سیندھیا اور ان کی نانا رانی بائیجا بائی کے نام اس مطلب کی پوشیدہ چھٹیاں لکھی جائیں ۔ کہ "پیشواجی کے ساتھ ہمیشہ سے آپ کے خاندان کے تعلقات چلے آتے ہیں ۔ انہیں پیش نظر رکھ کر اس وقت آپ کو ہماری پوری پوری مدد کرنی چاہیئے ۔ یہ مدد صرف ہماری ہی مدد نہ ہوگی بلکہ اس سے آپ کی اپنی ریاست کے بھی ہر طرح انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو سکنے کا راستہ کھل جائے گا ۔ اور پھر ہم اپنی مشترکہ کوششوں سے دکن کی دوسری دیسی ریاستوں کا بھی اسی طرح بھلا کر کے دھیرے دھیرے سارے دیش کو انگریزوں سے چھین لینے میں کامیاب ہو جائیں گے اس لئے کم از کم اس وقت تو آپ کو اور ہمیں اپنی سب بکھری ہوئی طاقتوں کو ۔ کسی ایک جگہ مرکوز کر کے

ہر طرح اپنے اس شاندار مقصد کی کامیابی میں ہی لگا دینا چاہیئے۔ تاکہ آئندہ ہم ہر طرح کی ذلتوں سے بچ جائیں۔ ورنہ آج جو حالت ہماری اور مہارانی لکشمی بائی کی ہو رہی ہے۔ کل وہی تمہاری اور دوسرے راجاؤں و نوابوں کی بھی ضرور ہوگی۔ وقت ہے کہ اب بھی سنبھل جاؤ۔ اور ہماری مدد کے لئے تیار ہو کر۔ اپنے اندھیرے مستقبل کو بھی روشن بنا لو۔ کیونکہ اب زیادہ ٹال مٹول یا سوچ وچار کا وقت نہیں رہا ؟"

یہ خط تیار ہوتے ہی تانتیا ٹوپے نے اپنے ایک خاص معتمد سوار کے ہاتھ اسے ریاست گوالیار کے ایک ایسے سربرآوردہ سردار کے پاس بھیج دیا۔ جو ان کا پورا پورا ہم خیال اور انگریزوں کا سخت مخالف تھا۔ اور اسے بروقت ضرورت اپنے سب ساتھیوں سمیت ہر طرح تیار رہنے کے لئے بھی لکھ دیا۔

جیاجی راؤ اور ان کی ماتا کو جب یہ خط ملے۔ تو وہ بہت گھبرائے۔ کیونکہ نہ تو ان میں انگریزوں کی مخالفت کی ہی ہمت تھی اور نہ باغیوں سے ہی بگاڑ پیدا کرنے کی جرأت! اس لئے وہ سخت گومگو میں پڑ گئے اور کچھ فیصلہ نہ کر سکے کہ کیا کریں کیا نہ کریں ؟

ادھر راؤ صاحب اور ان کے ساتھیوں کو راجہ گوالیار کی امداد پر کچھ اتنا بھروسہ تھا کہ انہوں نے اپنے ان خطوط کے جواب کا بھی انتظار نہ کیا۔ اور اپنی فوج سمیت ۲۸ مئی کو ہی گوالیار کی سرحد پار کر کے آمن نامی گاؤں میں جا پہونچے۔ انہیں یہ پورا پورا بھروسہ تھا کہ جیاجی راؤ اپنے پرانے تعلقات کا خیال رکھ کر۔ اس وقت ضرور ہماری مدد کریں گے اور ہرگز انکار نہ کر سکیں گے مگر وہاں پہونچتے ہی انہوں نے کچھ اور ہی رنگ دیکھا یعنی ان کے وہاں پہونچنے کے کچھ ہی دیر بعد۔ گوالیار کی فوج کے ایک صوبیدار چار سو پیدل سپاہی اور ۱۵۰ سواروں

وہاں آپہونچے۔ انہیں دیکھ کر پہلے چھوٹے راؤ صاحب پہلے تو یہی سمجھے کہ یہ ہمارے سواگت کے لئے آئے ہیں۔ لیکن جب انہوں نے پیشوا کی فوج کو گوالیار کی طرف بڑھنے سے روکا اور وہ راؤ صاحب کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ تو ان کی آنکھیں کھلیں اور بہت بگڑ کر اس صوبیدار کو دھتکارتے ہوئے بولے" ارے! تم جانتے ہو ہم کون ہیں؟ ہم وہی پیشوا جی ہیں جن کے بزرگوں کو تمہارے جیاجی راؤ کے بزرگ مہادجی سیندھیا جو تے پہرایا کرتے تھے اور جنہوں نے مہادجی کی راج بھگتی اور سیوا سے پرسن ہو کر یہ راج گدی انہیں اور ان کی اولاد کو بخش دی تھی۔ ہماری طرف سے ہی تو تمہارے جیاجی راؤ مہاراج یہاں راج کر رہے ہیں۔ تم ہمیں روکنے والے کون ہو؟ ہم تو تمہارے جیاجی راؤ اور دنکر راؤ کو بھی کچھ نہیں سمجھتے! اور نہ ان کے روکنے ہی رک سکتے ہیں!"

پیشوا جی کے یہ دم خم اور ان کی فوج کی تعداد بھی اپنے سپاہیوں سے بہت زیادہ دیکھ کر وہ صوبیدار ۔ پیشوا جی کے رعب میں آگیا اور اس نے ان کا مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ چپ چاپ انہیں اپنی فوج سمیت آگے بڑھنے کا رستہ دے دیا۔ چنانچہ ۳۰ مئی کو راؤ صاحب اور ان کے سب ساتھیوں نے مرار چھاؤنی کے قریب 'بڑا گاؤں' نامی مقام میں جا ڈیرے ڈالے۔

ادھر گوالیار کے راجہ جیاجی راؤ سیندھیا اور ان کے دیوان دنکر راؤ کو جب پیشوائی فوجوں کے مرار کے قریب آپہونچنے کی خبر ملی۔ تو پہلے تو وہ بہت گھبرائے۔ کیونکہ اگرچہ انہوں نے راؤ صاحب کے خط پاتے ہی۔ خفیہ طور پر انگریزوں کو باغیوں کے ان ارادوں سے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن پھر بھی انہیں انگریزی فوج کی آمد کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اور نہ کسی امداد کے جلد ہی

پہنچ جانے کے کہیں کوئی آثار ہی نظر آتے تھے۔

پیشوا جی کی فوج سے کھلم کھلا دو دو ہاتھ کرنے کی ہمت وہ اس لئے نہیں کر سکتے تھے۔ کہ انہیں اپنی فوج پر بھی کچھ بہت اعتماد نہیں تھا۔ اور وہ دونوں ہی اچھی طرح جانتے تھے کہ ہماری فوج اگرچہ ہماری اپنی ریاست اور حکومت کے خلاف تو نہیں۔ مگر ہماری انگریز پرستی کے خلاف ضرور ہے۔ اس لئے وہ انگریزوں کی حمایت میں وہ ہمارا ساتھ دے کر پیشوا جی اور ان کی فوجوں سے لوہا لینے کے ہرگز تیار نہ ہوگی۔ خصوصاً اس صوبیدار کے طریق عمل نے۔ انہیں اور بھی چوکنا کر دیا تھا۔ جو اس گاؤں کے قریب پیشوائی فوج کا راستہ روکنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اور جس نے ان کا کچھ مقابلہ کرنے کی بجائے الٹا انہیں استہ دے دیا تھا۔

نوجوان جیاجی راؤ اپنی ناتجربہ کاری کے باعث جہاندیدہ زمانہ شناس اور خود غرض دنکر راؤ کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بن رہے تھے۔ اس لئے اسی کے اشارے پر ناچتے تھے اور دنکر راؤ کی یہ دلی خواہش تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے۔ باغی فوجوں سے اس وقت تک کھلی ٹکر نہ لی جائے۔ جب تک کہ انگریزی امداد کے قریب ہی پہنچ جانے کی کوئی یقینی خبر نہ مل جائے۔ اس لئے دنکر راؤ باغی فوجوں کے مرار چھاؤنی کے آس پاس آ پہونچنے سے کچھ بہت زیادہ نہ گھبرایا۔ بلکہ اندر ہی اندر اپنی طاقت مضبوط کرنے لگا۔ مگر پھر بھی اس نے اپنی اس ٹالمٹول کی حکمت عملی سے ریاست کے باغی سرداروں یا ان دوسرے بن بلائے مہمانوں یعنی راؤ صاحب اور ان کے ساتھیوں پہ کسی طرح بھی یہ ظاہر نہ ہونے دیا۔ کہ مہاراج جیاجی راؤ یا دوسرے الفاظ میں خود اس کا کیا ارادہ ہے؟ وہ پیشوا سے برسر جنگ ہیں۔ یا ان کے مددگار!

مگر نافہم جیاجی راؤ کی عجلت پسندی اور ایک غلط چال نے۔ دنکر راؤ کی ساری چالبازی پر کچھ عرصے کے لئے پانی پھیر دیا۔ جس سے باغی سرداروں کا پلّہ ایک مرتبہ اتنا بھاری ہوگیا۔ کہ جیاجی راؤ کا راج بھی خطرے میں پڑ گیا لیکن ؎

تیرہ بختی نے بگڑتوں کو سنبھلنے نہ دیا
بات جو بننے لگی اس کو بھی بننے نہ دیا

(۲۹)

حیرت خیز معرکہ

قلعہ گوالیار پر پیشواجی کی چڑھائی اور مرار چھاؤنی تک ان کے آ پہنچنے کی خبر۔ جب قلعہ گوالیار میں پہونچی۔ تو جو سردار تانتیا جی کے ہم خیال تھے اور ان کی ماتحت فوجیں تو خوشی سے پھولی نہ سمائیں۔ اور قلعے میں ان کے پرتپاک سواگت کے لئے کھلی تیاریاں کرنے لگیں۔ مگر ان کی یہ سب تیاریاں دیکھ کر۔ راجہ جیاجی راؤ اور ان کے انگریز بھکت دیوان ڈنکر راؤ رگھوناتھ راجواڑے بڑے چکر میں پڑ گئے۔ پھر بھی چالباز راجواڑے نے اپنی چالبازی سے کام لے کر اپنا اصلی منشا ان باغی سرداروں پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے۔ ان کی ان تیاریوں میں بظاہر کسی طرح حارج نہ ہوا۔ صرف اندرونی طور پر اس نے۔ اپنے سب وفادار سرداروں اور ان کی ماتحت فوجوں کی۔ قلعے کے سب اہم مقامات اور دروازوں پر۔ نوکریاں بول کر یہ انتظام مکمل کرلیا۔

کہ قلعے کا کوئی باغی افسر یا ان کے ماتحت سپاہی۔ کسی طرح بھی قلعے سے باہر جا کر پیشوائی فوج میں شامل نہ ہو سکیں اور اس کی طاقت نہ بڑھا سکیں۔ دوسری طرف قلعے سے باہر ان کی جو وفادار فوجیں تھیں۔ انہیں اس نے بالا ہی بالا پیشوا کا راستہ روکنے کے لئے مرار کی طرف روانہ کر دیا۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی سخت تاکید کر دی کہ وہ پیشوائی فوج پر خود حملہ نہ کریں۔ بلکہ اس کے لئے نہایت صبر و استقلال سے انگریزی فوجوں کی آمد آمد کا انتظار کرتے رہیں۔

اس کے برعکس عجلت پسند نوجوان جیاجی راؤ۔ باغی فوجوں کے مرار چھاؤنی کے قریب پہونچنے کی خبر سُن کر پہلے تو گھبرا گئے۔ مگر بعد میں انگریز پرستی کے جوش میں بھر کر فوراً ہی باغیوں کا مقابلہ کر کے۔ ان کی سرکوبی کے لئے کمر کسنے لگے۔ اس وقت تو دنکر راؤ نے انہیں سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔ مگر اگلے روز یعنی یکم جون ۱۸۵۸ء کو۔ جب دیوان دنکر راؤ دوسرے چند ضروری انتظامات میں معروف ہو گئے تو راجہ بہادر اپنے اس ابھرے اور ابلتے ہوئے جوش بہادری کو نہ سنبھال سکے۔ اور فوراً اپنی خاص ۸ ہزار پیدل اور بارہ سو سوار فوج۔ نیز گھاٹی کے محافظ جوانوں کے دستے اور بلیں بڑی بڑی توپوں کو ساتھ لے کر باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور مرار چھاؤنی سے پورب کی طرف کوئی دو میل کے فاصلے پر۔ واقع گاؤں بہادر پور میں باغیوں کا کھلم کھلا مقابلہ کرنے کے لئے جا ڈٹے۔ کیونکہ راجہ صاحب کو اپنے توپخانے پر بڑا ناز تھا۔ جس نے کسی زمانے میں جان بیرد اور جان سٹیں نامی فرانسیسی گولنداذوں کی شرکت سے خاص شہرت حاصل کر لی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد راجہ صاحب نے اور بھی آگے بڑھ کر۔ اپنے توپخانے سے پیشوا جی کی فوج پر گولہ باری شروع کر دی۔ بھولے پیشوا پہلے تو گولہ باری کی

آواز سن کر اپنے خیال خام میں یہی سمجھتے رہے کہ راجہ جیاجی راؤ ہماری پیشوائی کے لئے پدھارے ہیں اور اسی تقریب میں خالی توپیں چلا چلا کر ہمیں سلامی دے رہے ہیں۔ لیکن جب اُنہوں نے اپنے سپاہیوں کو ان گولوں کی اچانک مار سے زخمی ہوتے اور اِدھر اُدھر بھاگتے دیکھا۔ تب تو ان کی آنکھیں کھلیں۔ اور اُنہوں نے بھی دُشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی فوجوں کو حکم دیدیا۔

لیکن بالکل بے تیاری اور غفلت کی حالت میں۔ علی الصباح اچانک ہی جس فوج پر دُشمن کی توپوں کی گولہ باری شروع ہو جائے۔ وہ چاہے کیسی بھی۔ جانباز اور بہادر کیوں نہ ہو۔ میدان جنگ میں اس کے قدم جمنا کوئی ہنسی کھیل نہیں۔ اس لئے اس ابتری اور بدانتظامی میں ان کی فوج نے سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگنا شروع کر دیا۔

ویرتانتیا ٹوپی جیسے تو فرط حیرت سے آنکھیں پھاڑے۔ مُنہ پھیلائے بدحواس سے۔ اپنی فوج کی اس بھگدڑ کے نظارے کو دیکھتے رہتے۔ لیکن پھر جلدی ہی سنبھل کر اپنی ان فوجوں کو جو ابھی تک دُشمن کی توپوں کی زد سے باہر تھیں۔ مناسب ترتیب دینے اور وہاں کسی قدر دُور اور دُور لے جانے کی کوشش کرنے لگے تاکہ زیادہ محفوظ جگہ پہنچ کر ان کے ہوش کچھ ٹھکانے آسکیں اور وہ بے روک ٹوک آگے بڑھتے آتے ہوئے دُشمنوں کو ترکی بہ ترکی جواب دے سکیں۔

صرف شیر دل فرض شناس مہارانی لکشمی بائی جی اس اچانک اور زبردست حملے کے وقت بھی۔ اور سرداروں کی مانند غافل اور لاپرواہ نہ تھیں۔ اس لئے وہ اس حملے سے بالکل بھی نہ گھبرائیں بلکہ فوراً ہی اپنے ڈھائی تین سو معتمد اور تجربہ کار جوانوں کے چھوٹے سے دستے کو ہی ساتھ لئے۔ بھوکی شیرنی

کی مانند دشمن کی فوج پر لوٹ پڑیں۔ اور کسی کے بھی مرنے جینے کی کچھ پرواہ نہ کرتی ہوئی شمشیر بکف سیدھی گوالیار نریش کے زبردست توپ خانے کی طرف بڑھنے لگیں۔ ان کے دستے کی جانبازانہ جرأت اور دلیری نے۔ وہ سہمے سراسیمہ اور پریشان باغی افسروں اور ان کی فوجوں کے دلوں میں بھی ایک نیا جوش اور غیر معمولی ولولہ پیدا کر دیا۔ ویرتانتیا ٹوپی نے بھی اپنے نوجوانوں کو حوصلہ دلا کر اسی طرف بڑھایا۔ اور راؤ صاحب وغیرہ بھی اپنے دستوں کو بھاگنے سے روکنے میں کچھ کچھ کامیاب ہو گئے۔

بس پھر کیا تھا؟ دم کے دم میں لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ اور الٹا یہ کہ گوالیار کی حملہ آور فوج کے قدم جمنے مشکل ہو گئے اور اس کے ہر ایک جوان نے بھاگ کر اپنی جان بچانا ہی غنیمت سمجھا۔

اپنی فوج کو اس طرح میدان جنگ سے بھاگتے ہوئے دیکھ کر۔ نوجوان راجہ گوالیار کے جوش کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اور انہوں نے اپنی انگریز پرستی کی دھن یا یوں کہو کہ جوش جوانی سے سرمست ہو کر۔ اپنی جان کو ہر ایک خطرے میں جھونکتے ہوئے اپنے بہادر جوانوں کو آگے بڑھانا شروع کیا۔ انہیں اپنے کھائی والے دستے کی مردانگی پر خاص بھروسہ تھا۔ لیکن جب وہ بھی مہارانی لکشمی بائی اور ویرتانتیا جی کے سورما سپاہیوں کے سامنے نہ ڈٹ سکا تو راجہ صاحب کے لئے بھی میدان جنگ میں ٹھیرنا مشکل ہو گیا۔ اور انہوں نے اپنی بچی کچی فوج کے ساتھ سیدھا دھولپور کا رستہ لیا۔ مہارانی لکشمی بائی کے جوانوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا۔ اور جو بھی ان کے سامنے آگیا۔ اسے ہی تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

راجہ جیاجی راؤ کے اس طرح میدان سے بھاگ نکلنے پر پیشوائی فوج

کے لیئے قلعہ گوالیار کی طرف بڑھنا کچھ بھی مشکل نہ رہا۔ ادھر قلعے پر دیر تانتیاجی کے ہم خیال و ہمراتے سرداروں اور سپاہیوں نے۔ پہلے ہی اپنا قبضہ جما کر۔ ان کے سواگت کے لئے۔ چھترپتی شواجی مہاراج کا مشہور تاریخی بھگوان جھنڈا قلعے پر لہرا دیا تھا۔ کیونکہ پیشوائی فوج کا جھنڈا بھی اس وقت وہی تھا۔ قلعے کی قابض فوج نے فتح مند پیشوائی فوجوں کی آمد آمد کی خوشی میں قلعے کے سب دروازے کھول دیئے۔ اور دلی گرمجوشی اور مسرت سے ان کا استقبال کیا۔

---

(۳۰)

رنگ رلیاں اور انکا حسرتناک انجام

قلعہ گوالیار پر ایسی آسانی سے قبضہ ہو جانے کے بعد راؤ صاحب کے حالی موالیوں نے۔ آپس میں ہی یہ فیصلہ کر لیا۔ کہ راجہ جیاجی راؤ گدی تو خالی کر ہی گئے ہیں۔ بس اب لگے ہاتھ پیشواجی کو گوالیار کی راج گدی پر بٹھا دیا جائے! یہی ایک ایسا غلط اور مہلک قدم تھا۔ جس نے ان کی اس شاندار اور غیر متوقع کامیابی کو جلدی ہی ناکامیابی میں تبدیل کر دیا۔ کیونکہ ان کی اس کوتہ اندیشانہ حرکت سے گوالیار راج کے قدیم خیراندیش۔ جو محض راجہ جیاجی راؤ کی انگریز پرستی کے باعث ان کے خلاف ہو گئے تھے۔ سبھی چوکنے ہو گئے۔ اور ان سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس لئے سب کے سب یہ سوچ کر پیشوا اور ان کے ساتھیوں کے خلاف ہو گئے کہ گوالیار راج کی آزادی کے

بارے میں ان سب نے جو بلند بانگ دعوے کئے تھے۔ وہ سب محض ڈھونگ ہی تھے۔ ورنہ ان کا ارادہ شروع سے ہی سوائے اس کے اور کچھ بھی نہ ہوگا کہ ہمیں اس طرح اپنے جال میں پھنسا کر گوالیار کے راج سنگھاسن اور ہماری ریاست کے پشت ہا پشت سے جمع ہوئے خزانے پر قبضہ کر لیا جائے۔

اس پہ طرّہ یہ کہ راؤ صاحب اور ان کے حاشیہ نشین یہ حماقت بھی کر بیٹھے کہ انہوں نے ۳ر جون ۱۸۵۸ء کو گوالیار کے پھول باغ میں ایک فوجی دربار کرکے اس میں راؤ صاحب کو بطور پیشوا۔ گوالیار کے راج سنگھاسن پر بٹھادیا۔ اور اس کے بعد پیشواجی نے اپنے انہیں یار غاروں کے مشورے سے۔

حلوائی کی دوکان اور دادا جی کی فاتحہ

کے مصداق گوالیار کے خزانے سے اپنے دوستوں میں خوب جی کھول کر انعام و اکرام بانٹنے شروع کر دیئے نیز انہیں ہی ریاست کے مختلف ذمہ داریوں کے عہدوں پر متمکن کرکے ریاست کے قدیم خیراندیشوں کو تقریباً بالکل ہی نظرانداز کر دیا۔ اس لئے ان کی ناراضگی قدرتی تھی۔ اگر انہیں بھی آندھی کے ان بیڑوں کی لوٹ میں کچھ حصہ مل جاتا۔ تو شاید انہیں بھی ان کی اس حرکت کی کچھ پرواہ نہ ہوتی۔ مگر یہ سب انہیں بالکل ہی بھول گئے۔

تانتیا جی تو خیر سیناپتی تھے ہی راؤ صاحب نے رام راؤ گوونڈ نامی ایک باغی مہاراشٹر سردار کو ہی اپنا منتری بنا لیا۔ اور چھترپتی شواجی مہاراج کے قائم کردہ قدیم رواج کی پیروی میں اپنا پردھان منڈل (ایوان ریاست) قائم کرکے سب کو بیش بہا خلعت عطا فرمائے۔ مگر ان میں بھی ریاست کے پرانے خادموں کو کچھ زیادہ جگہ نہیں دی۔

کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر پیشوا جی کے اس انعام اکرام میں خزانہ گوالیار

کا بیس لاکھ روپیہ اُڑ گیا۔

اس پر بھی غضب یہ کیا۔ کہ آیندہ کی طرف سے بالکل ہی بے فکر ہو کر سب عیش و عشرت میں ڈوب گئے۔ اور خوب من مانی رنگ رلیاں منانے لگے کسی نے بھی خیال نہ کیا کہ راجہ جیاجی راؤ اپنے تخت و تاج سے اس طرح محروم ہو کر اس وقت تک آرام سے بیٹھنے والے نہیں۔ جب تک کہ اپنے انگریز دوستوں اور حمائیتوں کی کی مدد سے پھر اپنا چھینا ہوا راج ان سے واپس نہ لے لیں۔

ان کی اس غفلت اور لاپروائی سے تنگ آکر ایک دن دُور اندیش اور معاملہ فہم مہارانی لکشمی بائی جی نے راؤ صاحب کو جا کر سمجھایا بھی۔ کہ "تم اپنی اس معمولی سی کامیابی پر ہی اتنا پھول کر رنگ رلیوں میں ایسے کیوں ڈوب گئے کہ اپنے زخم خوردہ دشمن اور اس کے زبردست حمائیتیوں کو بالکل ہی بھول گئے؟ کبھی یہی سوچا ہوتا۔ کہ جس دشمن سے ہم نے یہ سب تخت و تاج چھینا ہے۔ وہ کبھی آرام سے بیٹھنے والا نہیں! پھر انگریزوں جیسے فتح مند اور زبردست حمائتی کے ہوتے ہوئے! جو ایک بار ہی نہیں۔ بلکہ کئی کئی بار ہمیں مار مار کر میدان جنگ سے بھگا چکے ہیں۔ اب بھی نہ جانیں وہ سب اچانک ہی ہماری چھاتی پر آ چڑھیں؟ اس وقت افراتفری میں تم ان کا مقابلہ کیسے کرسکو گے؟ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اب بھی کچھ سنبھل جاؤ۔ اور اپنے مورچوں کو مضبوط کرتے اپنے سامان جنگ اور فوجوں کو۔ جہاں سے اور جیسے بھی ہو سکے۔ بڑھانے اور رسد وغیرہ اکٹھا کرنے کی طرف اپنی سب توجہ لگادو! تاکہ وقت آپڑنے پر کچھ دیر تو ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرسکو! اور چار دن بعد ہی تمہیں اپنا یہ نیا جمایا ہوا تخت و تاج چھوڑ چھاڑ کر بھاگنا نہ پڑے۔ یاد رکھو! اگر ایشور نہ کرے۔ تمہاری اس نااہلی اور غیر دوراندیشی کے باعث۔ یہاں سے بھی بھاگنا پڑا! پھر کہیں سر چھپانے

کو بھی جگہ نہ ملے گی"

مہارانی جی کی اس پریم بھری میٹھی جھاڑ سے راؤ صاحب شرما ئے تو بہت لیکن ان پر اس کا کچھ زیادہ اثر نہیں پڑا۔ اس کے بعد مہارانی جی نے راؤ صاحب کے مشیروں اور صلاح کاروں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ "یہ وقت رنگ رلیاں منانے اور آرام کرنے کا نہیں کیونکہ ہارے ہوئے دشمن کے اپنے حمایتی انگریزوں کی مدد سے ہم پر پھر حملہ کر دینے کا خطرہ ہر وقت ہی سر پر موجود ہے۔ اس لئے تمہیں اپنی سب کوششیں۔ سامانِ جنگ اور سامان رسد جمع کرنے۔ نیز گوالیار کی بددل فوجوں اور ان کے سرداروں کو خاطر خواہ انعام و اکرام دے کر خوش کرنے اور اپنا وفادار بنائے رکھنے میں لگا دینی چاہیئں۔ تاکہ وہ وقت پر دشمن کی باتوں کے جال میں نہ پھنس کر تمہیں دھوکا نہ دے جائیں۔ اس لئے ان سب خطروں کی پیش بندی پہلے ہی کر لینا نہایت ضروری ہے"

مگر بدقسمتی سے ان سب کے سر پر اس آسانی سے حاصل ہوئی فتح کی بدمستی کچھ اتنی سوار ہو چکی تھی۔ کہ انہوں نے مہارانی جی کی اس دُور اندیشانہ اور مشفقانہ نصیحت کو۔ اپنے ناچ رنگ اور شراب کباب کے جلسوں میں کچھ بہت زیادہ مخل نہ ہونے دیا۔ آخر ان کی اس کوتہ اندیشی اور غلط کاری کا انجام وہی ہؤا جو قدرتاً ہونا ہی چاہیئے تھا۔

یعنی گوالیار جیسے سنگین قلعے پر اچانک ہی باغیوں کا قبضہ ہو جانے کی خبر پا کر انگریزوں کے کان بھی کھڑے ہو گئے۔ اور فوراً ہی ان کے تار ہر طرف کھڑکنے لگے۔ سر ہیوز روز کو باغیوں کے گوالیار کی طرف رُخ کرنے کی خبر تو پہلے ہی پہونچ چکی تھی۔ اور انہوں نے ولایت کی طرف اپنی روانگی ملتوی کر کے یکم جون کو بمبئی سے ہی کرنل رابرٹس کو بذریعہ تار یہ مشورہ بھیج دیا تھا۔ کہ وہ

فوراً ہی میجر سٹوارٹ کی سرکردگی میں اپنا ایک زبردست توپ خانہ۔ رسالہ اور انگریزی نیز دیسی پیدل سپاہیوں کے چند زبردست دستے گوالیار کی طرف بھیج دیں! لیکن انگریزوں کی یہ مدد پہونچنے سے پہلے ہی جلد باز راجہ جیاجی راؤ نے اپنے دور اندیش دیوان دنکر راؤ کی نصیحت کے خلاف عجلت سے کام لے کر اپنا راج پاٹ ہاتھ سے کھو دیا ورنہ شاید انہیں یہ بڑا دن دیکھنا نصیب ہی نہ ہوتا یہ خبر پانے کے بعد میجر سٹوارٹ نے بھی کچھ اور کارروائی ضروری نہ سمجھی۔ اور وہ کالپی واپس لوٹ گئے۔

۴ جون کو جب کرنل رابرٹسن کے ذریعے سرہیوز روز کو اس غیر متوقع واقعہ کی خبر ملی۔ تو وہ پہلے تو چند منٹ کے لئے تصویرِ حیرت بن کر رہ گئے۔ لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر انہوں نے یہ مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ جب تک قلعہ گوالیار پر ہمارا یا ہمارے ماتحت دوست کا قبضہ نہ ہو جائے گا ہم آرام کرنے کو ئی خیال تک بھی اپنے دل میں نہ آنے دیں گے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ برسات شروع ہو چکی تھی۔ اور شاید اسی لئے پیشوا جی اور ان کے ساتھی بھی۔ دشمنوں کے کسی حملے کی طرف سے بے فکر ہو کر۔ داد عیش دینے میں مصروف ہو گئے تھے۔ ورنہ یہ عین ممکن تھا۔ کہ کم از کم تانتیا ٹوپی جیسے دور اندیش جانباز شخص سے تو یہ غلطی ہرگز سرزد نہ ہوتی۔

خیر جو بھی ہو۔ بلند ہمت سرہیوز نے برسات کی تمام مشکلات کا بھی کچھ خیال نہ کر کے فوراً ہی قلعہ گوالیار پر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ تاکہ پیشوائی حکومت کا یہ نیا پودہ۔ جو ابھی ابھی گوالیار میں جمایا گیا تھا۔ اس دشوار گذار پہاڑی چوٹی پر اپنی جڑیں ایسی مضبوطی سے نہ جمالے کہ پھر ان کا وہاں سے اکھاڑ پھینکنا ہی مشکل ہو جائے۔

چنانچہ انگریز مؤرخ مسٹر میلیسن سر ہیوز روز کے اس دانشمندانہ فیصلے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ " اگر اس موقع پر گوالیار کو باغیوں کے ہاتھوں سے فوراً ہی چھین لینے میں اس تیزی اور پھرتی سے کام نہ لیا جاتا۔ تو اس کے دور رس اور تباہ کن نتائج کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگاسکنا۔ ہر شخص کی طاقت سے باہر تھا۔ کیونکہ تانتیا ٹوپی اس قلعے کی فوجی اور سیاسی اہمیت سے خوب اچھی طرح واقف تھا۔ اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کے ساتھ مالی اور انسانی امداد حاصل کرنے کے اتنے وسیع ذرائع وابستہ ہیں کہ اگر اسے ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا ذرا سا بھی موقع مل جاتا۔ تو جنگ کالپی میں شکست کھا کر منتشر ہوئی اپنی باغی فوجوں کو پھر اس مرکز پر جمع کرلیتا۔ اور اس کی مدد سے مہاراشٹر ہی نہیں۔ بلکہ ہندوستان بھر میں۔ پھر ایک زبردست بغاوت کی آگ مشتعل کردیتا۔ اس کے لئے کچھ بھی مشکل کام نہ ہوتا۔ اگر وہ یہ نہ بھی کرتا۔ تو بھی یہ عین ممکن تھا کہ وہ اپنی خلقی چالاکی سے کام لے کر دکنی مہاراشٹریں تو ضرور ہی پیشوائی جھنڈا بلند کردیتا۔ اور اس طرح ہمارے لئے ایک نئی مصیبت کا باعث بن جاتا۔"

لیکن شاید قدرت کو ہی یہ منظور نہ تھا۔ ورنہ مہارانی جھانسی کے بار بار جیتا دنی دیتے پر بھی تانتیا ویرجیسا فرض شناس اور معاملہ فہم سورما ایسی فاش غلطی کا ارتکاب کیسے کرسکتا تھا؟ اور اپنے ساتھیوں کو ان کی حماقتوں سے باز رکھنے کی بجائے خود ہی ان میں کیسے پھنس جاتا؟

غرضیکہ سر ہیوز روز نے فوراً ہی گورنر جنرل لارڈ کیننگ کو اپنے اس فیصلے کی اطلاع دیکر۔ اپنے تمام لاؤ لشکر سمیت گوالیار کی طرف دھاوا بول دیا۔ کیونکہ وہ یہ اچھی طرح جان چکے تھے کہ باغی فوجوں کی تعداد خواہ کتنی بھی زیادہ کیوں نہ ہو۔ ان میں نظام اور ڈسپلن کی ہمیشہ ہی ایک ایسی زبردست کمی

رہتی ہے۔ جس کے باعث ان کی تعدادی کثرت بھی انہیں کبھی کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتی۔ بلکہ اُلٹی نقصان دہ ہی ثابت ہو جاتی ہے۔ اس لئے اُنہوں نے ریاست گوالیار کی حدود تک پہنچنے سے پہلے ہی اپنی فوج کو آٹھ حصوں میں تقسیم کرکے انہیں نہایت ہوشیار اور تجربہ کار فوجی افسروں کی ماتحتی میں دے کر ادھر اُدھر پھیلا دیا اور خود ۶ر جون کو۔ اسی مرار چھاؤنی کے میدان جنگ کا رُخ کیا۔ جہاں سے جلد بازنو جوان راجہ جیاجی راؤ نے شکست کھا کر دھولپور کی طرف راہ فرار لی تھی۔ برابر دس دن تک کوچ در کوچ کرکے وہ ۱۶ر جون کو اسی بہادر پور گاؤں میں جا پہونچے۔ جہاں سے راجہ جیاجی راؤ نے۔ اس سے پہلے پیشوائی فوجوں پر حملہ کیا تھا۔

مہارانی لکشمی بائی جی کے بر وقت ہوشیار و بیدار کردینے کے قریباً فوراً بعد سے ہی تانتیا جی کو ان کے جاسوسوں نے بھی انگریزی فوجوں کی ہلچل سے وقت وقت پر خبردار کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے بھی مرار چھاؤنی میں انگریزی فوجوں کا خوب خوب سواگت کرنے کا۔ پورا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ اس انتظام کو دیکھ کر پہلے تو سر ہیوز روز بڑے چکرائے۔ لیکن آخر انہیں اپنی انگریزی حکومت کا وہی گورو منتر یاد آگیا یعنی" پھوٹ پھیلاؤ اور حکومت کرو"

اسی جادو سے کام لینے کا فیصلہ کرکے اُنہوں نے فوراً ہی ریاست گوالیار کی پرجا اور فوج کے نام۔ جو ان پچھلے چند روز میں ہی پیشوا جی اور ان کے غلط کار ساتھیوں کی بدعملی اور غیر دور اندیشی کے باعث ان سے بہت کچھ بدظن ہو چکی تھی۔ یہ اعلان جاری کر دیا کہ "انگریزی فوجیں گوالیار کے قدیم راجہ جیاجی راؤ سیندھیا کے تخت و تاج کو غاصب پیشوا اور ان کے باغی ساتھیوں کے قبضہ سے آزاد کرکے پھر سیندھیا جی کو ان کے راج سنگھاسن پر براجمان کرانے

کے لئے آپہونچی ہیں۔ اس لئے گوالیار راج کی راج بھگت پرجا اور سینا کو اپنے دل میں کسی طرح کا کوئی بھی شک وشبہ یا خوف و خطر نہ لاکر۔ ہر طرح انگریزی فوج کی مدد کرنی چاہیئے۔ تاکہ سیندھیا راج جیاجی راؤ۔ پھر اپنے بزرگوں کا تخت وتاج پاکر پہلے کی مانند سُکھ سے پرجا پالن کرسکیں۔ اور پرجا بھی ان کی چھتر چھایہ میں آرام پاسکے۔"

سرہیوز روز کے اس اعلان کا گوالیار راجیہ کی بھولی پرجا اور بددل فوج پر خاطر خواہ اثر پڑا۔ کیونکہ یہ تو اُنہوں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ کہ راجہ جیاجی راؤ کے میدان جنگ سے بھاگتے ہی اور قلعہ گوالیار میں داخل ہوتے ہی۔ پیشوا اور اس کے ساتھیوں نے سب سے پہلا کام جو کیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ ریاست کے قدیم خیر اندیش اور راج بھگت سرداروں اور پرجا کے شرومنی نیتاؤں سے کوئی برائے نام صلاح ومشورہ بھی نہ لے کر۔ بلکہ ان کی ہستی کو بالکل ہی نظرانداز کرکے۔ راؤ صاحب پیشوا کو گوالیار کے راج سنگھاسن پر سشوبھا مان کردیا تھا۔ ادھر راؤ صاحب نے بھی اپنی بےعقلی اور چھچھورے پن سے۔ راج گدی پر بیٹھتے ہی "اندھا بانٹے ریوڑیاں اور اپنوں ہی کو دے" کے مصداق۔ ریاست گوالیار کے قدیمی خزانے کو لوٹ کا مال سمجھ کر۔ اپنے حوالی موالیوں میں جی کھول کر۔ انعام واکرام کی صورت میں بانٹنا شروع کردیا تھا۔ اور اپنے ان خیراندیشوں کی طرف کچھ بھی توجہ نہ کی تھی۔ جنہوں نے ان کی آمد آمد کی خبر سنتے ہی قلعے کے سب دروازے ان کے سواگت کے لئے کھول دئے تھے اور اپنے اپنے گھروں میں گھی کے چراغ جلا کر دیپ مالا کی تھی۔

اس اعلان کے تقریباً فوراً ہی بعد سرہیوز روز اور ان کی فوجوں نے مُرار چھاؤنی پر ایک دم ہر طرف سے حملہ کردیا۔ پیشوائی فوج تو پچھلے آٹھ دس دن

کی غفلت اور آرام و آسائش سے ایک بڑی حد تک ناکارہ اور آرام پسند ہو ہی چکی تھی۔ وہ بھلا اس چو طرفہ مار کو کس طرح جھیلتی؟ پھر اس صورت میں جبکہ ریاست گوالیار کی فوج جسے وہ اپنی مددگار سمجھے بیٹھے تھے پہلے سے ہی بد دل ہوئی ہر طرح ان کا حوصلہ پست کر رہی ہو۔

پیشوائی طرف اگرچہ گوالیاری فوج۔ نواب باندہ کے سورما دستوں۔ احمد صاحب جی کے بہادر روہیلوں اور پٹھانوں وغیرہ کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی۔ مگر ان کے سرداروں کی دو ہفتے کی غیر دانشمندانہ غفلت شعاریوں نے ان کے سب بنے بنائے کام بگاڑ دیئے تھے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے دو گھنٹے سے زیادہ انگریزی فوجوں کے ساتھ وہ لوہے سے لوہا بجایا اور ان کا وہ ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ سب کے چھکے چھڑا دیئے! لیکن آخر تابہ کے؟ جب تازہ دم انگریزی فوجیں ادھر ادھر سے آ آ کر ان میں شامل ہونے لگیں اور ان کے حوصلے بڑھاتی گئیں تو ان کے پیر اکھڑ گئے۔ کیونکہ گوالیاری فوج کی بد دلی بھی ان کی حوصلہ شکنی کے لئے کچھ کم نہ تھی

کہا جاتا ہے کہ مہارانی جھانسی مرار چھاؤنی کے اس معرکے میں شریک نہ تھیں۔ ورنہ شاید پیشوائی فوج کا یہ حشر نہ ہوتا۔ اور اسی میدان کی پچھلی لڑائی کی مانند اس لڑائی میں بھی وہ اپنی جرأت و جانبازی سے ایک نئی زندگی پھونک کر۔ میدان جنگ کا نقشہ ہی پلٹ دینے میں کامیاب ہو جاتیں۔ اگرچہ جس وقت پیشوا جی مرار کی حفاظت کے لئے گوالیار سے چلے۔ اس وقت وہ قلعہ گوالیار میں ہی تھیں۔ لیکن راؤ صاحب اور ان کے مصلاح کاروں کی غفلت شعاری اور ناعاقبت اندیشی کے باعث ان سے کچھ ناراض ہو کر انہوں نے ان کے سب کاموں میں اپنی دلچسپی کم کر دی تھی۔ اور مرار چھاؤنی

کی حفاظتی مہم کی روانگی کے وقت تو راؤ صاحب وغیرہ کو شاید اتنی فرصت ہی نہ ملی کہ وہ مہارانی جی کو مناکر اپنے ساتھ میدان جنگ میں لے جانے کے لئے کچھ اصرار کرسکتے۔ ممکن ہے اپنی غلط کاری پر شرما کر ان کی یہ ہمت ہی نہ پڑی ہو۔ یا انہوں نے مہارانی جی کے بغیر ہی یہ مہم فتح کرکے اپنی ندامت مٹانی چاہی ہو۔ حالانکہ وہ اسی میدان میں پچھلی مہم میں۔ راجہ جیاجی کے مقابلے پر یہ اچھی طرح دیکھ چکے تھے کہ صرف مہارانی لکشمی بائی جی کی جانبازانہ جرأت اور دلاوری کی بدولت ہی۔ اس ہاری ہوئی جنگ کا نقشہ بدل گیا تھا۔ اور مہارانی کے سربکف دستے کی حیرت انگیز دلاوری نے ہی بھاگتی ہوئی پیشوائی فوجوں کے دلوں میں پھر ہمت و جرأت پھونک دی تھی۔ کہ وہ ایک دم "رائٹ اباؤٹ ٹرن" ہوکر اور رخ بدل کر بھی اپنا پیچھا کرنے والے دشمن کی فوجوں کے مقابلے میں پھر ڈٹ گئیں۔ اور ایسی ڈٹیں کہ انہیں بھگا کر ہی دم لیا۔ بلکہ دور دور تک ان کا تعاقب کرتی چلی گئیں۔

---

(۱۳)

دیوی! تم دھنیہ ہو!

مرار چھاؤنی کی اس دوسری لڑائی میں منہ کی کھاکر جب راؤ صاحب اور ان کے ساتھیوں کے ہوش ٹھکانے آئے۔ تو انہیں مہارانی لکشمی بائی جی کی خیر اندیشانہ اور مشفقانہ نصیحتوں کی۔ جو اس وقت انہیں نہایت ناخوشگوار محسوس ہوئی تھیں۔ کچھ قدر معلوم ہوئی کیونکہ یہ حقیقت تو ان پر پہلے بھی پوشیدہ

نہ تھی۔ کہ پچھلی لڑائی میں انہیں راجہ جیا جی راؤ کے مقابلے میں جو فتح حاصل ہوئی تھی۔ وہ بھی ان کے اپنے بل بوتے سے نہیں۔ بلکہ مہارانی جی کے دم قدم کی بدولت ہی نصیب ہوئی تھی۔ اسی لیے انہوں نے یہ سوچا کہ آئندہ معرکوں میں اگر کسی طرح کامیابی کا منہ دیکھا جا سکتا ہے؟ تو صرف مہارانی جی کی موجودگی سے ہی۔ ان کی غیر حاضری میں ہرگز نہیں!

اس لئے قلعہ گوالیار میں واپس آ کر سب سے پہلے انہوں نے جو فیصلہ کیا۔ وہ یہ تھا کہ ویر تانتیا ٹوپی کو۔ پھول باغ میں بھیج کر۔ جہاں کہ مہارانی جی مقیم تھیں۔ اپنی پچھلی غلط کاریوں اور غفلت شعاریوں کے لئے اظہار پشیمانی کر کے ان سے اپنی ان غلطیوں کے لئے دست بستہ معافی مانگی جائے۔ اور ملک و قوم کی عزت و آزادی کا واسطہ دے دے کر ان سے یہ درخواست کی جائے۔ کہ وہ آنے والی فیصلہ کن لڑائیوں سے اپنی بے تعلقی کا ہرگز اظہار نہ کریں۔ بلکہ ان میں پہلے کی مانند پوری پوری گرمجوشی سے حصہ لے کر دیش اور جاتی کی بگڑی ہوئی قسمت پھر سدھارنے کی ہر طرح کوشش کریں۔

چنانچہ تانتیا جی بہت ہی کچھ شرماتے لجاتے سے۔ پھول باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ بار بار یہی سوچتے تھے۔ کہ اس شکست کے بعد میں کیا منہ لے کر مہارانی جی کے پاس جاؤں؟ ان کی دیہہ تیج سے بھری ہوئی آنکھوں سے میں اپنی ندامت و پشیمانی بھری آنکھیں کیسے ملا سکوں گا۔ نیز ان کے سامنے کس طرح سلسلۂ گفتگو شروع کرنا مناسب ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ!

یہی سوچتے سوچتے تانتیا ویر پھول باغ میں جا پہنچے۔ اور مہارانی جی کی سیوا میں اپنی حاضری کی اطلاع کرائی۔ مہارانی فوراً ہی بے تکلف۔ ان کے سواگت کے لئے باہر نکل آئیں۔ تانتیا جی نے شرماتے لجاتے۔ سر جھکائے۔ آنکھیں بچائے۔

دونوں ہاتھ جوڑ کر مہارانی جی کو پرنام کیا۔ مہارانی جی نے کمال سنجیدگی اور ہمدردی بھرے لہجے میں ان کے پرنام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "آئیے دیر سیناپتی جی آئیے! جب میں نے یہ سنا کہ آپ سب مرار چھاؤنی کی انگریزوں سے رکشا کرنے کے لیئے چلے گئے ہیں۔ اور مجھے آپ نے اس کی خبر تک بھی نہیں کی۔ میرے من کو جو دکھ پہنچا۔ وہ میں ہی جانتی ہوں۔ پھر جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ آپ سب اس منورتھ میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ تب سے تو میرے دکھ کا کچھ انت ہی نہیں۔ میں رہ رہ کر یہی سوچتی ہوں۔ کہ "ہائے! آپ کے چلے جانے کی خبر سن کر بھی۔ میں آپ کے پیچھے ہی پیچھے اپنا دستہ ساتھ لے کر کیوں نہ رن بھومی کی طرف چل دی؟ شاید میری تازہ دم فوج کی بروقت امداد سے ہی آپ کی تھکی ماندی فوجوں کا حوصلہ بڑھ جاتا۔ اور یہ ہار جیت میں بدل جاتی۔ اُف! اسوقت میں چھوٹے ابھیمان میں بھری۔ یہاں بیٹھی رہ کر میں نے یہ ایک اتنا گھور اور ایسا بھیانک جاتیہ پاپ کر ڈالا ہے۔ جس کا پرائشچت شاید میں اپنے خون کی بوند بوند سے بھی نہ کر سکوں گی! سیناپتی جی! بھگوان ہی جانیں۔ اس وقت یہ دُرمتی میرے سر پر کیسے سوار ہو گئی؟ جو میں نے یہ سمجھ لیا کہ آپ سب جان بوجھ کر۔ اس لئے مجھے نظرانداز کر گئے ہیں۔ کہ شاید میری شرکت اس لڑائی میں آپ کو منظور نہیں؟ اس لئے میں نے یہی سوچا کہ مجھے بھی اپنے آپ کو آپ کی جماعت میں زبردستی ٹھونسنا مناسب نہیں! ہائے! اس وقت میں ابھاگی ہتیاری یہ بھی نہیں سمجھ سکی کہ اگر آپ سب نے مجھے نظرانداز کر ہی دیا تھا۔ تو بھی آپ میرا یہ حق تو مجھ سے کسی طرح بھی نہیں چھین سکتے تھے کہ میں اپنے دیش اور جاتی کی رکشا میں۔ دشمنوں کے ساتھ لڑتے لڑتے ویر گتی پراپت کر جاؤں! کیونکہ اب نہ تو مجھے اپنی جیت کی ہی کچھ اچھا

ہے اور نہ راج پاٹ کی ہی! اگر کوئی خواہش ہے۔ تو صرف یہی۔ کہ میرے دیش اور جاتی کا سر اونچا ہو! یہ سنسار ہیں کسی کے غلام نہ رہیں۔ اور انہیں ہر طرح آزاد اور خوشحال دیکھتی ہوئی میں اپنے پتی دیوکی امانت آپ سجنوں کے سپرد کرکے انت میں ان کے شری چرنوں میں پہنچ جاؤں۔ کسی بھی دیش دروہی یا ودیشی ہتیارے کو میرا یہ شریر چھُو کر اسے اپوتر کرنے کا موقع نصیب نہ ہو"
یہ کہتے کہتے مہارانی لکشمی بائی جی کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اور ان کی آواز بھرّا گئی۔

اب تو دیر تانتیا جی بھی اپنے آنسو نہ روک سکے۔ رومال سے آنکھیں پونچھتے ہوئے بولے "دیوی! تم دھنیہ ہو! تم دھنیہ ہو! ہم ابھاگے پاپیوں نے تمہاری قدر نہیں جانی! اپنے مرد ہونے کے بِرتھا ابھیمان میں بھرے۔ تمہیں اپنا سینا پتی بنانے اور ماننے میں ہم نے اب تک اپنا اپمان سمجھا — جب کبھی آپ نے اپنے دیش پریم اور جاتی سیوا کے پوتر جذبات کے زیر اثر ہمیں کچھ نصیحت بھی کی۔ تو اسے بھی ہم ابھاگوں نے کبھی دھیان سے نہیں سنا۔ ورنہ ہماری یہ درگت ہرگز نہ ہوتی۔ مرار چھاؤنی کی پہلی جنگ میں آپکی جانبازی اور دلاوری کی بدولت فتح یاب ہو کر ہم؟ جھوٹے ابھیمان اور بے بنیاد غرور میں پھنس کر اس بات کو بھول بیٹھے کہ ابھی ایک بڑا بھیانک اور زبردست دشمن ہمارا سر کچلنے کے لئے۔ اور موجود ہے۔ جو موقع پاتے ہی ہمیں مچھر کی طرح مسل ڈالنے میں کبھی دریغ نہیں کرے گا۔ اگر اس وقت اس حقیقت کو بالکل ہی بھول کر۔ ہم اپنی بیوقوفی اور حماقت سے۔ ان رنگ رلیوں میں نہ پھنس جاتے۔ اور آپ کی مربیانہ و مشفقانہ نصیحت کو نظرانداز کرکے آپ کا گھور اپمان نہ کرتے۔ تو اپنے اس مہاپاپ کا یہ پرائشچت بھی ہمیں ہرگز نہ کرنا

پڑتا۔ اور جن دشمنوں کو ہم نے اسی میدان جنگ میں چند روز پہلے مار بھگایا تھا۔ ان سے ہی آج اس طرح ہٹ کر ہمیں اس قلعے میں یوں اپنا سر نہ چھپانا پڑتا۔ دیوی بھگوتی! میں آپ کے چرن چھو کر کہتا ہوں ۔۔۔۔

یہ الفاظ منہ سے نکالتے ہوئے ویرتا تنتیا نے مہارانی جی کے قدم چھونے کی کوشش کی۔ مگر مہارانی نے فوراً پیچھے ہٹ کر کہا "بھائی! بڑے بھائی ہو کر مجھ ابھاگن کے سر پر یہ دوش کیوں چڑھاتے ہو؟ میں تو تمہیں راؤ بھیا اور نانا بھیا سے کسی طرح کم نہیں سمجھتی۔"

تانتیا جی نے اپنا مندرجہ بالا فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا۔۔۔ کہ اسی شرم کے باعث مرار چھاؤنی کی رکھشا کے لئے کوچ کرتے وقت ہم میں سے کسی کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ آپ کو اپنا کلنکت مکھ دکھاتے! آپ وشواس کیجئے کہ اس وقت شرم اور جلدی کے مارے ہم نہ تو آپ کی سیوا میں خود ہی آ سکے اور نہ ہی اس یدھ میں شریک ہونے کے لئے آپ سے پرارتھنا ہی کر سکے۔ ہم نے یہی سوچا کہ وقت پر آپ کی پریم اور ہمت بھری نصیحتوں کو ایسے شرمناک طریق پر نظر انداز کر کے۔ اب ہم کس مکھ سے آپ کو رن بھومی میں چلنے کی تکلیف دیں! ہم اپنی اسی کوبدھی اور دُرمتی کے جال میں پھنسے ہوئے۔ یہ بھی نہ سمجھ سکے۔ کہ آپ تو ساکھشات دُرگا روپ دھارن کر کے ہماری سہایتا کر رہی ہیں۔ آپ کی عدم موجودگی میں بھگوتی رن چنڈی (میدان جنگ کی دیوی) بھی ہم سے کیسے پرسن ہو کر ہمارا ساتھ دے سکتی ہیں؟ چنانچہ وہی ہوا۔ اور آج مجھے شرماتے لجاتے۔ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی شرمناک کرتوتوں پر آنسو بہاتے ہوئے۔ آپ کی سیوا میں یہ پرارتھنا کرنے کے لئے حاضر ہونا پڑا ہے۔ کہ بھگوتی! کرپا کر کے اس آنے والے گھور یدھ میں آپ ہمارا ساتھ نہ چھوڑیں! ہم اپنے

پچھلے پاپوں کا کچھ تو پرائشچت اس پچھلے جنگ میں کر ہی چکے ہیں۔ اور جو کچھ ابھی کرنا باقی ہے۔ اس کی تمام سختی اور بھیانک پن۔ آشا ہے کہ آپ کی کرپا اور سہاینا سے اگر بالکل ہی دور نہیں ہو جائے گا۔ تو کم سے کم بہت ہی کم تو ضرور ہی رہ جائے گا یا کیا میری یہ پرارتھنا سویکار ہو سکیگی؟

یہ الفاظ کہہ کر تانتیا ویر۔ مہارانی جی کے سامنے اس طرح ہاتھ جوڑے اور سر جھکائے کھڑے ہو گئے۔ جیسے کہ ایک سچا بھگت اپنی اپاسیہ (معبود) دیوی کے سامنے کھڑا ہو جایا کرتا ہے۔ یا کوئی ملزم اپنی قسمت کا آخری فیصلہ سننے کے لئے کسی جج کے سامنے کھڑا ہوا کرتا ہے۔

ویر تانتیا کے یہ الفاظ سن کر مہارانی لکشمی بائی جی نے نہایت ہی دکھ بھرے لہجے میں جواب دیا " ویر بھائی! مجھ ابھاگن کو بھی تو اپنے فضول غرور اور گھمنڈ سے پیدا ہوئے اس گھور پاپ کا۔ آپ لوگوں کے ساتھ ہی ساتھ پرائشچت کرنا ہے۔ جس نے کہ اس پچھلے جنگ میں مجھے آپ ویروں کی سہاینا سے لئے۔ آپ کے پیچھے پیچھے جانے سے روکے رکھا۔ سچ پوچھو تو میں آپ کی اس ہار کی تمام تر ذمہ داری اپنے ہی سر پر سمجھتی ہوں۔ اس لئے اگر میں آپ کی اس ویرا آگیا کو۔ اپنے سر ماتھے پر جگہ نہ دوں گی۔ تو اپنے اس دیس دروہ (ملکی بغاوت) اور جاتیہ کرتویہ کی اوہیلنا (قومی فرض سے لاپرواہی) کے گھور پاپ کا پرائشچت کس طرح کر سکوں گی؟ اس لئے تم بے فکر رہو۔ میں آئندہ جنگ میں جی جان سے آپ کے ساتھ رہوں گی۔ اور کسی طرح بھی اس سے پہلو بچانے کی کوشش نہ کروں گی۔

فرض پرست مہارانی لکشمی بائی کے یہ حوصلہ افزا الفاظ سن کر ویر تانتیا جی کی زبان سے بےساختہ " مہارانی لکشمی بائی کی جے " کا نعرہ نکل پڑا اور

وہ "دیوی! تم دھنیہ ہو! دیوی! تم دھنیہ ہو!" کہتے ہوئے خوشی خوشی واپس چلے گئے۔ اور جاتے ہوئے ایک ہوشیار سیناپتی کی حیثیت سے یہ بھی کہہ گئے۔ "تو اچھا! اب اس باغ کی پوربی اور اُتری دشا کی رکشا آپ کے ہی سپرد ہے۔ باقی سب ہم سنبھال لیں گے!"

نانتیا ویر کے جاتے ہی۔ فرض شناس مہارانی نے فوراً اپنی بہادر فوجوں کی تیاری کے لئے رن سنگھا بجوا دیا۔ اور جب سب ویر باقاعدہ طور پر قطار بند ہو گئے۔ تو اپنے مردانہ فوجی لباس میں ان کے سامنے پہونچ کر باقاعدہ سب کی سلامی لی۔ اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا "ویر یودھاؤ! آپ سب شاید حیران ہوں۔ اور ممکن ہے کہ اس بات کے لئے میری طرح دُکھی بھی ہوں کہ آپ کو مرار چھاؤنی کی پچھلی لڑائی میں حصہ لینے کا موقع کیوں نہیں دیا گیا؟ مجھے خود اس کا صرف دُکھ ہی نہیں۔ بلکہ افسوس بھی ہے۔ میں اپنی اس بھول نہیں! نہیں!! پاپ پر بہت ہی پچھتاتی ہوں۔ کہ اگر راؤ صاحب اور ان کے ساتھیوں نے۔ اپنی کسی عیر دُور اندیشی یا غلطی کی وجہ سے ہمیں اس لڑائی میں حصہ لینے کے لئے نہیں بُلایا تھا۔ تو مجھے تو اپنے دیش بھگتی اور جاتی سیوا کے پوتر فرض کی ادائیگی سے اتنا لاپرواہ نہ ہو جانا چاہیئے تھا۔ کہ اپنے ویر بھائیوں کو ویش اور جاتی کے دُشمنوں کے ساتھ لوہا لینے کے لئے اکیلا چھوڑ کر ان لوگوں کی سہایتا کے لئے آپ لوگوں سمیت رن بھومی میں ہی نہ پہنچتی اور اس طرح صرف اپنے ویر ساتھیوں کو ہی اپنی اور آپ کی بیفا شکتی سہایتا سے محروم کر دیتی۔ بلکہ آپ سب کو ہی اس لڑائی میں اپنا پورا پورا فرض ادا کرنے کی خوشی سے محروم رکھتی۔ کیونکہ مجھے یہ پورا پورا وشواس ہے کہ اگر آپ سب ویر یودھا اس جنگ میں شریک ہوتے۔ تو ہمارے ساتھیوں کو کبھی یہ ہار نصیب نہ ہوتی اور

جس طرح آپ سب نے اپنی جانبازی اور بہادری سے پہلی لڑائی میں جنگ کا نقشہ بدل کر۔ ہماری ہار کو جیت میں بدل دیا تھا۔ ویسے ہی اس دوسری لڑائی میں بھی ضرور ہوتا۔ اور اگر یہ نہ بھی ہوتا۔ تو کم از کم اس بات کی حسرت تو آپ کے دل میں نہ رہ جاتی! اسی لئے میں نے تو اب اگلی لڑائی میں اپنے اس پاپ کا پورا پورا پرائشچت کرنے کا نشچے کر لیا ہے۔ اور مجھے وشواس ہے کہ آپ بھی اس میں مجھے سب پرکار کی سہایتا دیتے ہوئے۔ اس جنگ آزادی میں اپنی جنگ آزمائی اور جانبازی کے ارمان ہر طرح پورے کر ڈالنے میں ہرگز کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ اور اس جنگ آزادی میں اپنی شہرت اور ناموری کو چار چاند لگانے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔"

ستبیر دل مہارانی جی کی یہ ولولہ انگیز تقریر ختم ہوتے ہی سب سورما یودھاؤں نے "مہارانی لکشمی بائی کی جے"۔ "بھارت ماتا کی جے" اور "ہر ہر مہا دیو" کے جانفزا نعروں سے دھرتی آکاش کو گنجا دیئے۔

اس کے بعد مہارانی جی نے اپنے مختلف دستوں کو مختلف جانباز سرداروں کی ماتحتی میں دے کر۔ سارے پوربی رن کشیتر میں جگہ جگہ ان کی نوکری بول دی۔ اور ان سب کے چلے جانے کے بعد اپنے خاص محافظ دستے کو وہیں منتظر رہنے کا حکم دیکر اپنی قیام گاہ میں پہونچیں۔ وہاں ان کی دونو خاص سیوکائیں کاشی بائی اور سندری بائی۔ جو انہیں کی ہم عمر اور اپنے قد و قامت اور حسن و جمال کے لحاظ سے قریب قریب ان جیسی ہی تھیں۔ بالکل ویسے ہی مردانہ اور سپاہیانہ لباس میں ملبوس ہو کر میدان جنگ میں ان کے پہلو بہ پہلو داد شجاعت دینے کے لئے تیار ہو چکی تھیں۔ اور راجکمار دامودر راؤ۔ کو جن کی عمر اس وقت نو دس برس کے قریب تھی۔ تیار کر رہی تھیں

جب دامودر راؤ بھی تیار ہو گئے۔ تو مہارانی جی نے اپنے خاص معتمد سردار رام چندر راؤ کو بُلا کر۔ دامودر راؤ کو اُن کے اور سندری بائی کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ کہ "سردار جی! اب میرے پوجیہ پتی دیو کی آخری نشانی اور میری سب سے زیادہ بیش قیمت امانت آپ کے اور بہن سندری کے سپرد ہے۔ آپ ہی رن کشیتر میں ہر طرح اس کی رکشا کیجئے۔ اور یتھا شکتی انہیں میرے قریب ہی رکھئے یا میری نظروں سے کہیں اوجھل نہ ہونے دیجئے یا ساتھ ہی اس کے یہ بھی دھیان رکھئے کہ اگر میں رن بھومی میں ویر گتی کو پراپت ہو جاؤں۔ تو میرے شریر کو۔ کسی بھی دیش دروہی یا ودیشی ہتیارے کا اپوتر ہاتھ نہ لگنے پائے!"

دونوں ہی اگرچہ ہر جنگ کے شروع میں ان کے اسی قسم کے احکام پانے کے کچھ عادی سے ہو رہے تھے۔ مگر پھر بھی ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ دونو نے ادب سے سر جھکا کر مہارانی جی کے اس حکم کو اپنے سر آنکھوں پر جگہ دی۔ اور راجکمار سمیت۔ مہارانی جی کے پیچھے پیچھے باہر آ کر اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ لکشمی بائی اور سندری بائی کے لباس۔ مہارانی کے لباس سے جیسے بہت کچھ مشابہ تھے۔ ویسے ہی ان کے گھوڑوں کے رنگ اور قد و قامت میں بھی کچھ بہت فرق نہ تھا۔ سندری بائی نے اپنے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی۔ راجکمار دامودر راؤ کو اپنے پیچھے بٹھا کر۔ اپنی کمر سے ویسے ہی مضبوط کس لیا جیسے کہ مہارانی جی باندھا کرتی تھیں۔

مہارانی جی اور کاشی بائی بھی بڑی پھُرتی سے اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر۔ محافظ دستے کے آگے آگے اپنے مختلف مورچوں کی نگرانی کرتی ہوئی۔ ادھر اُدھر پھیرنے اور انگریزی فوج کی آمد آمد کا انتظار کرنے لگیں۔

ادھر ویر تانتیا ٹوپی۔ راؤ صاحب اور ان کے دوسرے بہادر ساتھیوں

نے بھی حتی الوسع پوری پوری ہوشیاری سے اپنے اپنے زیر نگرانی محاذ کے مورچوں کو مضبوط کر کے ان کی مناسب دیکھ بھال شروع کر دی۔ تا کہ کم سے کم اس مرتبہ تو دشمن انہیں غفلت میں ہی نہ آ دباوے۔ اور جب بھی وہ حملہ آور ہو۔ تو یہ بھی پوری گرمجوشی کے ساتھ اس کا سواگت کر سکیں۔ اور اس کے لئے انہیں کچھ بہت دیر تک منتظر بھی نہ رہنا پڑا۔

---

(۲۲)

گوالیار کی معرکہ خیز جنگ

۱۴ جون کو سر ہیوز روز اور کرنل نیپئر نے اپنے لاؤ لشکر سمیت گوالیار کو آگھیرا۔ اس جنگ کے بارے میں لنڈن ٹائمز کے خاص نامہ نگار نے ۳ اگست کو بمبئی سے بھیجے ہوئے اپنے ایک خط میں یہ تحریر کیا ہے:۔

"جب ہم گوالیار کے قریب پہونچے۔ تو ہمیں یہ معلوم ہؤا۔ کہ قلعے کی حفاظت کے لئے کوئی خاص تیاری نہیں کی گئی۔ غالباً اس موقع پر تانتیا ٹوپی نے رانی کے مشورے سے یہ فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ قلعہ بند ہو کر جنگ کرنے کی بجائے۔ اپنی پرانی مرہٹہ یدھ نیتی کے مطابق۔ صرف شہر کے مختلف رستوں کی ہی پوری پوری حفاظت کر کے کھلے میدان میں ہی یہ لڑائی لڑی جائے۔ چنانچہ اندر کی اور سیپری کی طرف کے رستوں اور ان کے اُتر کی طرف کے رستوں کی حفاظت کا ہر طرح اور خاطر خواہ پورا پورا انتظام کر کے مہالنی جی

نے ان کی نگرانی کا کام خود اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور مردانہ فوجی لباس زیب تن کئے۔ اپنے منتخب جانباز دستے کے ساتھ پوری پوری مستعدی اور سرگرمی سے۔ برابر ان تھک طریق پر ادھر اُدھر گھوڑا دوڑاتی ہوئی۔ اس کی نگرانی کرتی ہوئی نظر آنے لگیں "

تانتیا ٹوپے اور راؤ صاحب کی زیر نگرانی جو محاذ تھے ان پر حملہ کرنے کے لئے سر ہیوز روز نے اپنے دوسرے ماتحت افسروں کو بھیج کر۔ مہارانی لکشمی بائی کے محاذ پر حملہ کرنے کے لئے کرنل سمتھ جیسے تجربہ کار اور ماہر جنگ افسر کی نوکری بول دی۔ اور کرنل سمتھ نے بڑے جوش سے مہارانی کی فوج پر ہلہ بول دیا۔

ادھر مہارانی بھی غافل نہ تھیں۔ اُنہوں نے دُشمن فوج کے۔ اپنی خوفناک توپوں کی زد میں آتے ہی ان پر یکایک ایسی زبردست گولہ باری شروع کرا دی کہ ایک بھیانک سیلاب کی مانند۔ اندھا دھند بڑھتی ہوئی انگریزی فوجوں کو ایک قدم بھی آگے بڑھنا محال ہو گیا۔ اور ان چند لمحوں میں ہی ان کی یہ بہادرانہ پیش قدمی پسپائی کی صورت میں تبدیل ہوتی نظر آنے لگی۔

یہ حالت دیکھتے ہی تجربہ کار کرنل سمتھ نے بھی اپنے توپخانے کو آگے بڑھ کر گولے برسانے کا حکم دیا۔ بس پھر کیا تھا؟ دونو طرف سے خوب دنا دن ہونے لگی۔ مگر شیر دل مہارانی اس سے بھی حوصلہ ہارنے والی کب تھیں؟ وہ دُشمن کی گولہ باری کی کچھ بھی پرواہ نہ کرتی ہوئی۔ اپنے جانباز سپاہیوں کو ساتھ لے کر۔ برابر آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئیں۔ اور آخر ہر ہر مہادیو کے نعرے لگاتی دست بدست لڑائی میں دُشمن سے جا بھڑیں۔ کرنل سمتھ اور ان کی زبردست فوج نے مہارانی اور ان کے دستے کی یہ پیش قدمی روکنے کی ہر چند کوشش کی مگر آندھی اور طوفان کے روکنے میں کون کامیاب ہو سکتا ہے؟ مہارانی جی نے جدھر بھی رُخ کیا پرے

کے پرے صاف کر دیئے۔ اور ان کی اس شاندار اور بے مثال جانبازی سے متاثر ہو کر۔ ان کے بہادر جوانوں نے بھی سر بکف ہو کر۔ وہ مارا مار کی۔ کہ دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ مہارانی اپنے جوش دلاوری میں کئی بار دشمنوں کے نرغے میں پھنستی ہوئی دکھائی دیں لیکن ہر مرتبہ ان کے سورما سپاہی اپنی جان پر کھیل کر۔ انہیں صاف نکال لائے۔

اس طرح طرفین کی بہادر فوجیں۔ گھنٹوں ایک دوسرے کے مقابلے میں داد مردانگی دیتی رہیں۔ مگر دونوں پلے برابر ہی تلے رہے بستقل طور پر تو کیا چند لمحے سے زیادہ وقفے کے لئے بھی کوئی۔ پسپا ہوتا ہوا نظر نہ آیا۔ آخر اسی مار دھاڑ میں دن چھپ گیا۔ اور اندھیرا بڑھتے ہوئے دیکھ کر دونوں طرف سے لڑائی بند ہونے کا بگل بج گیا۔

اس روز کی لڑائی میں مہارانی جی کا بہادر گھوڑا زخموں سے ایسا نڈھال ہو گیا۔ کہ اگلے روز کے لئے انہیں راجہ گوالیار کے اصطبل میں سے اپنے اور سندر بائی کے لئے ہم رنگ گھوڑے منتخب کرنے پڑے۔ کیونکہ اس روز کی جنگ میں مہارانی جی کے ساتھ کاشی بائی کی بجائے سندر بائی کی نوکری تھی اور اعلماء کی حفاظت پر کاشی بائی کو چھوڑا گیا تھا۔ کیونکہ مہارانی جی کے ساتھ ان دونو ویر بالاؤں کی نوکری اسی طرح ادلتی بدلتی رہتی تھی۔

اگلے روز یعنی ۱۸ جون کو بھی علی الصباح سے پھر وہی مار دھاڑ کا بازار گرم ہوا۔ اور اسی طرح شیر دل مہارانی اور ان کی جانباز فوجوں نے داد شجاعت دے کر انگریزوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ چنانچہ اس روز کی معرکہ آرائی کے بارے میں انگریزی اخبار" دی نیشنل کارجین" کے ایک انگریز مضمون نگار مسٹر ڈی ایل پی نائک نے ۱۴ دسمبر ۱۸۹۱ء کے پرچے میں لکھا ہے کہ" ایک موقع پر کوٹ کی سرائے

میں رانی کو انگریزی فوجوں نے اچانک ہی گھیر لیا۔ اس وقت وہ اپنے کیمپ میں اپنی بہن کے ساتھ جو ویسی ہی خوبصورت اور بہادر دیوی تھی۔ مردانہ لباس زیب تن کئے۔ شربت پی رہی تھی۔ وہ فوراً ہی اپنے اپنے گھوڑوں پر اچھل کر سوار ہو گئیں اور نہایت مستقل مزاجی سے سرہیوز روز کی فوجوں کا مقابلہ کرنے لگیں۔ اُنہوں نے اپنی فوج کی سرکردگی میں بار بار سرہیوز کی فوج پر نہایت زبردست حملے کئے۔ اگرچہ ہر حملے میں رانی کے سپاہیوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی۔ مگر وہ سب کے آگے ہی آگے نہایت جرأت و جانبازی سے تلوار چلاتی ہوئی نظر آتی تھی۔ آخر سرہیوز کی اونٹ سوار فوج نے رانی کے دستے کی آخری قطار کو بھی منتشر کر دیا۔ مگر رانی اس وقت بھی برابر ڈٹی رہی۔ اور آخر ان کے نرغے سے صاف بچ کر نکل گئی"۔

اس مضمون میں مضمون نگار نے جس دیوی کو مہارانی جی کی بہن لکھا ہے وہ غالباً سُندری بائی ہی ہوگی۔ کیونکہ اور کسی بھی تاریخ سے مہارانی جی کی کسی بہن کی موجودگی کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔

غرضیکہ اس روز کی جنگ میں بھی مہارانی جی انگریزی فوج کا مقابلہ کرتی ہوئی۔ اس کے نرغے سے بار بار بچ کر صاف نکل جاتی رہیں۔ جس سے انگریزوں نے اور بھی جوش میں آ آکر زبردست سے زبردست حملے کئے۔ مگر صرف مہارانی کے محاذ پر ہی نہیں۔ بلکہ دوسرے بھی کسی محاذ پر انگریزی فوجوں کو کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ اور آخر دن چھپ جانے کے باعث طرفین کو آرام کے لئے واپس ہونا پڑا۔ ان دونوں دنوں کی لڑائی میں پیشوائی فوجوں نے دشمن کی فوج کے ساتھ لڑتے ہوئے بھی۔ گوالیاری فوج پر جس کی طرف سے وہ ۔ مرار کی لڑائی کے بعد سے ہی بدظن ہو چکے تھے کچھ ایسی نگرانی رہی ۔ کہ اسے کوئی شرارت یا

بیوفائی کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔

مگر تیسرے دن یعنی ۱۹ ؍ جون کی لڑائی میں آخر گوالیار کی بد دل فوج کا داؤ چل گیا۔

آج مہارانی جی نے صبح سے ہی اپنی تمام دماغی۔ ذہنی اور فوجی قابلیت سے کام لے کر۔ بھگوتی درگا مہامایا کا رُوپ دھارن کر کے بد دل کا سنگھار کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس سے انگریز فوج کے بڑے سے بڑے دھرندر سیناپتی اور ان کے افسر بھی گھبرا اُٹھے۔ اور ان پر فتح پانے کے لئے اپنی تمام گپت سے گپت شکتیوں سے کام لینے کی کوششیں کرنے لگے۔ اس روز مہارانی لکشمی بائی مہیشا مُر مردنی بھگوتی رن چنڈی کا اوتار بنی۔ جس طرف بھی رُخ کر لیتی تھیں۔ اسی طرف ایک کہرام سا مچ جاتا تھا۔ اور ایسا جان پڑنے لگتا تھا۔ گویا آج مہارانی جی نے دشمن کی فوج کے سبھی سُورویر۔ کال کرال کی بھینٹ چڑھا دینے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔

تین دن کی مسلسل سینہ توڑ جنگ کے بعد اگرچہ آج نازک اندام مہارانی جی بیحد تھک گئی تھیں۔ اور ان کا تن نازک۔ جگہ بہ جگہ زخموں کے باعث۔ گلزار بن اُٹھا تھا۔ لیکن ان کے حوصلے و جرأت کا یہ عالم تھا۔ گویا کہ دُشمن کے ہر وار کے ساتھ ان کی ہمت پست ہونے کی بجائے بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ان کی جانباز فوج بھی آج ان کا ساتھ دینے اور قدم قدم پر ان کے پسینے کی جگہ اپنا لہو بہانے میں۔ عملی طور پر اپنا کمال دکھا رہی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا۔ ان کا ہر ایک حملہ۔ جو وہ بجلی کی مانند کڑک کڑک کر دُشمن کی فوج پر کر رہی تھیں۔ ہر پہلے حملے کی نسبت بدرجہا زیادہ تیز و تند ہوتا جا رہا تھا۔ اس لئے آج قدرتاً جنگ کا تمام زور دوسرے ہر محاذ سے کھچ کر اسی طرف آ پڑا تھا۔ جدھر کہ مہارانی لکشمی بائی

اپنی جانبازی کے جوہر دکھا رہی تھیں۔

اس یک رو یہ مارا ماری میں پیشوائی فوج کے افسروں کی وہ نگرانی تھی۔ جو وہ اپنی جنگ کو جاری رکھتے ہوئے تھی۔ گوالیاری فوج کے بددل اور اندرونی طور پر برگشتہ افسروں اور سپاہیوں پر رکھ رہے تھے۔ قدرتاً ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ اس لئے اس بددل فوج کو شرارت اور وشواس گھات کرنے کا آسانی سے ہی پورا پورا موقع مل گیا۔

آج کی لڑائی کے لئے انگریزوں کے بہادر اور ماہر جنگ سیناپتی جنرل سر ہیوز روز نے بھی اپنی تمام فوجی ذہانت اور قابلیت سے ہر طرح کام لے کر پوری تیاری کی تھی۔ انہوں نے اپنی فوج کے ایک زبردست اور منتخب حصّے کو تو۔ وقت ضرورت پر کام میں لانے کیلئے پہلے ہی علیحدہ کر دیا۔ پھر باقی فوج کے ایک بڑے زبردست حصّے کو کرنل ہکس اور میجر ہینیز کی سرکردگی میں اس طرف روانہ کیا جدھر نواب باندہ اور راجہ بان پور اپنے اپنے دستوں کے ساتھ شہر فصیل کی حفاظت کر رہے تھے۔ اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہاں پہونچتے ہی وہ دشمنوں پر ایسا زبردست حملہ کریں۔ کہ ان کے پاؤں نہ جم سکیں اور پھر آہستہ آہستہ مہارانی لکشمی بائی کے محاذ کی طرف بڑھتے چلے آئیں۔

اس کے بعد سر ہیوز روز نے ہر روز کی مانند کرنل سمتھ اور انکے نمبر کرنل ہنیس کو رانی کی فوج سے لوہا لینے کے لئے روانہ کیا۔ مگر ان کی مدد کے لئے میجر ہنس بیلی۔ ڈکس اور ہینز کو بھی ان ہی کے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ بعدازاں خود اپنے خاص معتمد دستوں کے ساتھ ادھر بڑھے جدھر راؤ صاحب پیشوا ویر تانتیا جی تمیت میدان میں ڈٹے ہوئے تھے۔ غرضیکہ اس طرح آج دونوں ہی طرف کے سر برآوردہ افسر اور جانباز سپاہی۔ اپنی اپنی جنگی لیاقت اور قابلیت سے کام لے کر۔

دشمن پر فتح پانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

کرنل سمتھ وغیرہ نے جاتے ہی مہارانی جی پر حملہ بول دیا۔ اور وہ بھی جیسا کہ ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں۔ پورے پورے جوش اور سرگرمی سے ان کے ہر حملے کا ترکی بہ ترکی جواب دیتی تھیں۔ حتیٰ کہ لڑائی کا تمام زور مہارانی جی کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ مہارانی جی کو اس طرح دشمنوں کے نرغے میں پھنستا ہوا دیکھ کر دیر تانتیا ٹوپی نے ہر چند ان تک پہونچنے کی کوشش کی مگر سر ہیوز روز نے اپنے دستوں سمیت فوراً وہاں پہونچ کر ان کی راہ میں ایک مضبوط پہاڑ کی طرح حائل ہو گئے۔

ادھر کرنل سمتھ نے موقع پا کر اپنی انگریزی پلٹن 'ہزارز' کے زبردست دستے کو مہارانی کی فوج کی پشت پر حملہ کرنے کے لئے ادھر بڑھنے کا حکم دیا۔ جدھر گوالیار کی بزدل فوج آہستہ آہستہ پسپا ہوتی نظر آرہی تھی۔ اس دستے نے فوراً ہی ادھر جا کر ایک ایسی محفوظ جگہ تلاش کر لی۔ جہاں سے چھوٹی توپوں کے ذریعے دشمن پر بہ آسانی گولہ باری ہو سکتی تھی۔

اس طرح دو طرفہ مار سے بچنے کے لئے آخر مہارانی جی کو۔ اپنے مورچوں سے نکل کر میدان میں دشمن کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ اور آخر انہوں نے اپنی جانباز فوج کے ساتھ دشمن کی صفوں میں گھس کر وہ کہرام مچایا کہ دشمن دنگ رہ گیا۔

مگر دوسری طرف نواب باندہ اور راجہ بان پور۔ کرنل ہکس اور میجر ہینیر کی زبردست فوجوں کے حملے کی تاب نہ لا سکے۔ ان کے سپاہی کثیر التعداد دشمن کے سامنے پسپائی کے لئے مجبور ہو گئے اور اس طرح آخر کار قلعہ گوالیار بھی پیشوائی فوج کے ہاتھ سے نکل کر۔ آہستہ آہستہ انگریزوں کے قبضے میں آتا گیا۔

(۳۴)

مہارانی کی آخری جدوجہد اور بے گتی

اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کی فوج میں ہر طرف سے گھر کر شیر دل مہارانی اور ان کے جانباز سپاہیوں نے جان سے ہاتھ دھو لئے۔ اور دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے نیز انکی صفوں کو چیر کر اپنا راستہ بنانے کی زبردست کوشش شروع کر دی۔ اور آخر اسی کوشش میں وہ ایک ایک کر کے ختم ہونے لگے۔ آخر بڑی ہی مشکل کے ساتھ مہارانی جی اپنے جاں نثار محافظ دستے کے سردار رام چندر راؤ دیش مکھ اور سردار رگھوناتھ سنگھ نیز سندر بائی اور کاشی بائی اور چند دیگر جانباز ساتھیوں سمیت۔ سینکڑوں دشمنوں کو تلوار کے گھاٹ اُتارتی ہوئی دشمن کے زبردست نرغے سے صاف بچ کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو ہی گئیں

اپنے جال میں پھنسی ہوئی اس غضبناک شیرنی کو۔ ایک مرتبہ پھر اس پھرتی سے نکل بھاگتے ہوئے دیکھ کر۔ انگریز افسروں پر چند لمحے کے لئے نو سکتہ طاری ہو گیا۔ مگر پھر اُنہوں نے جلدی ہی سنبھل کر اپنے بہترین شہ سوار ہزاروں دستے کو اس مختصر سی جماعت کے تعاقب میں روانہ کیا۔ مگر اتنی ہی دیر میں یہ جماعت کہیں سے کہیں جا پہونچی تھی۔

دشمنوں کے نرغے سے نکل کر اس طرح محفوظ ہو جانے پر۔ اور اپنے تعاقب میں کسی دشمن کو نہ پا کر۔ گھنٹوں کی مسلسل اور بے دریغ خونریز جنگ سے تھکی ہوئی مہارانی نے کہیں ٹھیر کر چند منٹ کے لئے آرام کرنا۔ نیز اپنے وفادار

ساتھیوں ۔ جاں نثار گھوڑوں اور ان سے بھی بڑھ کر اپنے عزیز از جان لچھماؔ کو کچھ ناشتہ کرانا نہایت ضروری سمجھا ۔ اس لئے وہ ایک محفوظ جگہ پانی کا قرب دیکھ کر قدرے ٹھہر گئیں ۔ مگر یہ جملیب ابھی کچھ دیر بھی آرام کرنے نہ پائے تھے ۔ کہ ان کا تعاقب کرنے والے انگریز سوار ۔ بو گیر کتوں کی مانند سراغ لگاتے آپہونچے ۔ اور ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنتے ہی اس مفرور قافلے کو فوراً ہی وہاں سے بھاگ جانا پڑا ۔

انگریز سوار بھی برابر ان کے تعاقب میں بڑھتے چلے گئے ۔ ان میں سے ایک سوار نے مہارانی کی سیوکا اور سکھی سندر بائی کو جالیا ۔ اور اس کے قریب پہنچ کر ایک ایسا وار کیا ۔ کہ وہؔ ہائے بہن امری "کہہ کر زمین پر گر پڑی اور پرلوک سدھار گئی ۔ اس کی یہ دین پکار سنتے ہی مہارانی نے فوراً اپنا گھوڑا لوٹا ۔ اور ملک الموت کی مانند اس سوار کے سر پر پہنچ کر ۔ اپنی تلوار آبدار کے ایک ہی وار سے اس کا سر دھڑ سے الگ کر دیا ۔

اس بیچ میں مہارانی جی کے دوسرے ساتھی دور نکل چکے تھے ۔ اور کئی انگریز سوار بھی قریب آپہونچے تھے ۔ انہیں دیکھ کر مہارانی نے فوراً گھوڑے کو ایڑ لگائی ۔ ایک انگریز سوار نے جو بہت ہی قریب آپہونچا تھا ۔ اپنے شکار کو اس طرح ہاتھ سے جاتا دیکھ کر اپنے پستول سے ان پر گولیاں چلانی شروع کر دیں ۔ جن میں سے ایک گولی ان کے پہلو میں سما گئی ۔ مگر انہوں نے اس کی کچھ بھی پرواہ نہ کی اور برابر آگے ہی بڑھتی چلی گئیں ۔

لیکن بدقسمتی سے آگے رستے میں نہر کا ایک رجباہا آگیا ۔ بلند ہمت مہارانی نے ہر چند کوشش کی کہ ان کا گھوڑا اس رجباہے کو کود کر صاف نکل جائے ۔ مگر گوالیاری اصطبل کا گھوڑا بھی ۔ گوالیاری فوج کی نسبت کچھ زیادہ وفادار

ثابت نہ ہؤا ۔ اور جھجک کر وہیں اڑ گیا ۔ اگر مہارانی کا اپنا گھوڑا ۔ جو پہلے ہی دن زخمی ہو چکا تھا ۔ ہوتا ۔ تو وہ اس موقع پہ ہرگز یوں جواب نہ دے جاتا ۔

مگر شاید ویر مہارانی کے ویر جیون کا انت قریب ہی آ چکا تھا ۔ اڑیل گھوڑے کو قابو میں لا کر رجھا ہا کڑانے کی کوشش میں ہی چند انگریز سوار مہارانی کے سر پر جا پہونچے ۔ اس لئے مہارانی جی کو اسی زخمی حالت میں ایک مرتبہ پھر ان کے ساتھ دست بدست لڑائی میں مصروف ہونا پڑا ۔

یورپین مورخوں اور مصنفوں نے مہارانی کی آخری جدوجہد کے بارے میں مختلف باتیں لکھی ہیں ۔ جو زیادہ تر قیاس آرائیاں ہی معلوم ہوتی ہیں ۔ چنانچہ "بغاوت ہند کی تاریخ" کے مصنف کا بیان ہے کہ "کرنل سمتھ بھی ان سواروں میں موجود تھے ۔ انہوں نے 'ہزارز' سواروں کو مفرور جوان پر حملہ کرنے کا حکم دیا ۔ اور ان سواروں نے رانی کے مرتبہ کو نہ جانتے ہوئے انہیں مار گرایا" ۔ مگر دوسری کوئی تاریخ اس کی تصدیق نہیں کرتیں ۔ چنانچہ "برطانوی ہند میں لارڈ ڈلہوزی کا عہد حکومت" کے مصنف نے لکھا ہے کہ "یہ کہا جاتا ہے کہ انگریزی 'ڈریگون' رسالے کے ایک سوار نے رانی کو دشمن کی فوج کا کوئی سوار سمجھ کر ان کے گلے میں پڑے ہوئے ہار کے لوبھ سے انہیں کاٹ ڈالا" بعض مورخوں کا یہ بیان ہے کہ "انگریز سیناپتی سر ہیوز اور گورنر جنرل لارڈ کیننگ مہارانی کی بہادری اور جانبازی سے اتنے متاثر ہو چکے تھے کہ انہوں نے یہ احکام جاری کر دیئے تھے ۔ کہ "رانی کو زندہ ہی گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے ۔ ہلاک ہرگز نہ کیا جائے" ۔ "کلائیڈ اور سٹرہیتھ نیپرن" کا مصنف مہارانی جی کو فرانس کی مشہور دیش بھگت ویرانگنا جون آف آرک سے ۔ جس نے فرانس کی جنگ میں انگریزوں کو شکست دی تھی ۔ اور جسے آخر انگریزوں نے گرفتار کر کے

زندہ جلا دیا۔ مشابہت دیتا ہوا لکھتا ہے کہ "یہ ہندوستانی جون آف ارک لال جیکٹ اور پاجامہ پہنے اور سر پر سفید صافہ باندھے ہوئے تھی۔ اس کے گلے میں گوالیار کے سیندھیا راج کا مشہور موتیوں کا ہار پڑا تھا۔ جو اس نے گوالیار کے خزانے سے حاصل کیا تھا۔ جب وہ مہلک طور پر زخمی ہو کر اپنے خیمے میں پڑی ہوئی تھی۔ تو اس نے یہ حکم دے دیا کہ اس کے زیورات اس کے ساتھیوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ تمام باغی فوج کو اس کی موت سے سخت صدمہ پہنچا۔"

مگر ان سب بیانات میں سے مسٹر مارٹن کا وہ بیان سب سے زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے۔ جو انہوں نے اپنی کتاب "برٹش انڈیا" میں درج کیا ہے اور جس کا لب لباب یہ ہے کہ "کسی بھی انگریز نے انہیں اپنی آنکھوں سے گرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کیونکہ ہزارز رسالے کے جوان۔ جو آخری وقت میں مہارانی جی سے برسرِ جنگ تھے۔ اس وقت گرمی اور تکان سے انتہے بے شدھ اور پریشان ہو رہے تھے۔ کہ وہ اپنے گھوڑوں پر بمشکل سوار تھے۔ اور انہیں اپنی اس فتح اور کامیابی کا بھی پورا پورا علم نہ تھا۔ نہ ان میں کسی مزید جدوجہد کی طاقت ہی باقی تھی۔ اس لئے یُوں ہی کہ انہیں کچھ باموقع امداد ملی۔ وہ جنگ سے الگ ہو گئے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ رانی کے جاں نثار محافظ جسم دستے کے باقیماندہ جواں جن میں سے بہت سے تو جھانسی کے میدان میں ہی کام آچکے تھے۔ رانی اور اس کی بہن کی بیجان لاشوں کے گرد جمع ہو گئے۔ جو مردانہ لباس میں اپنے دشمنوں کے آگے آگے گھوڑوں پر سوار بھاگی جاتی ہوئی۔ کسی گولے کے ٹکڑے سے یا غالباً ہزارز سواروں کے پستولوں کی گولیوں سے زخمی ہو کر ہلاک ہوئی تھیں۔ ان سب جوانوں نے فوراً ہی وہاں ایک چتا بنا کر ان دونو خوبصورت دیویوں کا دہیں ہندو طریق کے مطابق سنسکار کر دیا۔"

مسٹر مارٹن کے اس بیان کی تصدیق کہ مہارانی کو کسی بھی انگریز نے اپنی آنکھوں سے گرتے ہوئے نہیں دیکھا۔" ڈاکٹر سیلوسٹر مصنف "مہم وسط ہند" کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ" رانی کی موت کی خبر درحقیقت ہمیں کئی دن تک معلوم نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ ایک معمولی سوار کے لباس میں ہلاک ہوئی تھیں۔ بلکہ جب یہ رپورٹ ملی۔ تب بھی اس پر بہت کچھ شک وشبہ کیا گیا۔ اور جب تک کہ سر رابرٹ ہملٹن۔ پولیٹیکل ایجنٹ سنٹرل انڈیا کو اس کے ناقابل تردید ثبوت نہ مل گئے۔ تب تک اس پر کسی کو یقین نہ آیا۔"

اس بارے میں ہندوستانی مورخوں نے جو کچھ بھی کم و بیش لکھا ہے۔ وہ مبالغہ آرائی کی ہر ممکن گنجائش سے قطع نظر بہت کچھ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ غالباً اس کی بنیاد ان سنی سنائی باتوں اور روایات پر ہے۔ جو ان چند جانبازوں نے بیان کئے ہوں گے۔ جنہوں نے اس جنگ آزادی میں ذاتی طور پر حصہ لیا تھا۔ اور شاید مہارانی کے کارناموں اور ان کی آخری جانبازانہ جدوجہد اور دیرگتی کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا ہو۔ اس لئے ان کا لب لباب بھی ہدیہ ناظرین ہے۔

مہارانی جس وقت شکاریوں کی مانند تعاقب کرنے والے انگریز سپاہیوں کی نظروں سے ایک خوف زدہ ہرنی کی طرح بھاگتی ہوئی اوجھل ہوگئیں تو اچانک ہی ان کے رستے میں ایک نالا آگیا۔ مہارانی جی نے اپنے گھوڑے سمیت اسے پھاند جانے کی ہر چند کوشش کی۔ مگر وہ اڑیل ٹٹو کچھ ایسا اڑا۔ کہ مہارانی کے لاکھ لاکھ کوشش کرنے پر بھی وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ مہارانی جی کا اپنا وفادار گھوڑا پہلے دن کے جنگ میں ہی سخت زخمی ہو چکا تھا۔ اس لئے اسے سیندھیا راج کے اصطبل میں ہی چھوڑ کر۔ قسمت کی ماری مہارانی نے گھوڑوں

کے اوصاف وعیوب کی ماہر ہوتے ہوئے بھی وہاں سے اس اڑیل ٹٹو کو ہی اپنی سواری کے لئے منتخب کر لیا۔ اور سیندھیا راج کی وشواس گھاتی فوج کی مانند اس گھوڑے نے بھی عین موقع پر انہیں دھوکا دیا۔ مہارانی جی نے ہر چند چاہا کہ کسی طرح اپنا گھوڑا خطرے سے باہر نکال لے جائیں، مگر سب کوششیں بیکار گئیں۔

اسی اثنا میں تعاقب کرنے والے کئی انگریز سوار سر پر آ پہونچے۔ اس وقت مہارانی جی کے ساتھ صرف چار پانچ محافظ تھے۔ اور وہ بھی اس بھاگ دوڑ میں ان سے بہت آگے نکل گئے تھے۔ اس لئے مہارانی جی۔ ان شکاری چیتوں کے جھنڈ میں اکیلی ہی پھنس گئیں۔ اور ان سب نے ایک دم ان پر حملہ کر دیا۔ مہارانی بڑی پھرتی اور ہوشیاری کے ساتھ ان کے چوطرفہ حملوں کی بوچھاڑ سے بچتی رہیں۔ اور اپنے حملہ آوروں کو ایک ایک کر کے تلوار کے گھاٹ اتارتی رہیں۔

مگر آخر یہ غیر مساوی جنگ کب تک جاری رہتی؟ آخر وہ تھک گئیں، ان کے بازو شل ہونے لگے۔ اور بہت کچھ بچانے پر بھی زخم پر زخم لگنے لگے۔ اتنے میں اچانک ہی کسی حملہ آور کا ایک وار۔ ان کے سر پر ایسا بھرپور پڑا۔ جو ان کی پیشانی کے بائیں حصے کو کاٹتا ہوا۔ بائیں آنکھ بھی باہر نکال لایا۔ اُسی وقت اُنہوں نے بھی تڑپ کر۔ اپنے حملہ پر جب جوابی وار کیا۔ تو وہ جوان بھی خاک و خون میں لوٹتا ہی نظر آیا۔

اتنے ہی میں مہارانی جی کے وفادار ساتھی بھی۔ انہیں اپنے ساتھ نہ پا کر۔ فوراً گھوڑے دوڑاتے وہاں آ پہونچے۔ اُنہوں نے جو مہارانی جی کو اس خوفناک زخمی حالت میں۔ دشمنوں کو برابر ترکی بہ ترکی جواب دیتے اور کاٹ کرتے

پر گراتے ہوئے دیکھا تو بس پھر کیا تھا؟ سب یکدم بجلی کی طرح ان حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے کئی ایک تو۔ مہارانی جی کے محافظوں کو آتا دیکھتے ہی پتہ توڑ بھاگ گئے مگر جو ڈٹے رہے۔ وہ وہیں ختم کر دیئے گئے۔

جانباز کاشی بائی نے مہارانی جی کو۔ جسم سے بے تحاشہ خون نکل جانے اور اتنے عرصہ دراز کی پیہم مارا ماری سے تھک کر۔ بیہوش ہوتے ہوئے دیکھا۔ تو ان کے گھوڑے سے نیچے سے گرنے سے پہلے ہی فوراً اپنا گھوڑا دوڑا کر ان کے پاس جا پہونچی۔ اور انہیں سہارا دے کر۔ قریب ہی واقعہ پھوس کی ایک جھونپڑی کے دروازے پر لے گئی۔ جہاں سب نے مل کر نہایت ہی احتیاط سے انہیں گھوڑے سے اتارا اور بڑی آہستگی کے ساتھ فرش زمین پر لٹا دیا۔

مہارانی جی کی یہ دردناک حالت دیکھ کر ان کے سبھی ساتھیوں کی آنکھوں سے گنگا جمنا بہہ نکلیں۔ نوعمر ناسمجھ راجکمار دامودر راؤ تو سہما ہوا آنکھیں پھاڑے کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ کیونکہ یہ سب معاملہ اس کی بال بدھی سے باہر تھا

آخروقت میں جب مہارانی جی کو کچھ سنبھالا سا آیا۔ تو انہوں نے نہایت ہی بیقرار اور مضطرب نظروں سے دامودر راؤ کو دیکھا اور بڑی دھیمی آواز میں اسے پاس لائے جانے کا حکم دیا۔ پھر" میرا بچہ! میرا لال! میرا پران!" وغیرہ وغیرہ کہتے ہوئے اس کے سر ماتھے کو بڑے پریم سے چوم کر رام چندر راؤ سے بولیں "سردار جی! اب میری اس امانت کے تم ہی محافظ ہو! جیتے جی اس پر کوئی آنچ نہ آنے دینا! اور دیکھئے۔ میرے اس شریر کو کسی بھی جاتی دردھی یا ودھرمی کا ہاتھ اپوتر نہ کرنے پائے! یہی میری آخری وصیت سمجھئے! اور مجھے وداع کیجئے!

رام! رام! ہرے رام! ہرے رام! سیتا رام! سی...تا... رام... سی... تا... رام... رام... ر... ا... م...

یہی پوتر شبد اچارن کرتے کرتے آخر اس امر کیرتی دیوی نے اپنی یہ جیون لیلا سماپت کر دی۔ اور اس کے ماتم زدہ ساتھیوں نے اس دیوی کے آخری نام کی تعمیل ہیں۔ اس کے پوتر شریر کو اس پھونس کی جھونپڑی کے ساتھ ہی پھونک کر اس کا آخری سنسکار کر کے۔ اسے دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں سے اپوتر ہونے سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔

اسکے بعد وہ اسکی اولیہ امانت یعنی راجکمار دامودر راؤ کو اپنے ساتھ لئے۔ کسی اور جگہ۔ اپنا سر چھپانے کی غرض سے وہاں سے آنسو بہاتے ہوئے روانہ ہوئے۔

---

(۳۴)

تانتیا ویر کی شطرنجی چالیں

مہارانی لکشمی بائی جی کے۔ اس طرح انگریزوں کے ساتھ لڑتے لڑتے میدان جنگ سے صاف نکل جانے کی خبر سے اگرچہ راؤ صاحب پیشوا اور ان کے ساتھیوں کو۔ کچھ اطمینان تو ہوا۔ مگر ان کا تعاقب جاری رہنے کی خبر سے ان کی تشویش اور بڑھ گئی۔ ایسے میں وہ جنگ جاری رکھنے کا حوصلہ کس طرح قائم رکھ سکتے تھے؟ اس لئے اُنہوں نے بھی یکے بعد دیگرے بھاگ بھاگ کر اپنی جان بچالے جانا ہی غنیمت سمجھا۔ اس وقت جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ قریباً سبھی انگریز افسروں کی توجہ مہارانی کے محاذ کی طرف کھچ گئی تھی۔ اور ان میں سے ہر ایک کی اپنی جگہ یہی کوشش تھی۔ کہ جیسی بھی ہو۔ مہارانی کو اور کسی طرف سے کچھ مدد نہ پہونچ سکے

اس لئے ان باغی سرداروں کے لئے یوں بھاگ نکلنا کچھ مشکل بھی نہیں ہوا۔
ان سب کے میدان خالی کر جانے کے لیے سر ہیوزروز نے بڑی آسانی سے قلعہ گوالیار پر قبضہ کر لیا۔ اور آخر ۱۶ر جولائی ۱۸۵۸ء کو گوالیار کے راجہ جیا جی راؤ کو پھر ان کے بزرگوں کے راج سنگھاسن پر جلوہ افروز کر کے راجہ ادھیراج کے معزز القاب سے ملقب کر دیا۔ ان کی اس دوبارہ تخت نشینی کی اطلاع باقاعدہ طور پر گورنر جنرل لارڈ کیننگ کو بھیج دی گئی اور اس موقع پر شہر گوالیار اور خصوصاً لشکر گوالیار میں خوب دیپ مالا کی گئی۔ پھول باغ میں سب انگریز افسروں کو خوب دھوم دھام سے پارٹی دی گئی۔ اور کئی دن تک خوب راگ رنگ ہوتے رہے

انگریز مؤرخوں اور مصنفوں نے راجہ جیا جی راؤ کی وفاداری کے خوب گیت گائے ہیں۔ چنانچہ "سنٹرل انڈیا" (وسط ہند) کے مصنف نے لکھا ہے کہ "ریاست گوالیار کے نقشے پر ایک نظر ڈالتے ہی یہ صاف دکھائی دے جاتا ہے کہ اگر یہ ریاست باغیوں کے ساتھ مل جاتی تو ہمارا کیا انجام ہوتا؟ کیونکہ نظام کا علاقہ بھی اس وقت کافی طور پر بھڑک اٹھنے کے قابل ہو چکا تھا۔ اس لئے گوالیار میں یہ آگ پھیلتے ہی۔ یقیناً علاقہ نظام میں بھی ضرور پھیل جاتی اور اس صورت میں یہ کہنا مشکل ہے کہ ہم جنوبی ہند کے کسی بھی حصے کو اس سے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو سکتے یا نہیں۔

زیادہ کیا لکھا جائے۔ ان سب واقعات کی بذریعہ تار لندن اطلاع بھیجے ہوئے۔ خود لارڈ کیننگ گورنر جنرل ہند نے گوالیار کے سیندھیا مہاراج کی انگریز بھگتی کی تعریف میں یہاں تک لکھ ڈالا تھا کہ "اگر سیندھیا مہاراج بغاوت میں شامل ہو جاتے۔ تو مجھے اگلے ہی دن اپنا اسباب سنبھال کر کوچ

کرجانا پڑتا۔"

کہا جاتا ہے کہ گوالیار سے بھاگ کر ایک عرصہ تک تو راؤ صاحب اور نواب باندہ وغیرہ سیناپتی تانتیا ٹوپی کے ساتھ انگریزوں کے خلاف سرگرمیوں میں حصہ لیتے اور ان سے لڑتے لڑاتے رہے۔ مگر آخر میں سب یکے بعد دیگرے تانتیا دیر کا ساتھ چھوڑ گئے۔ اور صرف تانتیا دیر ہی ایسے رہے جنہوں نے مہارانی لکشمی بائی کی مانند آخری دم تک جنگِ آزادی جاری رکھا۔ اس لئے اس سلسلہ میں ان کے اس آخری جنگ و جدل کا کچھ مختصر حال دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

گوالیار کی جنگ میں ناکامیاب ہونے کے بعد تانتیا جی نے سوچا کہ اب نربدا پار جا کر مرہٹہ ویروں کو انگریزوں کی مخالفت کے لئے اُبھارنا چاہیئے تاکہ ان کی مدد سے ایک بار پھر۔ ہندوستان کے اس جنگِ آزادی کو تیز کیا جا سکے۔ مگر اُنہوں نے اپنے دشمنوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے نربدا کا سیدھا راستہ اختیار کرنے کی بجائے پہلے بھرت پور کی طرف رُخ کیا۔ لیکن اُدھر سرہیوز بھی کچھ کچی گولیوں نہیں کھیلے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ مہارانی لکشمی بائی کے بعد۔ اگر انگریزی حکومت کے لئے کوئی شخص خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ تو وہ صرف تانتیا ٹوپی ہی ہے۔ کوئی دوسرا نہیں۔

اس لئے اُنہوں نے تانتیا جی کی ہر نقل و حرکت پر پوری پوری نظر رکھ کر۔ حتی الوسع ان کا تعاقب جاری رکھے جانے کے سخت احکام جاری کر دئے۔ تاکہ وہ کہیں انگریزی جاسوسوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر۔ پھر فتنہ و فساد کی کوئی ایسی آگ مشتعل نہ کر دیں۔ جس کا بجھانا مشکل ہو جائے۔

چنانچہ بھرت پور کی طرف جاتے ہوئے اُنہوں نے انگریزوں کو اپنے تعاقب

میں محسوس کر کے۔ یکایک جے پور کا رستہ لیا۔ مگر جب اُنہوں نے اُدھر بھی شکاریوں کو اپنے پیچھے ہی پیچھے پایا۔ تو جھٹ جنوب کی طرف بڑھ کر ریاست ٹانک کے قریب جا پہونچے۔ وہاں کے نواب صاحب نے انگریزوں پر اپنی وفاداری ظاہر کرنے کے لئے ان کی آمد آمد کی خبر سُن کر انہیں اپنی ریاست میں گھسنے سے روکنے کا ارادہ کر لیا۔ اور انہیں باہر ہی باہر مار بھگانے کی غرض سے اپنی فوجیں سرحد پر بھیج دیں۔ مگر واہ رے تانتیا دیر! اُنہوں نے نواب صاحب کی فوجوں پر کچھ ایسا طلسم پھُونکا۔ کہ وہ سب ان کا ہی دم بھرنے لگیں۔ اب تانتیا جی انہیں اپنے ساتھ لئے اندر گڑھ کی طرف بڑھے۔ اس طرح نواب صاحب تانتیا دیر کو بھگاتے بھگاتے اپنی فوجیں بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے۔

برسات کا موسم تھا۔ انگریزوں کی طرف سے میجر ہومز تانتیا دیر کا تعاقب کر رہے تھے۔ راجپوتانہ کی طرف سے آکر کچھ اور انگریزی فوجیں بھی میجر ہومز کے ساتھ مل گئی تھیں۔ اس مدد سے ان کا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا۔ ادہر رستے میں سامنے دریائے چنبل؛ جو ہندوستان بھر میں شاید سب سے زیادہ تیز و تند دریا سمجھا جاتا ہے۔ اپنی خوفناک طوفانی لہروں سے تانتیا جی کا راستہ روک رہا تھا۔ برسات کے دنوں میں چنبل پار کرنے کی جرأت کرنا۔ یقینی موت کے ساتھ کھیلنے سے کسی طرح بھی کم نہ تھا۔ اس لئے تانتیا ویر نے آگے نہ جا کر ریاست بوندی کی طرف قدم بڑھایا۔ مگر ادھر کپتان رابرٹسن رستہ روکے کھڑے تھے۔ اس لئے ان سے مٹھ بھیڑ ہو ہی گئی لیکن وہ ان کی صفوں کو بھی چیرتے پھاڑتے بوندی کی بجائے اودے پور کی طرف چل دیئے۔ جب وہاں بھی انگریزی فوج سے ان کی ٹکر ہوئی تو کسی نہ کسی طرح اس سے بھی نبٹے۔ اور اپنی توپوں کو وہیں چھوڑ کر ان کے بوجھ سے بھی ہلکے ہو گئے۔

اب اُنہوں نے جو بھی ہو۔ رام بھرد سے چینبل پار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر چینبل کے کنارے پہونچ کر انہیں معلوم ہؤا۔ کہ چینبل پار بھی انگریزی فوجیں چھاؤنی ڈالے پڑی ہیں۔ اور ان کی آمد آمد کے انتظار میں ہیں۔ لاچار جھالرا پاٹن کی طرف بڑھے۔ وہاں کا راجہ مقابلے کے لئے میدان میں آ ڈٹا۔ مگر نہ جانے جھالرا پاٹن کی فوجوں کو بھی کس جادو سے تانتیا ویر نے اپنے ساتھ ملا لیا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ راجہ صاحب کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ اور اُنہوں نے بہت سے سامان رسد اور سامان جنگ کے علاوہ پندرہ لاکھ روپیہ بھی تانتیا دیر کی بھینٹ کر کے مخلصی پائی۔

تانتیا جی نے پورے پانچ دن تک جھالرا پاٹن میں آرام کیا۔ پھر نرمدا پار کر کے۔ ریاست اندور میں گھسنے کی نیت سے اُدھر ہی چل پڑے۔

ان کی ان طلسمی کارگذاریوں کو دیکھ دیکھ کر انگریز حیران رہ گئے اور انہیں "شیطانی ہوّا" سمجھنے لگے۔ وسط ہند میں ہر طرف ان کی اس مار دھاڑ سے ہاہاکار مچ گئی۔ کئی شہر لٹے کئی ایک کے باشندوں نے مُنہ مانگا نذرانہ دے کر جان بچائی۔ کئی ہیکڑی باز راجاؤں اور نوابوں سے اُنہوں نے من مانے خراج کے علاوہ سامان جنگ بھی وصول کیا۔

غرضیکہ دریا۔ پربت۔ جھاڑی۔ جنگل جو بھی رستے میں پڑے۔ بے دریغ طے کر ڈالے۔ کہیں بھی کسی کے روکے نہ رُکے نہ کسی کے ٹوانٹے ڈٹے۔ ہوا کی مانند جدھر بھی رُخ کیا ادھر ہی اپنا رستہ بنا لیا۔ اور آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔ اگر انگریزی ڈاک ہتھے چڑھ گئی۔ تو اسے خاک سیاہ کئے بغیر نہ چھوڑا۔ کوئی خزانہ ہتھے لگا تو بلا تکلف لوٹ کر اپنے قابو میں کر لیا۔ بقولیکہ

ہر چہ از دوست مے رسد نیکوست

جس گاؤں یا قصبے نے مناسب خاطر تواضع میں آنا کانی کی۔ اسی کی کم بختی بُلادی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ کیونکہ ؎

جنگ و اُلفت میں ہر اک بات رواہتی ہے

جنرل نیپئر۔ رابرٹس۔ مچل۔ بریگیڈئیر پارکس۔ ہومس۔ ہومس۔ کپتان ہونر۔ میڈ۔ بیچر۔ سدرلینڈ وغیرہ وغیرہ ہوشیار، تجربہ کار، جنگ آزما انگریز افسر یکے بعد دیگرے انہیں گرفتار کرنے کا بیڑہ اٹھا اٹھا کر نکلے۔ مگر ان کی ہوا کو بھی نہ پاسکے۔ اگر کہیں بر تقدیر مقابلہ ہو بھی گیا۔ تو کچھ دیر تک لوہا بجا اور یہ جا۔ وہ جا۔ کسی کی بھی مجال نہ پڑی۔ کہ انہیں روکے یا قابو کرے۔

اسی طرح پورے ڈیڑھ سال تک سب کوششیں کر کر کے تھک گئے۔ مگر تانتیا ٹوپے کو اپنے جال میں نہ پھنسا سکے۔

جب تانتیا جی نے یہ خوب سمجھ لیا۔ کہ اب انگریزوں نے ان کی چال تاڑ کر۔ جنوب کی طرف کے سب ناکے بند کر دیئے ہیں۔ تو انہوں نے بظاہر ادھر کا خیال ہی چھوڑ دیا۔ اور شمال کی طرف چل دیئے۔ اور جب انگریزوں نے اس طرح دکن کی طرف سے بے فکر ہو کر۔ ان کے رستے جا روکے۔ تو تانتیا جی فوراً رخ بدل کر بیتوا ندی کے کنارے آپہونچے۔ اور آناً فاناً سے پار کر کے۔ راٹ گڑھ کے رستے پھر جنوب کی طرف چل دیئے۔ ان کی سانپ کی سی ان ٹیڑھی۔ ترچھی۔ بل کھاتی ہوئی چالوں نے۔ سب انگریز افسروں اور ان کی جانباز فوجوں کا ناک میں دم کر دیا۔ اور وہ کچھ بھی نہ سوچ سکے کہ وہ تانتیا ٹوپے کو قابو میں لانے کے لئے کیا کریں۔ کیا نہ کریں؟

راٹ گڑھ ہوتے ہوئے سیدھے ناگپور پہونچے۔ وہاں کچھ کام بنتے نہ دیکھا۔ تو بڑودہ کی راہ لی۔ رستے میں سدرلینڈ کی فوجوں سے زبردست

نکلی - پھر موقع پاتے ہی تو پیں وہیں چھوڑ چھاڑ کر فوراً اپنے بہادر سپاہیوں کے ساتھ ندی میں کود پڑے - اور دوسرے کنارے پر جا کھڑے ہوئے -
بیچارے سدرلینڈ اور ان کے سپاہی منہ تکتے ہی رہ گئے - تانتیا جی کی اس بہادری جوشیلے اور پھرتی کی داد دیتے ہوئے میلسن صاحب کو بھی اپنی تاریخ "بغاوت ہند" میں یہ لکھنا پڑا کہ "بلا شک و شبہ دنیا کی کسی بھی بہادر فوج نے اتنی تیزی اور جرأت کے ساتھ کبھی ایسے کوچ در کوچ نہ کئے ہوں گے - جیسے کہ تانتیا کی فوج نے کئے"۔
یہاں سے تانتیا جی سیدھے چھوٹے اودے پور جا پہونچے - بڑودہ وہاں سے صرف ۵۰ میل تھا - وہاں جانے کے ارادے سے انہوں نے ادھر کا ہی رخ کیا - مگر رستہ بھول کر بارک اودے پور جا نکلے - یہاں پھر کچھ نیت بدلی - اور اب شمال کی طرف قدم بڑھایا - بالکل بمصداق -

ملک خدا تنگ نیست - پائے مرا لنگ نیست !

تانتیا مہاراج کی اس آئے دن کی دوڑ دھوپ سے تنگ آ کر نواب باندہ نے تو آخر یہاں ان کا ساتھ چھوڑ دیا - کیونکہ انہی دنوں ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کی طرف سے غدر کے باغیوں کے لئے عام معافی کا اعلان ہو گیا تھا - اس لئے انہوں نے اس اعلان سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا - اور آخر گورنمنٹ انگریزی نے انہیں باقی عمر کیلئے چار ہزار روپے سال کی پنشن دینی منظور کر لی - ان کا سب علاقہ تو پہلے ہی ضبط ہو چکا تھا -

یہاں سے تانتیا جی اور راؤ صاحب اپنی باقی ماندہ فوج کے ساتھ شمال کی طرف روانہ ہو کر اودے پور (میواڑ) کے قریب جا پہونچے وہاں انگریزی

فوج سے پھر سخت بھیڑ ہو گئی۔ اور حسب دستور اس سے کسی طرح پیچھا چھڑا وہ ایک قریبی جنگل میں جا گھسے۔ جہاں سے انہیں ڈھونڈ نکالنا کوئی ہنسی کھیل نہ تھا۔ پھر پرتاپ گڑھ کی طرف قدم بڑھایا۔ تو رستے میں میجر راسکس اور ان کی فوجوں نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہو سکیں۔ اور تانتیا ویر اپنے ساتھیوں سمیت آندھی طوفان کی مانند ۲۵ دسمبر ۱۸۵۸ء کو بانسواڑے کے جنگلوں میں جا پہونچے۔ اتفاقاً ٹھیک اسی وقت دہلی کے شاہان مغلیہ کے چشم و چراغ شہزادہ فیروز شاہ بھی گوالیار کے باغی سرداران سنگھ کی معیت میں کچھ فوج لئے وہاں جا نکلے اور دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کی اس اتفاقیہ ملاقات کو ایک خدائی رحمت سمجھ کر تا دم مرگ ایک دوسرے کا ساتھ دینے کی حلف اٹھائی۔ بقول کسے ؎

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل!

لیکن ان بہادروں کا یہ عہد و پیماں۔ آہ و زاری یا نالہ و فریاد کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ اپنے دشمنانِ جاں سے۔ اپنی یکجائی طاقت کے ساتھ اپنی جانیں بچانے اور آخر دم تک اسی کوشش میں لگے رہنے کے لئے تھا۔ اگر چاہتے تو شاید وہ بھی نواب صاحب باندہ کی طرح اپنے آپ کو انگریزوں کے رحم پر چھوڑ کر اس آئے دن کی بھاگ دوڑ سے بچ جاتے۔ مگر ان کی ہمت مردانہ اور غیرت جانبازانہ نے انہیں یہ اجازت نہ دی اور للکار للکار کر یہی کہا کہ ؎

سر شمع ساں کٹائیے اور دم نہ ماریئے!
منزل ہزار دور ہو ہمت نہ ہاریئے!

اِس واقعہ کو ابھی کچھ بہت دن نہ گذرنے پائے تھے یعنی ۱۰ جنوری ۱۸۵۹ء کی صبح کو۔ جبکہ ویر تانتیا جی اپنے مترّوں اور ساتھیوں۔ یعنی راؤ صاحب۔ شہزادہ فیروز شاہ اور سردار مان سنگھ سمیت ایک جگہ اپنے خیمے میں بیٹھے کمال بے فکری کے ساتھ بات چیت کر رہے تھے۔ کہ ایک انگریز افسر نے۔ جو اپنی فوجوں سمیت ایک عرصے سے ان کی تلاش میں حیران و سرگرداں تھا۔ اچانک ہی وہاں پہونچ کر تانتیا جی کے کندھے پر ہاتھ جا رکھا۔ اور سب یہ سمجھنے لگے کہ بس اب خیر نہیں۔ سب کے سب یقیناً گرفتار کر لئے گئے!

لیکن واہ رے تانتیا ویر! نہ جانے اُنہوں نے کیا چال چلی؟ یا کیا منتر پھونکا کہ چشمِ زدن میں وہ اور اُن کے ساتھی۔ گرفتار کرنے والے انگریز افسر اور اس کے ہمراہیوں کے نرغے میں سے نکل کر ایسے ہوا ہوئے کہ چند ماہ تک ڈھونڈے بھی کسی کو پتہ نہ لگا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد راؤ صاحب پیشوا نے بھی اس آئے دن کی مار مار اور بھاگ دوڑ کی زندگی سے آخر تنگ آ کر اپنے پُرانے جانثار بہادر رفیق کی ہمراہی سے علیٰحدگی اختیار کر لی۔ سچ ہے ؎

سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جُدا ہوتا ہے انساں سے

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد وہ ویر تانتیا جی سے الگ ہو کر۔ سنیاسی کے بھیس میں جا بجا جگہ جگہ گھومتے پھرتے رہے۔ مگر ۱۸۶۲ء کے شروع میں انگریزی جاسوسوں نے انہیں کہیں پہچان کر پکڑ لیا۔ اور آخر ۲۰ اگست ۱۸۶۲ء کو انہیں۔ اسی برہماورت کے مقام میں لے جا کر پھانسی پر چڑھا

دیا گیا۔ جہاں سے ہمارے اس تاریخی ناول کا آغاز ہو کر اس کی بال دیر۔ آگنتا (چائلڈ ہیروئن) چھبیلی عرف منوبائی۔ مشہور عام مہارانی لکشمی بائی اور ان کے بال سکھاؤں یعنی انہیں راؤ صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی بالا راؤ عرف نانا صاحب* کا تعارف ہوا ہے۔ نانا صاحب کے بارے میں یہ مشہور ہے (جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں) کہ وہ کانپور کے خونی واقعہ کے کچھ عرصہ بعد اپنے رفیق کار سردار عظیم اللہ خاں کے ساتھ نیپال کے جنگلوں میں جا کر ایسے غائب ہوئے۔ کہ ان کا کسی کو کبھی پتہ نہ لگ سکا۔

افسوس کہ راؤ صاحب پیشوا کی علیحدگی کے بعد تانتیا دیر بھی کچھ زیادہ عرصے تک آزاد نہ رہ سکے۔ اور قریباً چار ماہ کے بعد گوالیاری سردار مان سنگھ کے دشواس گھات کا شکار ہو کر۔ انگریزوں کے قابو میں پھنس گئے۔ مشہور ہے کہ ۷ اپریل ۱۸۵۹ء کی اندھیری رات کو جبکہ تانتیا دیر حسب معمول کھا پی کر کامل بے فکری کے ساتھ۔ بے غل و غش اپنے خیمے میں آرام کر رہے تھے اور انہیں کسی دغا بازی کا خواب میں بھی کوئی خیال نہ تھا۔ تو یار مار خود غرض مان سنگھ۔ جو ان کے پاس ہی پڑا سو رہا تھا۔ چپکے سے اُٹھ کر۔ کہیں سے چند ایک انگریزوں کو۔ جو پہلے سے ہی اس سازش میں شریک ہو چکے تھے بُلا لایا۔ اور ان سب نے اس بے خبر سوئے ہوئے نہتے شیر پہ اچانک ہی حملہ کر کے اس کی مشکیں کس لیں۔ بس پھر کیا تھا۔ انگریزوں نے اس لاثانی اور

---

* مرہٹی زبان میں "نانا" ہندی لفظ "ننھے" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے بالا راؤ جی چھوٹے ہونے کے باعث نانا صاحب یعنی ننھے صاحب کے لقب سے ہی تاریخ میں مشہور ہو گئے۔

لافانی دیر اور بھارت ماتا کی آزادی کے امر پجاری کو ۸ اپریل ۱۸۵۹ء کو سپری لے جا کر پھانسی پر چڑھا دیا۔

گوالیاری سردار یا رمار مان سنگھ رائے نے اس وقت شاید اپنے اس نام کے اثر سے ہی تاریخ عالم میں ایک اس سے بھی زیادہ ناپاک اور گرا ہوا کام کرکے اپنے ماتھے پر حشر تک کے لئے ایک ایسے ہی بلکہ اس سے بھی بدرجہا زیادہ مکروہ کلنک کا ٹیکہ اپنے ماتھے پر لگا لیا۔ جیسا کہ ہندو پت مہارانا پرتاپ کے ساتھ عداوت کرکے شہنشاہ اکبر کے دست و بازو راجہ مان سنگھ نے اپنے ماتھے پر لگوایا تھا۔

حیف دُنیا کے لئے کچھ نہ سکندر نے کیا!
آپ کے روز جیا۔ جس لئے دارا مارا!

سالہا سال گذر گئے۔ اس یار مار مان سنگھ کا نام اوّل تو ان لوگوں کے سوا۔ جنہیں ویر تانتیا کے دیر جیون کے سب سے آخری واقعات کا کچھ علم ہے۔ کوئی جانتا ہی نہیں۔ اور اگر کوئی جانتا بھی ہے۔ تو اس نام کو انہیں جذبات نفرت وحقارت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ جن سے کہ اس کے ہمنام ہمیشہ دو دالنے امبر کا نام لیا جاتا ہے۔ جس نے ہندو پت مہارانا پرتاپ سے عداوت اور حسد رکھنے کے کلنک کا ٹیکہ ہمیشہ کے لئے اپنے ماتھے پر لگوا کر اپنے آپ کو ملعون مطعون بنا لیا۔ لیکن ان کے مقابلہ میں ویر تانتیا اور مہا دیر پرتاپ کے نام اب بھی ان کے دوست اور مداح ہی نہیں بلکہ دُشمن بھی عزت کے ساتھ لینے کے لئے مجبور ہیں اور زبانِ حال سے یہی کہتے ہیں۔ کہ

شکست و فتح ہے قسمت کے ہاتھ ورنہ امیر

مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

اور وہ دن بھی۔ پرکھوکرباسے اب کچھ بہت دور دکھائی نہیں دیتا جب کہ آزاد ہندوستان کے آزاد آسمان پر ان اور ایسے دوسرے بے شمار جانباز ویروں کے نام نامی روشن ستاروں کی مانند جگمگائیں گے۔ اور بقول شاعر۔ ان

شہیدوں کی چتاؤں پر لگیں گے ہر برس میلے
وطن پر مٹنے والوں کا یہی باقی نشاں ہوگا

(۳۴)

مہارانی کی امانت

اس خونین داستان سے نمایاں تعلق رکھنے والے سبھی ویروں کے پُرحسرت اور دردناک انجام پر مناسب روشنی پڑ چکی۔ لیکن امرکیرتی مہارانی لکشمی بائی کی آخری امانت۔ یعنی ان کے پوتبیہ پتی دیو کے نام لیوا اور پانی دیوا مہاراجکمار دامودر راؤ کا ذکر ابھی باقی ہے۔ جن کی حفاظت کا خیال آخری وقت تک بھی مہارانی کے دل سے دور نہیں ہو سکا تھا۔

مہارانی جی کے آخری سنسکار کے بعد۔ ان کے معتمد جانباز سردار راجیندر راؤ دشمکھ اور ویربالا کاشی بائی جواب دامودر راؤ کے محافظ بنا دیئے گئے تھے۔ مع اپنے دوسرے چند باقیماندہ ساتھیوں کے نو سالہ مہاراجکمار دامودر راؤ

کو ساتھ لئے سیناپتی تانتیا جی اور راؤ صاحب پیشوا جی کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ جو، جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ مہارانی کی فراری اور ان کے تعاقب کی خبروں سے حوصلہ ہار کر۔ انگریزوں کے غیظ و غضب سے اپنی جان بچانے کے لئے۔ خود بھی اپنی فوجوں سمیت گوالیار کے میدانِ جنگ سے غائب ہو چکے تھے۔

وفادار رام چندر راؤ اور ان کے ساتھی قریباً ۱½ سال تک دامودر راؤ کو اپنے ساتھ لئے۔ تانتیا جی اور پیشوا جی کی تلاش میں۔ انگریزوں سے چھپتے چھپاتے اور اپنی نیز راجکمار کی جان ان سے بچاتے۔ بن بن اور گاؤں گاؤں پھرتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ گوالیار سے روانگی کے وقت انکے پاس قریباً ۷۵ ہزار روپے کے قیمتی جواہرات و زیورات وغیرہ تھے۔ جو اس جلا وطنی کے عرصہ میں۔ جگہ جگہ رشوتیں دے کر جان بچانے اور اپنی ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے میں قریب قریب سبھی ٹھکانے لگ گئے۔ اور آخر میں دامودر راؤ کی کلائی پر سونے کا ایک کڑا باقی رہ گیا۔ اب ویر رام چندر راؤ کو اپنی اور مہاراجکمار کی جان بچانی اور بھی مشکل ہو گئی۔

اپنی اس بدقسمتی کے زمانے میں وہ کوٹڑا۔ سپری۔ پاٹن۔ بڑودہ وغیرہ وغیرہ مقامات اور ان کے نواحی علاقوں کی خاک چھانتے ہوئے آخر آگرہ جا پہونچے۔ جہاں اس وقت انگریزوں کی چھاؤنی پڑی تھی۔ اس چھاؤنی کے منتظم اور افسر اعلےٰ مسٹر پلیک نامی ایک نیک دل انگریز تھے۔ جو مہارانی لکشمی بائی کی جرأت و جانبازی کے تہ دل سے مداح ہونے کے علاوہ۔ پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھنے کے باعث۔ ان کے حالات زندگی سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ اور ان کے ساتھ انگریز افسروں کی طرف سے

دانستہ یا نادانستہ طور پر جو بے انصافی اور زیادتی ہوئی تھی۔ اسے محسوس کرکے مہارانی جی سے دل ہی دل میں ہمدردی رکھتے تھے۔ وہ اس قسمت کے مارے آوارہ قافلے کی فاقہ کشی۔ بے کسی اور بے بسی کی حالت سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ بڑی مہربانی اور انسانیت کے ساتھ پیش آئے۔

مسٹر پنیک کی اس ہمدردانہ اور فیاضانہ روش سے حوصلہ پا کر آخر کاشی بائی اور سردار رام چندر راؤ نے مہاراجکمار داموودر راؤ کی حقیقت کا راز بھی ان سے پوشیدہ نہ رکھا۔ جسے سُن کر صاحب ممدوح نے انہیں اپنی سرپرستی اور امداد کا ہر طرح یقین دلا کر ان سب کی وفاداری اور جاں نثاری کے خیال سے ان کے ساتھ اور بھی عزّت اور احترام کا سلوک کرنا شروع کر دیا۔

آخر انہیں کی پُر زور سفارش اور وساطت سے اندور کے پولٹیکل ایجنٹ صاحب مسٹر شیکسپیئر (جو مسٹر پنیک پر خاص طور سے مہربان تھے) نے راجکمار داموود راؤ اور ان کے سب ساتھیوں کو معافی دلا کر ۵ رمئی ۱۸۶۰ء کو اندور بلا لیا۔ احسان شناس سردار رام چند راؤ دیش مکھ نے پنیک صاحب کی اس عنایت و نوازش کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے۔ مہاراجکمار داموودر راؤ کا وہ ایک کڑا بھی ایک نشانی اور یادگار کے طور پر مسٹر پنیک کی نذر کر دیا۔

مسٹر شیکسپیئر اور مسٹر پنیک کی پُر زور سفارشوں کی بدولت لارڈ کیننگ نے راجکمار داموودر راؤ کی ۱۸ سو روپیہ سالانہ پنشن مقرر کر دی۔ مسٹر شیکسپیئر کو بھی اس اثنا میں بدقسمت راجکمار سے کچھ دلی محبت سی ہو گئی تھی۔ اور وہ انہیں اپنے بچّوں کی مانند سمجھنے لگے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے منشی

دھرم نارائن نامی۔ ایک قابل اور ہمدرد شخص کو ان کا نگراں اور اتالیق مقرر کرکے۔ ان سے راجکمار کو انگریزی، مرہٹی اور اُردو وغیرہ زبانوں اور دوسرے ضروری مضامین کی تعلیم دلوانی شروع کردی۔ اور جب راجکمار دامودر راؤ بالغ ہوگئے۔ تو مسٹر فلیکسپیئر ان کے اوصاف حمیدہ سے ایسے متاثر ہوئے۔ کہ انہیں ان کا وہ چھ لاکھ روپیہ کا ورثہ بھی۔ جو مہاراجہ گنگادھر راؤ کے متبنٰی کی حیثیت سے۔ انگریزی سرکار کے پاس امانت کے طور پر جمع تھا۔۔۔۔ واپس دلانے کی غیر متوقع کوشش کرنے لگے۔ مگر افسوس کہ یہ نیکدل انگریز کامیاب نہ ہوسکا۔ اور جس شخص کو قسمت نے ایک معمولی سے گھر میں پیدا کرکے بھی، ۷۰۔ ۲۵ لاکھ کی سالانہ آمدنی کی راج گدی کا وارث بنادیا تھا۔ اسے اب اپنا سر چھپانے کے لئے کہیں ایک جھونپڑی تک بھی نہ مل سکی۔ ع

نیرنگیٔ قسمت کے تماشے بھی عجب ہیں
اک دم میں بنا دیتی ہے شاہوں کو گدایہ

مہاراجکمار دامودر راؤ کی چاچی نے اپنے زیورات وغیرہ فروخت کرکے۔ ان کی شادی اندور کے ایک کلین برہمن پریوار میں کرادی۔ جو بھٹ وڈیکر کے نام سے مشہور تھا۔ مگر اس دیوی کا ۱۸۷۲ء میں سورگباش ہوگیا۔ اس کے بعد ان کی دوسری شادی شبوڑے نامی پریوار میں ہوئی۔ جس سے انہیں ۱۹۰۲ء میں ایک سُپتر رتن کی پراپتی ہوئی۔ ان کا نام لکشمن راؤ رکھا گیا۔ جو اب تک مہاراجہ گنگا دھر راؤ اور مہارانی لکشمی بائی جی کے نام لیوا اور پانی دیوا کی حیثیت سے اندور میں براجمان ہیں۔ اور اپنے ان پوجیہ بزرگوں کی زندہ جاوید ہستی پر بجا طور سے فخر کرتے ہیں۔ نیز یہ امید رکھتے

ہیں کہ ؎

ذرّے کا بھی چمکے گا ستارہ　　قائم جو زمین و آسماں ہے

فدایانِ وطن کی یاد دل سے مٹ نہیں سکتی
زمانے میں کہاں طاقت ہے نام انکا مٹانے کی
یہ وہ روشن ستارے ہیں قیامت تک جو چمکیں گے
ملی تاب و تواں کس کو چمک ان کی گھٹانے کی!

معزز ناظرین!! اب رخصت کی اجازت دیجئے! بھگوان کی کرپا سے چند مہینوں میں ہی

امر کیرتی راٹھور امر سنگھ

لے کر آپ کی سیوا میں حاضر ہوں گا۔ تب کے لئے

جے ہند!　　جے ہند!!　　جے ہند!!!

بندے ماترم

"نارائن"

مورخہ ۳ جولائی ۱۹۴۶ء

اُردو ادب میں قابل قدر اضافہ

آپ بھی ضرور پڑھیں

لڑکھڑاتی دُنیا یہ کتاب پنڈت جواہر لال جی نہرو کی زور قلم کا نتیجہ ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو ہندوستان کے ہردلعزیز اور انتہا پسند رہنما ہونے کے علاوہ عمدہ سیاسی مبصر بھی ہیں۔ دُنیا کے ہر کونے میں پیدا ہونے والی سیاسی ہر حرکت کو وہ ایک سیاستدان کی نظر سے دیکھتے ہیں ۱۹۴۲ء کی سیاسی تحریک کے سلسلہ میں جیل جانے کے بعد اُنہوں نے قید فرنگ میں ہی دُنیا کی سیاسی حالت پر ایک مبسوط اور جامع تبصرہ لکھا جس کا نام "لڑکھڑاتی دنیا" ہے۔ ہر ملک کے سیاسی رجحان اور بین الاقوامی دلچسپیوں اور مانگوں کو عریاں کیا گیا ہے۔ ہر ایک فرد و بشر کے لئے ضروری کتاب مجلد قیمت صرف -/۲ روپیہ

کانگریس کے ساٹھ سال از پٹابھی سیتا رامیہ۔ ممبر کانگریس ورکنگ کمیٹی۔ اس کتاب میں قابل مصنف نے کانگریس کے ساٹھ سال کے کام پر مفصل ریویو کیا ہے۔ کانگرس نے جو ترقی ان ساٹھ سالوں میں کی ہے۔ اُس کی مکمل کہانی ہے۔ قیمت صرف ۸/- آنے

آزاد ہند فوج کی کہانی لیکھک ڈاکٹر بال کرشن موج ایڈیٹر کہانی۔ آزاد ہند فوج کی مکمل تواریخ۔ اُس کے عروج و زوال کی مکمل داستان۔ اس کے علاوہ شری نیتا سبھاش چندر جی بوس۔ راجا مہندر پرتاپ و دوسرے جلاوطن راہنماؤں کے حالات بھی درج ہیں

قیمت مجلد کتاب -/۸/۱

آتم کتھا فخرِ ہندوستان شری مہاتما گاندھی جی کی خود نوشت سوانحعمری۔ مہاتما گاندھی جی ہندوستان کے سیاسی شعور کی بیداری کے صحیح محرک ہیں۔ ہندوستان میں آج کل جو سیاسی بیداری نظر آ رہی ہے۔ یہ بھی مہاتما جی کی قوتِ ارادی فولادی عزم اور مسلسل قربانیوں کی رہینِ منت ہے۔ اب شری مہادیو جی ڈیسائی نے اس کتاب کو مختصر کر کے پیش کیا ہے۔ کتابت عمدہ مجلد کتاب قیمت صرف ۱/۱۲

جیسے چاہو ویسے بن جاؤ یہ کتاب جیمز ایلین کی کتاب "NSAMANTHIN·ICETH" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انسان کی ترقی اُس کے اپنے خیالات اور عادات پر منحصر ہے۔ اس کے ساتھ ہی کتاب میں حسب ذیل مضامین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ۱۔ دل اور عادت ۔ ۲۔ دل پر واقعات کا اثر۔ ۳۔ تندرستی اور خیالات کا جسم پر اثر۔ ۴۔ خیالات اور منزلِ مقصود۔ ۵۔ کامیابی میں دل کا ہاتھ۔ ۶۔ خواب و خیال وغیرہ۔ ہر نوجوان پڑھے۔ قیمت صرف دس آنہ۔

ترقی اقبال کے اشارے یہ کتاب جیمز ایلین کی مشہور و معروف کتاب EVENING & MORNING THOUGHTS کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں یہ دکھایا گیا ہے۔ کہ خیالات کا اثر جیون میں کیا کیا تبدیلی لا سکتا ہے۔ ہمارے خیالات کیسے ہونے چاہیئں۔ ہر ایک نوجوان کے لئے اس کا پڑھنا لازمی ہے۔ قیمت کتاب - ۱۰/-

صحت اور یوگ کے آسن دنیا کا ہر ایک انسان کسی نہ کسی خواہش کے لئے سرگرداں ہے۔ ایک خواہش جو سب میں یکساں پائی جاتی ہے وہ ہے صحت اور تندرستی۔ داناؤں کا قول ہے۔ کہ بیمار ہونے پر علاج کرانے سے پہلے پرہیز بہتر ہے۔ اسی خیال کو مدِنظر

رکھتے ہوئے ہم نے یہ کتاب "صحت اور یوگ کے آسن" شائع کی ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے اور اس پر عمل کرنے سے کبھی کوئی بیمار نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب میں یوگ کے آسن بمعہ تصاویر دئے گئے ہیں۔ ہر آسن کے ساتھ اس کے کرنے کے طریقے اور اس کے فوائد درج کئے گئے ہیں۔ ہر ایک بیماری کا علاج بھی بذریعہ آسن بتایا گیا ہے۔ کتاب مجلد قیمت ۔/۸/۲

گیتا رہسیہ سار

لیکھک بھگوان تلک۔ یوں تو گیتا کی کئی ٹیکائیں ہو چکی ہیں۔ لیکن گیتا پر جو ٹیکا شری بھگوان تلک جی نے کی ہے۔ ایسی ٹیکا آج تک کوئی نہیں کر پایا۔ اس گیتا رہسیہ کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں گیتا کے ہر ادھیائے کا سار اور اس کی فلاسفی پر مفصل طور سے بحث کی گئی ہے۔ دوسرے حصے میں ہر ادھیائے اور ہر شلوک کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ کتاب مجلد۔ اتنا ہونے پر قیمت صرف چار روپیہ۔

"گیتا گاندھی"

مہاتما گاندھی جی کی گیتا پر لاثانی تفسیر "اناسکتی یوگ" کا اردو ترجمہ ہے۔ مہاتما جی نے یہ ٹیکا اپنے عمر بھر کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے۔ اس کو پڑھ کر کوئی منشیہ بھی گیتا کی مہانتا کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

قیمت مجلد کتاب صرف ۔/۸/۱

منشی پریم چندجی کے سب سے بہترین افسانوں کا مجموعہ

"میرے بہترین افسانے" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

قیمت صرف دو روپیہ آٹھ آنہ

آزاد ہند فوج کی کہانی از بال کرشن موج۔ قیمت ایک روپیہ ۸ ر

دُنیا کے بہترین افسانے قیمت ایک روپیہ ۱۲ آنے

پرائسچت - از شرت چندر چیٹرجی۔ قیمت ایک روپیہ ۱۲ آنے

سوامی از شرت چندر چیٹرجی۔ قیمت دو روپیہ چار آنہ

کپال کنڈلا از بنکم چندر قیمت ایک روپیہ

شالن از شانتی نارائن قیمت ۲/۴/-

بڑی دیدی از شرت چندر چیٹرجی قیمت ۲/۴/۰

نپولین از رام سروپ کوشل قیمت تین روپیہ

ہندوتو از ویر ساورکر قیمت ایک روپیہ ۴ آنہ

وشوا ناتھ پرنٹر و پبلشر نے مرکنٹائل پریس لاہور میں چھپوا کر ہسپتال روڈ لاہور سے شائع کی